برِّ صغیر اور پوری دنیا میں غلبۂ دین کا داعی

نوائے غزوۂ ہند

اگست ۲۰۲۵ء | صفر المظفر ۱۴۴۷ھ

بانی مُدیر: حافِظ طیّب نواز شہید رحمہ اللہ

”کیا ایک عظیم اور
شان دار امت غزہ
میں بھوک سے بلکتے
لوگوں کے لیے دوا،
خوراک اور پینے کا پانی
نہیں پہنچا سکتی؟!“

خلیفۃ الرسول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مسلمانانِ یمن کے نام مکتوب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خلیفۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے یمن کے ان تمام مومنوں اور مسلمانوں کے نام
جن کے سامنے یہ خط پڑھا جائے

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں تمہارے سامنے اس اللہ کی تعریف کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اما بعد! اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر جہاد فرض فرمایا اور انہیں ہر حال میں نکلنے کا حکم دیا، چاہے ہلکے ہوں یا بھاری۔ اپنے راستے میں مال و جان لے کر جہاد کرنے کا حکم دیا۔ جہاد اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کردہ ایک زبردست فریضہ ہے، جس کا ثواب اللہ کے ہاں بہت زیادہ ہے۔ ہم نے مسلمانوں سے کہا ہے کہ وہ ملکِ شام میں جا کر رومیوں سے جہاد کریں۔ وہ اس کے لیے فوراً تیار ہو گئے اور اس میں ان کی نیت بہت اچھی ہے (کہ وہ اللہ کو راضی کرنے کے لیے جا رہے ہیں) لہٰذا تم بھی (اس سفر جہاد کی) تیاری جلدی سے کر لو، لیکن اس سفر میں تم لوگوں کی نیت ٹھیک ہونی چاہیے۔ تمہیں دو خوبیوں میں سے ایک خوبی تو ضرور ملے گی۔ شہادت یا فتح اور مال غنیمت، کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے اس بات پر راضی نہیں ہیں کہ وہ صرف باتیں کریں اور عمل نہ کریں۔ اللہ کے دشمنوں سے جہاد کیا جاتا رہے گا۔ وہ اپنے دین کی حفاظت فرمائے گا۔ میری دعا ہے کہ اللہ تمہارے دلوں کو ہدایت عطا فرمائے اور تمہارے اعمال کو پاکیزہ فرمائے اور تمہیں جم کر مقابلہ کرنے والے مہاجرین کا ثواب عطا فرمائے۔

(حیات الصحابہؓ جلد اوّل، صفحہ ۴۷۵)

رسولِ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”خراسان سے سیاہ جھنڈے نکلیں گے، کوئی چیز انہیں نہ روک سکے گی یہاں تک کہ وہ ایلیاء (بیت المقدس) میں نصب ہو جائیں گے، پس جب تم ان کے بارے میں سنو تو ان کے پاس جاؤ اور ان سے بیعت کرو، کیونکہ ان میں (امام) مہدی ہوں گے“

[الحاکم فی المستدرک (صحیح علی شرط الشیخین)]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نوائے غزوۂ ہند

جلد نمبر: ۱۸، شمارہ نمبر: ۶

اگست ۲۰۲۵ء — صفر المظفر ۱۴۴۷ھ

بحمد اللہ... مسلسل اشاعت کا اٹھارہواں سال!

اس شمارے میں

اداریہ
جگر کے خوں سے اب یہ داغ دھونے کی تمنا ہے 5
تزکیہ و احسان
اصلاحِ معاشرہ: سورۃ الحجرات کی روشنی میں 9
آخرت
موت و ما بعد الموت 11
دار الافتاء
غزہ کی حالیہ جنگ سے متعلق مسلمانوں پر جہاد کی فرضیت کا بیان 14
فکر و منہج
القاعدہ کیوں؟ 17
مدرسہ و مبارزہ (مدارس و دینی جدوجہد کی تحریک) 21
کیا ریاست اسلامی ہو سکتی ہے؟ 25
کفار کا معاشی بائیکاٹ 30
صحبت با اہلِ دل!
مع الاستاذ فاروق 33
گوشۂ افکارِ شاعرِ اسلام
سلطان ٹیپو کی وصیت 36
عالمی منظر نامہ
خیالات کا ماہنامچہ 37
اخباری کالموں کا جائزہ 40
وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے! 46
علاج نیست! 48
طوفان الاقصیٰ
بڑھو خدا کے راستے میں کس کا انتظار ہے؟! 50
اہلیانِ غزہ کی فوری مدد کے لیے ہنگامی اپیل 52
فلسطینی صحافی انس الشریف کی وصیت 54
قبلۂ اوّل سے خیانت کی داستان (مراکش) 55
مری ہچکیاں کسی دیس سے کسی مردِ حُر کو نہ لا سکیں! 63
کوئی غنڈہ اپنے بل پر غنڈہ نہیں ہوتا 65
غزہ: خاموشی جرم میں شرکت ہے! 66
افغان باقی کہسار باقی...... الحکم للہ والملک للہ
عمرِ ثالث 69
پاکستان کا مقدر...... شریعتِ اسلامی کا نفاذ!
دار الامان میں بے آبرو ہوتی قوم کی بیٹیاں 73
اٹھو پاکستان! بیٹی پکار رہی ہے 75
فوجی اشرافیہ کی صہیونیت 76
کشمیر...... غزوۂ ہند کا ایک دروازہ!
تری رہبری کا سوال ہے! 78
...... ہند ہے سارا میرا!
حربِ ظاہری کا حربۂ باطنی 80
علیکم بالشام
شام میں جہاد کا مستقبل 85
نقطۂ نظر
فراستِ مومن 91
اوطان کی جنگیں 93
حلقۂ مجاہد
مجاہد جہاد کیوں چھوڑ جاتا ہے؟ 95
سورۃ الانفال 98
نئے ساتھیوں کے لیے ہجرت و جہاد کی تیاری 102
الدراسات العسکریۃ
امنیت (سکیورٹی) 103
ناول و افسانے
الشوک والقرنفل (کانٹے اور پھول) 106
وغیرہ وغیرہ
اک نظر ادھر بھی 111
اس کے علاوہ دیگر مستقل سلسلے......

تجاویز، تبصروں اور تحریروں کے لیے اس برقی پتے (email) پر رابطہ کیجیے: editor@nghmag.com

www.nawaighazwaehind.site
www.nawai.io/Twitter
www.nawai.io/Bot
www.nawai.io/ChirpWire

ContactNGH.313

اعلانات از ادارہ:

- مجلّہ 'نوائے غزوۂ ہند' میں علمائے کرام کی اجازت کے بعد جانداروں کی تصاویر شامل ہوتی ہیں۔ تاہم یہ اجازت فقط مجلّے کے 'ویب ورژن (PDF وغیرہ)' کے لیے ہے، اگر کوئی مجلّے کو کاغذ پر چھاپنا چاہے تو براہِ کرم مذکورہ تصاویر کو دھندلا (blur) کر کے چھاپے۔ قدیم و معاصر علماء کی اکثریت بہر حال کاغذ پر چھپی تصویر کی اجازت نہیں دیتی!
- مجلّہ 'نوائے غزوۂ ہند' میں شائع ہونے والے 'مستعار' مضامین (بشمول سوشل میڈیا پوسٹس/سٹیٹس/ٹویٹس) مجلّے کی ادارتی پالیسی کے مطابق شائع کیے جاتے ہیں اور ان مضامین وغیرہ میں موجود تمام خیالات اور ان کے مصنفین کے تمام افکار و آرا سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

’غزوۂ ہند‘ تمام اہلِ ایمان کا قضیہ ہے اور اس ’غزوے‘ کی حمایت و نصرت تمام اہلِ ایمان بالخصوص برِّ صغیر میں بستے اہلِ ایمان کا فریضہ ہے۔ ’غزوۂ ہند‘ کی دعوت کو پھیلانے اور مضبوط کرنے کی ایک کوشش کا نام ’نوائے غزوۂ ہند‘ ہے۔

نوائے غزوۂ ہند:

- اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کفر سے معرکہ آرا مجاہدین فی سبیل اللہ کا موقف مخلصین اور محبّینِ مجاہدین تک پہنچاتا ہے۔
- برِّ صغیر، افغانستان اور ساری دنیا کے جہاد کی تفصیلات، خبریں اور محاذوں کی صورتِ حال آپ تک پہنچانے کی کوشش ہے۔
- امریکہ، بھارت، اسرائیل اور اس کے حواریوں کے منصوبوں کو طشت از بام کرنے، اُن کی شکست کے احوال بیان کرنے اور اُن کی سازشوں کو بے نقاب کرنے کی ایک سعی ہے۔

اس لیے...... اسے بہتر سے بہترین بنانے اور دوسروں تک پہنچانے میں ہمارا ساتھ دیجیے!

editor@nghmag.com

جگر کے خوں سے اب یہ داغ دھونے کی تمنا ہے

ایک عظیم بے حسی، ایک عظیم فراموشی اور ایک عظیم خیانت کا مظاہرہ ہم صبح و شام دیکھ رہے ہیں۔ نجانے کیا کیا باتیں ہیں جو دل میں آتی ہیں، لیکن زبان و قلم ان کو بیان کرنے کا یارا نہیں رکھتے۔ شیخ محمود حسنات کی بات یاد آتی ہے جو خطبے کے لیے کھڑے ہوئے اور یہ کہہ کر منبر سے اتر گئے کہ 'جس امت کو غزہ کے لوگوں کا قتلِ عام اور ان کی لاشیں بیدار نہیں کر سکیں ان پر میرے بیان و خطبے کا کیا اثر ہو گا؟' ۱۸ جولائی کی مجاہد قائد ابو عبیدہ کی خونچکاں پکار ذہن میں گردش کرتی ہے کہ ایک عالی شان امت ایسی حالت سے دوچار ہے کہ وہ غزہ میں بستے اپنے ہی لوگوں کو دوا، پینے کا پانی اور خوراک مہیا کرنے سے قاصر ہے۔ ابو عبیدہ نے اس امت، اس امت کے عوام و اشرافیہ کو، اس امت کے علماء و حکام کو، اس امت کے فوجیوں اور مجاہد ہونے کے دعوے داروں کو، اس امت کے شاعروں، ادیبوں، صحافیوں کو، اس امت کے اہلِ خیر و مال دار افراد، کاروباری شخصیات کو مخاطب کیا، لیکن ہائے افسوس کے سناٹا طویل سے طویل تر اور گہرے سے گہرا ہی ہوتا گیا۔

ہم میں سے کچھ لوگ اپنے دل کو یہ جھوٹی تسلیاں دیتے رہے کہ ہماری زندگی کے کچھ شغل ہمیں آخرت کی رسوائی سے بچالیں گے۔ لیکن غزہ کا ہر ہر فرد اعلانیہ کہہ رہا ہے کہ جس محمدٌ رسول اللہ کا کلمہ تم پڑھتے ہو، اب بروزِ قیامت ہم تم کو اسی محمدٌ رسول اللہ کے سامنے گھسیٹیں گے، تم پر فردِ جرم ہم یہاں عائد کرتے ہیں اور روزِ قیامت تمہارے گریبانوں میں ہاتھ ڈال کر، ساقیٔ کوثر (علیٰ صاحبہ آلف صلاۃ وسلام) کے سامنے تم کو رسوا کریں گے۔

یہ سطور لکھتے ہوئے ہم نے کئی بار سوچا کہ ہمارے قلم سے کوئی زیادہ سخت بات نہ نکل جائے۔ لیکن غزہ کے بچوں کی حالت، غزہ کی عورتوں کی حالت، وہاں کے بوڑھوں اور بے یار و مددگار مردوں کی حالت دیکھ کر، یقین جانیے، یہ سخت الفاظ نرم ہی لگتے ہیں۔

ایک باشرف، پردہ دار قوم کی بیٹیاں جب بھیک مانگنے والیاں ہو جائیں، ان کی عزتیں لٹ جائیں، سہاگ اجڑ جائیں۔ نازوں میں پلنے والے بچے جب بھکاری بن کر اس حالت کو پہنچ جائیں کہ وہ امداد پہنچانے والے غیر مسلموں کے ہاتھوں کو چوم کر شکریہ ادا کرنے والے ہوں۔ بھوک و پیاس سے ہڈیوں کا ڈھانچہ بنے بزرگ قطاروں میں کھڑے ہو کر جب غش کھا کر زمین پر گریں اور وہیں مر رہیں۔ لیکن ہم اپنے آرام کمروں میں ہوں، زندگی اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ، روشنیوں اور شہنائیوں کے ساتھ رواں ہو، تو اہلِ غزہ کیا اس بہترین امت کو بدترین امت قرار نہیں دیں گے؟

ہم نے سقوطِ غرناطہ کی تاریخ جب پڑھی، تو اس کے حکمرانوں کی لعنت و ملامت پر مبنی تاریخ کے ساتھ کئی کئی بار یہ بھی سوچا کہ اس وقت کے دیگر لوگ کیسے لوگ تھے، جنھوں نے اس سب بیتنے والے معاملے کو برداشت کر لیا تھا، کہنے کو تو تاریخ کے چند کردار شکست خوردہ یا فاتح ٹھہرتے ہیں۔ کہنے کو ایک ابو عبد اللہ برا تھا، اور کہنے کو ایک صلاح الدین اچھا ہوا کرتا ہے، لیکن سنجیدہ مطالعہ بتاتا ہے کہ ابو عبد اللہ اور صلاح الدین ایک ٹھاٹھیں مارتی قوم کے ضمیر کے عکاس ہوا کرتے ہیں۔ جہاں ضمیر مردہ اور ان کے دل غیرت و جہاد سے عاری ہوتے ہیں، تو ایسی قوم کے نمائندے ابو عبد اللہ اور جس قوم کا ضمیر بیدار، دل غیرت و جہاد سے معمور و مزین ہو تو اس قوم کو صلاح الدین جیسے پادشاہ ملا کرتے ہیں۔ لازمی نہیں ہوتا کہ ہر باضمیر و غیرت مند و مجاہد معاشرہ اور اس کے پادشاہ ہمیشہ کامیاب ہوں، وہ سراج الدولہ اور ٹیپو سلطان بھی ہوتے ہیں، موت کو گلے لگاتے ہیں اور تاریخ میں ہارے ہوئے 'فاتحین' قرار پاتے ہیں۔ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ غزہ نے کل فتح یاب ہو جانا ہے، اللہ کا کلمہ سر بلند ہونا ہے، لیکن جو نسل یہ کام کرے گی وہ نسل کل، ہمیں آج کی نسل کو، لعنت ملامت کرے گی اور کہے گی کہ دو ارب کی امت تھی، یہاں

علم و فن والے بھی تھے، مال و جلال والے بھی تھے، لیکن ہائے کیسے برے تھے ہمارے اسلاف کہ امت ان کے سامنے کٹتی رہی، لیکن یہ اپنے آرام کدوں میں محوِ عیش رہے۔ ہائے افسوس!

دل میں اگر کوئی غیرت کی چنگاری فروزاں ہو گئی ہو، تو آیئے چند اجمالی نکتوں میں اپنا فرض سمجھتے ہیں:

- جہاد فی سبیل اللہ، اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے، مظلومین کی حمایت کے لیے، اپنی سرزمینوں خصوصاً حرمِ اقصیٰ کو چھڑانے کے لیے، دامے، درمے، قدمے، سخنے اپنے گھروں سے آمادۂ جنگ ہو کر نکل آنا فرضِ عین ہے۔ امت کا کوئی شخص اس فرضِ عین سے بری نہیں ہے، سوائے اس شخص کے کہ جسے اللہ کی شریعت نے معذور قرار دیا ہو۔ یاد رکھیے جہاد کے لیے گھروں سے نکلنے نہ نکلنے کی بحث صحابۂ کرام اور سلفِ امت علیہم الرضوان کے یہاں تھی ہی نہیں۔ جس امت کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی جہاد سے عبارت ہو، جو امت اس نبیؐ کے عشق کا دم بھرتی ہو جو پیرانہ سالی میں اور ریش مبارک میں اتری چاندی کے ساتھ بھی اونٹوں اور گھوڑوں پر سوار ہوتے ہوں، جو دو دو زرہیں پہن کر، لوہے کی ٹوپیاں سر پر رکھ کر، بتار و ذوالفقار و مہند کو ہاتھ میں تھامتے ہوں، اس نبیؐ کے امتیوں کو جہاد کی فرضیت کے لیے فقہائے کرام کے فتاویٰ اور فقہ کی کتابوں سے عبارتیں دکھا کر قائل کرنا بڑی ہی عجیب بات ہے۔ جان لیجیے یہ جہادی امت ہے، اس امت میں اگر کوئی جہاد نہیں کرتا تو وہ کیا ہے؟

> ”فمن لم يجاهد فهو إما قاعد، أو منافق، أو خاذل، أو معذور، فما ثم غير.“

> ”پس کون ہے جو جہاد نہیں کرتا، تو جان لیجیے یا تو وہ پیچھے بیٹھ رہنے والا ہے، یا منافق ہے، یا
> بے توفیقا ہے یا وہ معذور شخص ہے جس کا مقبول عذر اللہ کی شریعت میں بیان کیا گیا ہے،
> پس اس کے علاوہ جہاد نہ کرنے والے کی اور کوئی قسم نہیں ہے!“

پس کل نہیں آج نکلیے، تاریخی کارنامے رقم کرنے کے لیے نہیں، اس بلا کو اپنے سر سے ٹالنے کے لیے، جو اہلِ غزہ کی بد دعاؤں اور سسکیوں اور آہوں کے سبب عنقریب ہم پر مانندِ صاعقہ گرنے والی ہے۔

- مغربی ممالک میں بستے اہلِ ایمان کے پاس بس دو میں سے ایک راستہ ہے۔ ہجرت یا جہاد۔ یا تو وہ اہلِ ایمان کی سرزمینوں کی طرف ہجرت کر جائیں (اور وہاں اعمالِ جہاد میں شریک ہو رہیں) یا مغربی ممالک میں رہتے ہوئے، اپنی گاڑیوں، اپنے ٹرکوں، اپنی چھریوں، گھر میں استعمال ہونے والے گیس سلنڈروں وغیرہ کو اسلحہ بنا کر صہیونی دشمنوں پر حملہ آور ہو جائیں[1]۔ اس کے سوا اب کوئی صورت ان کافر ممالک میں رہنے کی نہیں بچی[2]۔
- مغربی ممالک خصوصاً امریکہ میں بستے مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ نئے نئے جنگی طریقوں سے صہیونیوں کو نشانہ بنائیں، ان کے اقتصادی مراکز، سیاسی مراکز، سفارت خانوں اور عسکری مراکز کو ہر ممکن طریقے سے ہدف بنائیں۔ صہیونیوں کے سرغنوں کے خلاف ہدفی کارروائیاں (target killing) کریں، خصوصاً جب امریکی سرزمین میں اسلحہ حاصل کرنا ایک نہایت آسان کام ہے، تو آپ کس کے منتظر ہیں؟ اگر ایک عام امریکی، ٹرمپ کو اپنی بندوق سے نشانہ بنا سکتا ہے تو آپ تو اس بندوق حاصل کرنے کے

---

[1] ان جہادی عملیات کو عملی شکل دینے کے لیے تنظیم قاعدۃ الجہاد فی جزیرۃ العرب کے نشر کردہ مجلّے ’انسپائر/Inspire‘ کا مطالعہ نہایت مفید و معاون رہے گا۔

[2] جیسا کہ شیخ انور العولقی شہید اپنے فتاویٰ میں واضح کر چکے ہیں۔

ساتھ ساتھ ایمان کی بصیرت و فراست سے بھی بہرہ ور ہیں۔ اگر ایک عام عیسائی اسرائیلی سفارتی عملے کے لوگوں کو قتل کر سکتا ہے تو کیا ہے جو آپ کو روکے ہوئے ہے؟

- ہر مردِ مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ مراکزِ جہاد سے اپنے آپ کو جوڑے، جو ہجرت کر سکے تو وہ میادینِ جہاد کی جانب لپکے، عسکری تربیت حاصل کرے، بارود کا فن سیکھے، اپنی فنی صلاحیتوں خاص کر عسکری مہارتوں، سائبر ہیکنگ، ہوابازی وغیرہ میں مہارت حاصل کر کے امرائے جہاد کے سامنے اپنے آپ کو صہیونی دشمن کے خلاف لڑنے کے لیے پیش کرے۔ عالمی جہاد کے عالمی محاذ کسی ملک اور کسی برِّ اعظم میں محدود نہیں۔
- عالمی صہیونی دشمن کے بعد اس صہیونی دشمن کے محافظ، مقامی غلاموں کے خلاف بغاوت و جہاد کی تحریکیں برپا کی جائیں۔ مقامی طواغیت کو تخت سے تختۂ دار پر چڑھایا جائے۔ ایک ایسے اسلامی انقلاب کی راہ ہموار کی جائے کہ جس کے نتیجے میں اسلامی ممالک میں ایسی صالح اور باتدبیر اسلامی حکومتیں قائم ہو سکیں، جو شریعتِ محمدی (علی صاحبہا ألف صلاۃ وسلام) نافذ کرنے والی، خفیہ و اعلانیہ طور پر صہیونیوں پر ضرب لگانے والی اور مجاہدین و فدائینِ اسلام کی پشت پناہ ہوں۔ یہ جنگ چند دن کی جنگ نہیں، یہ تو ایک طویل جنگ ہے اور میدانی سٹریٹیجی ایمان و غیرت کے ساتھ اس جنگ کا سب سے پہلا تقاضا ہے۔
- علمائے امت، صوفیائے کرام اور داعیانِ دین، صحافیوں، شاعروں اور ادیبوں کا فرض ہے کہ وہ قرآنی حکم ’وحرض المؤمنین‘ کی عملی تجسیم بن جائیں۔ مسجدوں کے میناروں اور منبروں سے ذات و اجتماع میں نفاذِ شریعت کی صدا بلند کریں۔ فرائضِ دینیہ، اخلاقِ حسنہ اور جہاد بالطواغیت کا فہم، حکمت و بصیرت کے ساتھ عوام و خواص مجلسوں میں عام کریں۔
- امت کے اہلِ خیر و مال دار حضرات کا فریضہ ہے کہ وہ اپنے اموال سے امت کے مجاہد بیٹوں کی اعانت کریں، اہلِ غزہ پر مسلط کردہ بھوک و ننگ کی جنگ میں اپنے اموال سے ان کی نصرت کریں۔ عالمی سرمایہ دارانہ نظام کی ضد پر مسلمانوں کو فائدہ پہنچانے والے کاروباروں کو منظم کریں۔ وقت کی اہم ترین ضرورت مسلمانوں کی ادویہ سازی میں ترقی و مہارت ہے تا کہ مسلمانوں کا کافروں کی کمپنیوں اور نیو ورلڈ آرڈر کے تحت دوائیں بناتے اور دواؤں کو بطورِ اسلحہ استعمال کرتے اداروں کا سدِّباب کیا جا سکے۔ امت کے اہلِ خیر پر یہ بھی لازمی ہے کہ وہ امت کے آزاد و مفتوحہ علاقوں، مثلاً قلبِ ایشیا تا سواحلِ افریقہ میں صنعتی فیکٹریوں کو قائم کریں، جو مسلمانوں کے کفری برانڈز پر انحصار کو ختم کرنے کا سبب بنیں۔ اسلحہ سازی کی صنعت میں بھی ریڑھ کی ہڈی سرمایہ ہی ہے، بے شک تیر بنانے والے کے لیے تیر چلانے والے جیسا اجر ہے۔
- علم کے حلقہ جات ہوں یا تزکیے کے دائرے و زاویے۔ ہماری روشن تاریخ ہے کہ شاہ ولی اللّٰہ، شاہ عبد العزیز و شاہ اسماعیل شہید تا قاسم نانوتوی و شیخ الہند، ہمارے مدارس نے جہاد کی تربیت گاہوں اور چھاؤنیوں کا کردار ادا کیا ہے۔ ہماری خانقاہوں نے سیدؒ احمد شہید اور امام شامل جیسے باصفا مجاہد کردار پیدا کیے ہیں۔ ہمارے علماء اہلِ قلم و افتاء بھی رہے ہیں اور جب ضرورت پڑی تو انہی نے شاملی کے میدان بھی سجائے ہیں۔ ہمارے صوفیاء کو بقول سیّد احمد شہید جو روحانی ترقی خانقاہِ جہاد میں ملی وہ کہیں اور نصیب نہ ہوئی۔
- ائمۂ مساجد اور دیگر جگہوں پر باجماعت نماز کا اہتمام کرنے والے حضرات، خطبائے جمعہ وغیرہ انتہائی خصوصیت سے قنوتِ نازلہ کا اہتمام کریں۔ مشکلوں اور مصیبتوں کے ایام میں قنوتِ نازلہ پڑھنا رسولِ محبوب صلی اللّٰہ علیہ وسلم کی خاص سنت ہے۔
- امتِ مسلمہ کے معاشی بائیکاٹ نے صہیونیوں کی بہت سی بڑی بڑی کمپنیوں کی کئی اسلامی ممالک میں کمر توڑ دی ہے۔ اہلِ اسلام پر لازمی ہے کہ وہ اس معاشی بائیکاٹ کو پہلے سے بھی زیادہ شدت سے جاری رکھیں۔

جان لیجیے، جہاد تو اس امت کے کسی مخصوص گروہ یا جماعت کا کام نہیں۔ جہاد تو ایک اجتماعی فریضہ ہے۔ جب ہم فرضِ عین جہاد کی پکار لگاتے ہیں تو اس کا معنیٰ یہ ہر گز نہیں ہوتا کہ ہم ادائیگیٔ صلاۃ و زکاۃ کو، دعوت الی اللہ اور تزکیہ واحسان کو یا دین کی کسی اور خدمت کو ہیچ قرار دے رہے ہیں۔ ہم تو کہتے ہیں کہ تبوک جیسا زمانہ ہے، نفیرِ عام ہے، جہاد فرضِ عین ہے، سبھی لوگ آئیں، میدانِ جہاد میں پیش ہوں، فرضِ عین جہاد کی ادائیگی باقی فرائضِ دینیہ اور واجبات کے معطل ہونے کا نام ہر گز نہیں ہے، بلکہ ایسے شبہات تو شیطان و نفس کی شرارتیں ہیں۔

آبروئے دینِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا سوال ہے۔ امتِ محمدیہؐ کی بیٹیوں کی عزتوں کا سوال ہے۔ یتیموں، بیواؤں اور بھوک سے مرتے بوڑھوں کی پکار پر لبیک کہنے کا سوال ہے۔ اسرائیلی یہودی علی الاعلان رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں گستاخی کر رہے ہیں۔ وہ ہماری اور آپ کی غیرت کو للکار رہے ہیں، وہ کہہ رہے ہیں کہ اہلِ غزہ اگر امتِ محمدؐ سے ہیں تو محمدؐ اس دنیا میں ان کو بچانے کی خاطر موجود نہیں۔

کیا ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے اور آپؐ کے عشق کا دم بھرنے والے ایسے طعنوں اور ایسی دریدہ دہنیوں کو برداشت کرتے رہیں گے؟

یہ اُنؐ کے 'دین' کی حرمت، ادھر یہ سر سلامت بھی!؟
جگر کے خوں سے اب یہ داغ دھونے کی تمنا ہے!

یاد رکھیے کہ اس وقت، وقت کا اولین اور اہم ترین تقاضا بہر صورت و بہر قیمت اہلِ غزہ کا قتلِ عام بند کروانا اور ان کی ناکہ بندی کو تڑوانا ہے۔ اس کے لیے مؤثر عسکری کارروائیاں، صہیونی ممالک کے سفارت خانوں کا گھیراؤ، دیگر سفارتی و سیاسی کوششیں اور بڑی سطح پر فریڈم فلوٹیلا اور قافلۃ الصمود جیسی کوششیں اور کاوشیں کی جائیں۔ ان سب اعمال و افعال کو کرتے ہوئے یہ نکتہ ذہن نشین رکھا جائے کہ اہلِ غزہ کی نصرت عملاً تب تک ناممکن ہے، جب تک ہم اپنی جانوں سے اس طرح پیار کرتے رہیں گے کہ جس طرح 'اہلِ دنیا' اس جان کو عزیز رکھتے ہیں۔ اہلِ غزہ کی حقیقی نصرت ویسے ہی ایمان اور شوقِ شہادت کے ذریعے ممکن ہے، جیسا ایمان اور شوقِ شہادت اہلِ غزہ کے سینوں میں موجزن ہے۔ یہ نصرت ''حب الدنیا وكراهية الموت'' کی جگہ ''حب الموت وكراهية الدنيا'' کے ذریعے ہو گی۔ عسکری کارروائیاں تو خاص مجاہدین، فدائین و استشہادیین کا کام ہے۔ لیکن سفارت خانوں کے گھیراؤ سے لے کر فریڈم فلوٹیلا تک کے اقدامات بھی فدائیت اور شوقِ شہادت کے بنا ناممکن ہیں۔ مکرر! یاد رکھیے! اس وقت، وقت کا اولین اور اہم ترین تقاضا بہر صورت و بہر قیمت اہلِ غزہ کا قتلِ عام بند کروانا اور ان کی ناکہ بندی کو تڑوانا ہے۔

اللهم اهدنا فيمن هديت وعافنا فيمن عافيت وتولنا فيمن توليت وبارك لنا فيما أعطيت وقنا شر ما قضيت إنك تقضي ولا يقضى عليك وإنه لا يذل من واليت ولا يعز من عاديت تباركت ربنا وتعاليت!

اللهم وفقنا لما تحب وترضى وخذ من دمائنا حتى ترضى. اللهم اهدنا لما اختلف فيه من الحق بإذنك. اللهم زدنا ولا تنقصنا وأكرمنا ولا تهنّا وأعطنا ولا تحرمنا وآثرنا ولا تؤثر علينا وارضنا وارض عنا. اللهم إنّا نسئلك الثّبات في الأمر ونسئلك عزيمة الرشد ونسئلك شكر نعمتك وحسن عبادتك. اللهم انصر من نصر دين محمد صلى الله عليه وسلم واجعلنا منهم واخذل من خذل دين محمد صلى الله عليه وسلم ولا تجعلنا منهم، آمين يا ربّ العالمين!

•••••

اصلاحِ معاشرہ

سورۃ الحجرات کی روشنی میں

مولانا بلال عبد الحی حسنی ندوی

غیبت

تیسری بیماری جس کا آیت شریفہ میں ذکر ہے وہ غیبت ہے، ارشاد ہوتا ہے:

وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا

”اور نہ ایک دوسرے کی غیبت کرو۔“

غیبت کہتے ہیں پیٹھ پیچھے کسی کی برائی بیان کرنا، حدیث میں اس کی وضاحت و تفسیر موجود ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابہ کرام کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

أتدرون ما الغيبة؟ قالوا: االله ورسوله أعلم۔ قال: ذكرك أخاك بما يكره۔ قيل: أفرأيت إن كان في أخي ما أقول؟ قال: إن كان فيه ما تقول فقد اغتبته وإن لم يكن فيه فقد بهته [1]

”تم جانتے ہو کہ غیبت کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے بھائی کا ایسا تذکرہ جو اس کو ناپسند ہو۔ دریافت کیا گیا کہ اگر میرے بھائی میں وہ (ناپسندیدہ) چیز موجود ہو جو میں کہہ رہا ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اس کے اندر وہ چیز موجود ہے تب ہی تو تم نے غیبت کی اور اگر وہ چیز موجود ہی نہیں ہے تو تم نے اس پر تہمت لگائی (جو غیبت سے بڑا گناہ ہے)۔“

عام طور پر لوگ اس غلط فہمی کا شکار رہتے ہیں کہ اگر کسی ایسی برائی کو بیان کیا جائے جو موجود ہے تو یہ غیبت نہیں ہے، اس حدیث میں بات صاف کر دی گئی کہ غیبت تو جب ہی ہے کہ برائی موجود ہو، اور اگر برائی موجود نہیں ہے تب تو یہ بہتان طرازی اور الزام تراشی ہے جو بدترین گناہوں میں سے ہے۔

غیبت کے اسباب

عام طور پر سوءِ مزاج کے نتیجہ میں آدمی غیبت میں مبتلا ہوتا ہے، بعض لوگ تو صرف عاقبت نااندیشی کی بنا پر یہ کام کرتے ہیں، ان کو یہ خیال ہی نہیں رہتا کہ دنیا و آخرت میں اس کے نقصانات کیا ہیں، ایک بڑی تعداد انانیت پسند لوگوں کی بھی ہوتی ہے جو کسی کو اٹھتا ہوا نہیں دیکھ سکتے، ان کے سامنے اگر کسی کی تعریف کی جانے لگے تو فوراً وہ برائیاں تلاش کر کے بیان کرنے لگتے ہیں، جب کہ اسلامی مزاج کا تقاضا یہ تھا کہ دس برائیوں میں اگر ایک نیکی بھی ہے تو نیکی کا چرچا کیا جائے اور برائیوں کا تذکرہ نہ ہو، تاہم یہ بھی خیال رہے کہ اگر کہیں گواہی دینے کا مسئلہ ہے یا کوئی کسی کے بارے میں مشورہ کر رہا ہے تو اپنے علم کے مطابق صحیح رائے کا اظہار ضروری ہے، ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کے لیے دو لوگوں کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری وضاحت فرمادی اور جو نقص تھا وہ بھی بیان کر دیا تاکہ آدمی دھوکہ میں نہ پڑے اور بعد میں اس کو پچھتاوا نہ اٹھانا پڑے، محدثین کے یہاں جرح و تعدیل کا مستقل فن اسی لیے وجود میں آیا کہ غلط لوگوں سے روایات نقل کرنے میں احتیاط برتی جائے اور بے اصل روایات معاشرہ میں پھیل نہ جائیں، یہ ایک دینی شرعی مصلحت و ضرورت تھی اور اب بھی اگر ضرورت پڑے تو بالکل دو ٹوک انداز میں بات صاف کر دی جائے تاکہ نہ افراد دھوکے میں پڑیں اور نہ ہی امت کسی دھوکہ کا شکار ہو، لیکن یہ بات خاص طور پر قابل توجہ ہے کہ اس میں حدود قائم رکھے جائیں، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اس میں انانیت شامل ہو جاتی ہے اور اس پر ضرورت کا پردہ ڈال دیا جاتا ہے۔

اس گناہ کی شدت

موجودہ دور میں یہ بیماری اچھے اچھے دیندار حلقوں میں پیدا ہو گئی ہے، جب کہ حدیث میں اس کو بدترین گناہوں میں شمار کیا گیا ہے، بیہقی کی ایک روایت میں آتا ہے:

الغيبة أشد من الزنا۔ قالوا يا رسول الله! وكيف الغيبة أشد من الزنا؟ قال إن الرجل ليزني فيتوب فيتوب الله عليه، وإن صاحب الغيبة لا يغفر له حتى يغفرها له صاحبه۔ [2]

”غیبت زنا سے زیادہ سخت ہے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ اللہ کے رسول! غیبت زنا سے زیادہ سخت کیسے ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی زنا کرتا ہے پھر وہ توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالیتے ہیں اور غیبت کرنے والے کی اس وقت تک مغفرت نہیں ہوتی جب تک وہ شخص معاف نہ کر دے جس کی اس نے غیبت کی ہے۔“

ظاہر ہے جس کی غیبت کی گئی ہے معاشرہ میں اس کو گرانے کی کوشش کی گئی ہے اور یہ اس کا ایک بہت بڑا نقصان ہے، اسی لیے غیبت کو بھائی کے مردار گوشت کھانے کے مترادف قرار دیا گیا ہے، جب تک اس سے معافی نہ مانگ لی جائے، اس وقت تک اس گناہ سے معافی مشکل ہے اس لیے کہ یہ بندوں کے حقوق میں سے ہے، اللہ تعالیٰ اپنے حقوق تو معاف فرما

[1] صحیح مسلم، کتاب البر والصلة والادب، باب تحریم الغیبة، ابوداود، باب فی الغیبة

[2] بیہقی فی شعب الایمان، فصل فیما ورد من الاخبار فی التشدید علی من اقترض

دیں گے لیکن بندوں کے حقوق اس وقت تک معاف نہیں فرمائیں گے جب تک وہ ادا نہ کر دیے جائیں یا معاف نہ کرا لیے جائیں۔

اگر معافی نہ مانگی جا سکے

کبھی ایسی صورت حال بھی پیش آتی ہے کہ جس کی غیبت کی گئی اس کا انتقال ہو گیا یا اس کا خطرہ ہے کہ اگر معافی مانگنے کے لیے غیبت کا تذکرہ بھی ہوا تو فریق ثانی کی طرف سے سخت رد عمل ہو گا اور اس کے نتیجہ میں حالات مزید بگڑ جائیں گے اور فتنہ پیدا ہو گا ایک حدیث میں ایسی صورت حال کا علاج بتایا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے:

> إن من كفارة الغيبة أن تستغفر لمن اغتبته تقول اللّٰهم اغفر لنا وله[3]
>
> ”غیبت کا کفارہ یہ ہے کہ جس کی تم نے غیبت کی ہو اس کے لیے استغفار کرو اور کہو کہ اے اللہ ہماری اور اس کی مغفرت فرمادے۔“

بظاہر یہ حدیث ان ہی حالات کے لیے مخصوص ہے کہ جب معافی نہ مانگی جا سکتی ہو یا اس سے فتنہ کا خدشہ ہو، اس لیے کہ بیہقی کی اس سے پہلی والی روایت میں یہ صراحت ہے کہ جب تک معافی نہ مانگ لی جائے اس وقت تک اس گناہ کا معاف ہونا مشکل ہے، اس لیے اس دوسری حدیث کو مخصوص حالات پر محمول کرنا ہی مناسب ہے۔

مجالس غیبت میں شرکت کا وبال

جس طرح غیبت کرنا سخت گناہ ہے غیبت کا سننا اور ایسی مجالس میں شریک ہونا بھی گناہ ہے، حدیث میں آتا ہے:

> من اغتيب عنده أخوه المسلم فنصره نصره الله فى الدنيا والآخرة، وإن لم ينصره أدركه الله فى الدنيا والآخرة۔[4]
>
> ”جس کسی کے پاس اس کے مسلمان بھائی کی غیبت کی گئی اور وہ اس کی مدد پر قادر ہے اس نے اپنے بھائی کی مدد کی تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی مدد فرمائیں گے اور اگر قدرت کے باوجود اس نے مدد نہ کی تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی پکڑ کریں گے۔“

حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کبھی ایسی مجلسوں میں شرکت ہو بھی جائے اور کسی کی غیبت کی جائے تو شریک ہونے والے کی ذمہ داری ہے کہ وہ جس کی غیبت کی جا رہی ہے اس کا دفاع کرے، یہ اس کے لیے بڑے اجر کی بات ہے کہ وہ اس کی عزت رکھ رہا ہے اور اس مجلس میں اس کو ذلیل ہونے سے بچا رہا ہے، اللہ تعالیٰ بھی دنیا و آخرت میں اس کی مدد فرمائیں گے اس کو عزت بخشیں گے اور وہ ذلت سے محفوظ رہے گا، اس کے برخلاف اگر وہ مجلس میں

---

[3] بیہقی فی شعب الایمان، فصل فیما ورد من الاخبار فی التشدید

[4] مصنف عبدالرزاق،کتاب الجامع للامام معمر بن راشد،باب الاغتیاب والشتم، شرح السنة، باب الذب عن المسلمین

پوری طرح شریک رہا، غیبت سنتا رہا اور اس پر ذرا بھی ناپسندیدگی ظاہر نہ کی تو اس کے لیے وبال ہے، اس کا خطرہ ہے کہ وہ دنیا و آخرت کی ذلت اٹھائے۔

اسی آیت میں غیبت کی برائی مزید وضاحت کے ساتھ بیان کی گئی ہے، اور اس میں نفسیات کو اپیل کی جا رہی ہے ارشاد ہوتا ہے:

> اَیُحِبُّ اَحَدُکُمۡ اَنۡ یَّاۡکُلَ لَحۡمَ اَخِیۡهِ مَیۡتًا فَکَرِهۡتُمُوۡهُ
>
> ”کیا تم میں کسی کو اچھا لگے گا کہ اپنے مردار بھائی کا گوشت کھائے، اس سے تو تم گھن کروگے ہی۔“

غیبت کا ایک علاج

عجیب بات یہ ہے کہ عام طور پر مجلسوں میں غیبت کا سلسلہ جب چلتا ہے تو کسی کو خیال بھی نہیں رہتا اور اس میں مزہ آنے لگتا ہے، آیت شریفہ میں اس کا ایک نفسیاتی علاج بھی کیا گیا ہے، غیبت کے موقع پر اگر یہ تصور کر لیا جائے کہ جس کی غیبت کی جا رہی ہے در حقیقت اس کا سڑا ہوا گوشت کھایا جا رہا ہے تو اس تصور سے ہی طبیعت اِبا کرنے لگے گی اور غیبت سے کراہت سی پیدا ہو جائے گی، ظاہری طور پر آدمی خواہ اس کو محسوس نہ کر سکے لیکن یہ ایک حقیقت ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اعجاز ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض مرتبہ اللہ کے حکم سے ایسی چیزیں محسوس بھی کرا دیں۔ حدیث میں ایک واقعہ آتا ہے کہ ایک مرتبہ دو عورتوں نے روزہ رکھا، روزہ ان دونوں کو اتنا لگا کہ وہ ہلاکت کے قریب پہنچ گئیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پیالہ ان کے پاس بھیجا اور ان دونوں کو اس میں قے کرنے کا حکم فرمایا، دونوں نے قے کی تو اس میں گوشت کے ٹکڑے اور تازہ کھایا ہوا خون نکلا، لوگوں کو حیرت ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی حلال روزی سے تو روزہ رکھا اور حرام چیزوں کو کھایا کہ دونوں عورتیں لوگوں کی غیبت کرتی رہیں۔[5]

اس حدیث سے ایک بات یہ بھی سامنے آتی ہے کہ غیبت کرنے والے کے لیے نیکیاں مشکل ہو جاتی ہیں، اور اس کا ذہن غلط کاموں اور غلط باتوں کی طرف زیادہ مائل ہوتا ہے۔

غیبت سے روکنے والے کا اجر

جس طرح حدیث میں غیبت کرنے والے کو مردار بھائی کا گوشت کھانے والا کہا گیا ہے، اسی طرح اگر کوئی غیبت کرنے والے کو اس کے اس برے عمل سے باز رکھتا ہے تو وہ اپنے بھائی کی حفاظت کرنے والا شمار ہو گا، حدیث میں آتا ہے:

(بقیہ صفحہ نمبر 20 پر)

---

[5] بیہقی، دلائل النبوة، شعب الایمان

THE HEREAFTER

آخرت

شیخ انور العولقی شہید رحمہ اللہ

۲۵

موت وما بعد الموت

شفاعتِ عظمیٰ

آج ہم شفاعت کا باب شروع کریں گے۔ شفاعت1 دو قسم کی ہے:

- شفاعتِ عظمیٰ
- شفاعتِ صغریٰ

یعنی بڑی اور چھوٹی شفاعت۔ بڑی شفاعت یعنی شفاعتِ عظمیٰ کی اجازت صرف اور صرف نبی کریم ﷺ کو دی جائے گی اور یہ ایک شفاعت ہوگی جب کہ اس کے علاوہ بہت سی دیگر چھوٹی شفاعتیں بھی نبی کریم ﷺ کو دی جائیں گی اور ان کے علاوہ صالحین کو بھی دی جائیں گی مثلاً شہید کی شفاعت۔ ان شاء اللہ ہم شفاعت کے موضوع پر تفصیلی گفتگو کریں گے مگر فی الوقت ہم محض شفاعت عظمیٰ کی بات کرتے ہیں۔

شفاعت عظمیٰ نبی کریم ﷺ کے واسطے سے کی جانے والی کل انسانیت کے حق میں وہ بڑی شفاعت ہے کہ جس کے بعد لوگوں کا حساب کتاب شروع کیا جائے گا۔

قیامت کے دن، جو کہ پچاس ہزار برس طویل ہوگا، سورج لوگوں کے سروں پر ہوگا، شدید گرمی ہوگی اور لوگ اس گرمی میں کھڑے کھڑے پسینے سے شرابور ہو رہے ہوں گے۔ سکوت طاری ہوگا، اللہ رب العزت لوگوں سے کلام نہ فرماتے ہوں گے اور لوگ سوائے کھڑے ہونے کے کچھ کرنے پر قادر نہ ہوں گے۔ نیز وہ بھوک، پیاس اور تھکاوٹ سے نڈھال ہوں گے۔ پھر لوگ انبیا علیہم السلام سے کہیں گے کہ اللہ رب العزت سے حساب کتاب شروع کرنے کی درخواست کریں اور کہیں گے کہ بس حساب کتاب شروع ہو جائے خواہ اس کے نتیجے میں ہمیں جہنم کی آگ میں ہی کیوں نہ ڈال دیا جائے، اس انتظار سے ہم بے حال ہیں اور عاجز آچکے ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے حدیثِ شفاعت میں فرمایا، حدیث شفاعت کی بہت سی روایتیں بخاری و مسلم شریف اور دیگر کتب احادیث میں موجود ہیں، ہم یہاں بخاری شریف کی روایت ذکر کرتے ہیں:

> ”حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گوشت لایا گیا اور دستی کا حصہ آپ کو پیش کیا گیا۔ چونکہ آپ کو دستی کا گوشت بہت پسند تھا، اس لیے آپ نے اس میں سے لقمہ لیا پھر آپ نے فرمایا: قیامت کے دن میں لوگوں کا سردار ہوں گا۔ کیا تمہیں علم ہے کہ یہ کس وجہ سے ہوگا؟ اللہ تعالیٰ تمام اگلے پچھلے لوگوں کو ایک چٹیل میدان میں جمع کر دے گا۔ اس دوران میں پکارنے والا سب کو اپنی آواز سنائے گا اور ان سب پر اس کی نظر پہنچے گی، سورج بالکل قریب آ جائے گا، چنانچہ لوگوں کو غم اور تکلیف اس قدر ہوگی جو ان کی طاقت سے باہر اور ناقابل برداشت ہوگی۔ لوگ آپس میں کہیں گے کہ تم دیکھتے نہیں کہ ہماری کیا حالت ہوگئی ہے؟ کیا کوئی ایسا مقبول بندہ نہیں جو اللہ کے حضور تمہاری سفارش کرے؟ پھر وہ ایک دوسرے سے کہیں گے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جانا چاہیے، چنانچہ سب لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے: آپ سب انسانوں کے باپ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھوں سے بنایا اور اپنی طرف سے خصوصیت کے ساتھ آپ میں روح پھونکی اور فرشتوں کو حکم دیا تو انہوں نے آپ کو سجدہ کیا، اس لیے آپ اپنے رب کے حضور ہماری سفارش کریں۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ ہم کس مصیبت میں مبتلا ہیں؟ حضرت آدم علیہ السلام فرمائیں گے: بلاشبہ آج کے دن میرا رب انتہائی غیظ و غضب میں ہے۔ اس سے پہلے کبھی اتنا غضبناک نہیں ہوا اور نہ آئندہ کبھی ہوگا۔ میرے پروردگار نے مجھے درخت سے روکا تھا لیکن میں نے اس کی نافرمانی کی، نفسی نفسی (اس لیے مجھے تو اپنی فکر ہے۔ میں اپنی جان کی حفاظت چاہتا ہوں)، لہٰذا تم کسی اور کے پاس جاؤ۔ تم نوح کے پاس جاؤ۔ چنانچہ سب لوگ حضرت نوح علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے: اے نوح! آپ سب سے پہلے پیغمبر ہیں جو اہل زمین کی طرف مبعوث ہوئے اور اللہ نے آپ کو ’شکر گزار بندے‘ کا لقب دیا۔ آپ ہی ہمارے لیے اپنے رب کے حضور سفارش کر دیں۔ کیا آپ دیکھ نہیں رہے کہ ہم کس حالت میں پہنچ چکے ہیں؟ (حضرت نوح علیہ السلام) فرمائیں گے: بلاشبہ میرا رب آج بہت غضب ناک ہے۔ اس سے پہلے وہ کبھی ایسا غضب ناک نہیں ہوا اور نہ اس کے بعد ہی اس طرح غضب ناک ہوگا۔ اللہ نے مجھے ایک دعا کی قبولیت کا یقین دلایا تھا جو میں نے اپنی قوم کے خلاف کر لی تھی۔

نفسی، نفسی، نفسی۔ آج مجھے اپنی ہی فکر ہے، لہٰذا تم میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ، ہاں! حضرت ابراہیم کے پاس جاؤ، چنانچہ سب لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے: اے ابراہیم! آپ اللہ کے نبی اور اس کے خلیل ہیں اور اہل زمین میں منتخب شدہ ہیں، لہٰذا آپ اپنے رب کی بارگاہ میں ہماری سفارش کریں۔ کیا آپ دیکھ نہیں رہے کہ ہم کس مصیبت میں مبتلا ہیں؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام فرمائیں گے: آج میرا رب بہت غضب ناک ہے۔ اتنا غضب ناک نہ وہ پہلے ہوا تھا اور نہ آج کے بعد ہو گا۔ میں نے تین خلاف واقعہ باتیں کی تھیں۔ نفسی، نفسی، نفسی۔ مجھے تو اپنی فکر ہے۔ تم میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ، ہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ، چنانچہ سب لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے: اے موسیٰ! آپ اللہ کے رسول ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی طرف سے رسالت اور آپ سے گفتگو کرنے کی فضیلت دی۔ آپ اپنے رب کے حضور ہماری سفارش کر دیں۔ کیا آپ دیکھ نہیں رہے کہ ہم کس مصیبت میں مبتلا ہیں؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام کہیں گے: آج اللہ تعالیٰ بہت غضب ناک ہے۔ اتنا غضب ناک تو وہ نہ پہلے کبھی ہوا تھا اور نہ آئندہ کبھی ہو گا۔ میں نے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا جس کے قتل کا مجھے حکم نہیں دیا گیا تھا: نفسی، نفسی، نفسی۔ بس مجھے آج اپنی فکر ہے۔ میرے علاوہ تم اور کسی کے پاس چلے جاؤ، ہاں! حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ، چنانچہ سب لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آ کر عرض کریں گے: اے عیسیٰ! آپ اللہ کے رسول اور اس کا کلمہ ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام پر ڈالا تھا اور آپ اللہ کی طرف سے روح ہیں۔ آپ نے بحالت بچپن گود میں رہتے ہوئے لوگوں سے باتیں کی تھیں۔ اپنے رب کے حضور ہماری سفارش کریں۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ ہم کس حالت میں ہیں؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے: آج میرا رب بہت غصے میں ہے۔ وہ اس سے پہلے کبھی اتنا غضب ناک ہوا نہ آئندہ اس جیسا غضب ناک ہو گا۔ آپ اپنی کسی لغزش کا ذکر نہیں کریں گے۔ صرف یہ کہیں گے: نفسی نفسی، میں اپنی جان کی حفاظت چاہتا ہوں۔ میرے علاوہ تم اور کسی کے پاس جاؤ، ہاں! تم حضرت محمد ﷺ کے پاس جاؤ، چنانچہ سب لوگ حضرت محمد ﷺ کے پاس حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے: اے محمد ﷺ! آپ اللہ کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کر دیے ہیں۔ آپ اپنے رب کے حضور ہماری سفارش کر دیں۔ آپ خود ملاحظہ کر سکتے ہیں کہ ہم کس حالت میں ہیں؟ آخر کار میں خود آگے بڑھوں گا اور عرش کے نیچے پہنچ کر اپنے رب کے حضور سجدے میں گر جاؤں گا۔ پھر اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنے تعریفی کلمات اور حسن ثنا کے دروازے کھول دے گا جو اس نے مجھ سے پہلے اور کسی پر ظاہر نہیں کیے تھے۔ پھر کہا جائے گا: اے محمد! اپنا سر اٹھائیں اور سوال کریں آپ کو عطا کیا جائے گا۔ آپ سفارش کریں آپ کی سفارش قبول کی جائے گی، چنانچہ میں اپنا سر اٹھا کر عرض کروں گا: امتی یارب امتی یارب، اے میرے رب! میری امت، اے پروردگار! میری امت۔“

آپ ﷺ کسی جگہ مدعو تھے اور کھانا تناول فرما رہے تھے۔ دستی کا گوشت آپ ﷺ کے ہاتھ میں تھا جو کہ آپ ﷺ کو بہت مرغوب تھا، آپ نے اس گوشت میں سے لقمہ لیا اور فرمایا کہ قیامت کے دن میں (اولین و آخرین سب) لوگوں کا سردار ہوں گا: پھر آپ ﷺ خاموش ہو گئے اور صحابہ بھی خاموش ہو گئے: تب نبی کریم ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ تم پوچھو گے نہیں کہ کیوں؟ صحابہؓ نے دریافت کیا کیوں یا رسول اللہ؟ فرمایا کیونکہ قیامت کے دن لوگ تھکے ہوئے، ہلکان اور بہت برے حال میں ہوں گے اور اس حال کو پہنچ کو پھر وہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور ان سے کہیں گے کہ اے آدمؑ! آپ تو تمام نوع انسانی کے باپ ہیں، آپ تو وہ ہیں کہ جنہیں اللہ رب العزت نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے، آپ تو وہ ہیں کہ جن کے اندر اللہ رب العزت نے اپنی روح میں سے پھونکا، آپ ہی وہ ہیں کہ جنہیں اللہ رب العزت نے فرشتوں سے سجدہ کروایا...... تو کیا آپ ہمارے لیے آج کے دن اللہ رب العزت سے درخواست نہیں فرمائیں گے؟ آدمؑ فرمائیں گے کہ آج کے دن اللہ رب العزت غضب ناک ہیں اور اللہ رب العزت آج سے پہلے کبھی اس قدر غضب ناک نہیں ہوئے اور نہ ہی آج کے بعد اس طرح غضب ناک ہوں گے۔ میں نے درخت کا پھل کھا لیا تھا جو کہ مجھے نہیں کھانا چاہیے تھا۔ تم لوگ کسی اور کے پاس جاؤ: تم نوحؑ کے پاس چلے جاؤ۔

آدمؑ فرمائیں گے کہ میں اس ذمہ داری کا اہل نہیں، میں یہ نہیں کر سکتا کیونکہ میں نے ایک گناہ کیا ہے، تم نوحؑ کے پاس جاؤ۔ پس لوگ نوح علیہ السلام کے پاس چلے جائیں گے اور کہیں گے کہ اے نوحؑ! آپ بنی نوع انسان کی طرف اللہ رب العزت کے پہلے پیغمبر ہیں، اور آپ وہ ہیں کہ جنہیں اللہ رب العزت نے بچایا۔ کیا آپ ہمارے لیے درخواست نہ کریں گے؟ نوحؑ فرمائیں گے کہ میں نے اپنی قوم کے حق میں بد دعا کی تھی، میں تمہارا یہ کام نہیں کر سکتا۔ کسی اور کے پاس چلے جاؤ: ابراہیمؑ کے پاس جاؤ۔ پس لوگ ابراہیم علیہ السلام کے پاس چلے جائیں گے۔

سبحان اللہ! دیکھیے قیامت کے دن لوگ اپنے تمام بادشاہوں، امراء، وزراء، صدور سب کو بھول جائیں گے، جانتے ہیں کہ اس دن وہ ان کے کچھ کام نہیں آ سکتے، جب کہ دنیا میں یہی لوگ ان کے سامنے سجدے کرتے تھے اور ان کے سامنے ہاتھ پھیلاتے تھے، اور ان کے غلام بنے ہوئے تھے۔ قیامت کے دن وہ جانتے ہیں کہ یہ لیڈران ان کے لیے کچھ خیر نہیں بہم پہنچا سکتے۔ اور وہ کہ جن سے دنیا میں وہ دور بھاگتے تھے، یعنی انبیاء اللہ، دنیا میں وہ ان سے

اور ان کے احکام سے دور بھاگتے تھے، جیسا کہ آج لوگ نبی کریم ﷺ کی تعلیمات سے دور بھاگتے ہیں، لیکن قیامت کے دن وہ انہی کی جانب لپکیں گے کیونکہ وہ جانتے ہوں گے کہ یہی لوگ ہیں جو اللہ کے سامنے ان کی سفارش کر سکتے ہیں۔ یہ دنیا میں اللہ کے ترجمان تھے اور یہی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے سفارش کر سکتے ہیں۔

پس لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں گے کہ اے ابراہیم! اللہ رب العزت نے آپ کو اعزاز بخشا، آپ ہی وہ ہیں کہ جنہیں اللہ رب العزت نے اپنا خلیل اپنا دوست بنایا، کیا آپ آج ہمارے لیے سفارش نہ فرمائیں گے؟ ابراہیمؑ فرمائیں گے میں نے تین مرتبہ جھوٹ بولا لہٰذا میں یہ کام نہیں کر سکتا...... نفسی نفسی، ان سے پہلے بھی ہر نبی نے یہی کہا ہو گا، نفسی نفسی، موسیٰؑ کے پاس جاؤ۔

ضمناً یہ کہ ابراہیمؑ نے تین جھوٹ کا ذکر فرمایا اور ہم 'حیات انبیاء' دروس کے سلسلے میں ذکر کر چکے ہیں کہ یہ معروف معنوں میں جھوٹ نہیں ہیں۔ مگر انبیاء کی حساسیت اتنی زیادہ ہے کہ انہیں اپنے اعمال میں شک رہتا ہے اور وہ اللہ سے اس پر استغفار کرتے رہتے ہیں اور اپنے آپ کو گنجائش نہ دیتے ہوئے یہی سمجھتے ہیں کہ ہم سے گناہ سرزد ہوا۔ جب ہم نماز پڑھتے ہیں اور اپنی پوری کوشش کر کے بہترین نماز پڑھنے کی کوشش کرتے ہیں مگر پھر بھی ہمیں یہ فکر کرنی چاہیے کہ اس میں ضرور کمی بیشی ہو گئی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہم سلام پھیرتے ہی استغفار کرتے ہیں۔ گو ابراہیم علیہ السلام نے جھوٹ نہیں بولا تھا مگر وہ پھر بھی محسوس کرتے تھے کہ ان سے تین مرتبہ جھوٹ کا گناہ سرزد ہوا ہے اور اسی وجہ سے وہ خود کو اس قابل نہیں سمجھتے تھے کہ وہ انسانوں کے لیے شفاعت کا فریضہ انجام دے سکیں گے۔ اسی وجہ سے انہوں نے لوگوں کو موسیٰ علیہ السلام کے پاس جانے کا مشورہ دیا۔

لوگ موسیٰ علیہ السلام کے پاس اپنا مسئلہ لے کر آئیں گے تو وہ فرمائیں گے کہ مجھ سے ایک قتل سرزد ہوا تھا۔

ان سے وہ قتل غلطی سے ہوا تھا مگر قیامت کے دن ان کی حساسیت اتنی زیادہ ہو گی کہ وہ یہ سمجھیں گے کہ انہوں نے جو درست کام کیے وہ بھی شاید غلط طریقے سے کر دیے ہیں۔ ایسا عمل جو جائز ہو یا جس کی گنجائش ہو یوم حشر کے خوف کی وجہ سے اپنے ایسے اعمال پر بھی انسان پریشان ہو گا۔ پس موسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے کہ میں نے ایک شخص کو قتل کیا ہے، نفسی نفسی، عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔

پس لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور عرض کریں گے کہ آپ تو وہ ہیں کہ اللہ رب العزت نے اپنی روح میں سے آپ کے اندر پھونکا، کیا آپ آج قیامت کے دن ہماری سفارش نہیں کریں گے؟ کیا آپ اللہ رب العزت سے درخواست نہیں کریں گے کہ آج کے دن ہماری مدد فرمائیں؟ عیسیٰ علیہ السلام اپنے کسی گناہ کا ذکر نہیں فرمائیں گے مگر کہیں گے نفسی نفسی، محمد ﷺ کے پاس جاؤ۔

پس لوگ محمد ﷺ کے پاس جائیں گے اور کہیں گے کہ آپ خاتم النبیین ہیں۔ اور آپ تو وہ ہیں کہ جن کی تمام اگلی پچھلی خطائیں اللہ رب العزت نے معاف فرما دی ہیں، وَقَدْ غَفَرَ اللَّهُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ، آپ ﷺ اس حال میں دنیا سے تشریف لے گئے کہ آپ کی تمام خطائیں معاف کی جا چکی تھیں، آپ کے اعمال نامے میں سرے سے کوئی گناہ تھا ہی نہیں۔ لوگ آپ ﷺ سے درخواست کریں گے اور کہیں گے کہ کیا آپ ہمارے لیے سفارش نہیں فرما سکتے؟

آپ ﷺ وہ واحد ہستی ہوں گے جو کہیں گے امتی امتی! میری امت! میری امت! اور آپ ﷺ بھاگیں گے حتیٰ کہ اللہ رب العزت کے عرش کے سائے تلے پہنچ جائیں گے اور سجدہ فرمائیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

ثُمَّ يَفْتَحُ اللَّهُ عَلَيَّ مِنْ مَحَامِدِهِ وَحُسْنِ الثَّنَاءِ عَلَيْهِ شَيْئًا لَمْ يَفْتَحْهُ عَلَى أَحَدٍ قَبْلِي

"اللہ تعالیٰ اپنی حمد و تعریف کا ایسا طریقہ مجھ پر منکشف فرمائے گا جو اس سے قبل کسی کو نہیں بتایا گیا۔"

یعنی نبی کریم ﷺ سجدے میں گر کر اللہ رب العزت کی ایسی حمد و ثنا بیان فرمائیں گے جو اس سے پہلے کبھی نہ بیان کی گئی ہو گی۔ اور پھر اللہ رب العزت آپ ﷺ سے فرمائیں گے:

يَا مُحَمَّدُ ارْفَعْ رَأْسَكَ سَلْ تُعْطَهْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ

(بقیہ صفحہ نمبر 53 پر)

جماعت قاعدۃ الجہاد برِّصغیر کے

دار الإفتاء
في شؤون السياسة والجهاد والسلطنة

سے سوالات و فتاویٰ پوچھنے کے لیے اس ای میل پر رابطہ کیجیے:

darulifta_jss@proton.me

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دار الإفتاء

في شؤون السياسة والجهاد والسلطنة

فتویٰ نمبر: ۱۰

جماعت قاعدۃ الجہاد برِّصغیر

تاریخ: ۱۰-۱-۱۴۴۷ھ

عنوان: غزہ کی حالیہ جنگ سے متعلق مسلمانوں پر جہاد کی فرضیت کا بیان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

استفتاء

کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اور علمائے دین اس معاملے میں کہ غزہ پر جاری اسرائیلی جنگ کو ۶۰۰ سے زائد دن گزر چکے ہیں، اور تاحال غزہ کے مسلمان تاریخ کے بدترین مظالم کا شکار ہیں، مجاہدین مدافعت کی جنگ لڑ رہے ہیں لیکن وہ اس جنگ میں کافی نہیں ہیں تو اس صورتحال میں تمام مسلمانوں پر ان مجاہدین اور غزہ کے مسلمانوں کی نصرت کرنا اور اس غرض سے جہاد فی سبیل اللہ کرنا فرض عین ہے یا نہیں؟

فتویٰ

حامدًا ومصليًا وبعد

بلاشبہ آج غزہ میں اسرائیلی جارحیت کی روک تھام کے لیے اور غزہ کے مظلوم، بھوک وافلاس کے مارے، بے سروسامان مسلمانوں کی نصرت کے لیے، اسرائیل اور اس کی پشت پناہ امریکہ اور اس جنگ میں اسے تعاون دینے والے صلیبی ممالک کے خلاف، جہاد کرنا تمام مسلمانوں پر فرض عین ہے۔ جہاد کی یہ فرضیت درج ذیل باتوں کو شامل ہے۔

1. یہ بات تمام مسلمانوں کو سمجھنی چاہیے کہ یہ جہاد دراصل صرف غزہ میں جاری جنگ کی بندش اور غزہ کی آزادی تک فرض نہیں، بلکہ جب تک مسلمانوں کا قبلۂ اول بیت المقدس اسرائیل سے آزاد نہیں ہو جاتا اور اسرائیل کا وجود ختم ہو کر پورا فلسطین آزاد نہیں ہو جاتا، اس وقت تک فرض ہے۔ اسی فرض کی ادائیگی کے لیے پوری امتِ مسلمہ کی طرف سے غزہ کے مجاہدین نے شہید قائد یحییٰ سنوار رحمۃ اللہ علیہ اور شہید قائد محمد ضیف رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں طوفان الاقصیٰ کا معرکہ شروع کیا ہے۔ اقصیٰ کی آزادی کے لیے جہاد آج نہیں، بلکہ اس وقت فرض ہو گیا تھا جب پہلی جنگ عظیم میں سلطنت عثمانیہ کو شکست دے کر برطانیہ نے فلسطین پر قبضہ کیا تھا۔
2. جہاد کی فرضیت کی یہ وہ کیفیت ہے جس کے متعلق فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ جب کفار کسی مسلمانوں کی سرزمین پر حملہ آور ہوں تو وہاں کے مسلمانوں پر ان کے خلاف جہاد فرض عین ہو جاتا ہے، اگر وہ ناکافی ہوں یا سستی کریں تو ان کے قریب رہنے والے مسلمانوں پر فرض عین ہو جاتا ہے۔ اگر وہ بھی ناکافی ہوں یا سستی کریں تو دائرہ بڑھتے بڑھتے بالآخر شرق وغرب کے تمام مسلمانوں پر ان حملہ آور کافروں کو بچھاڑنے اور اپنی مسلم سرزمین آزاد کرنے کے لیے جہاد فرض عین ہو جاتا ہے۔ فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ ایسی حالت میں جہاد کے لیے نکلنے کے حوالے سے اولاد پر والدین کی اجازت ضروری نہیں رہتی۔
3. جہاد کی یہ فرضیت مسلمانوں کے حکام اور افواج پر بھی ہے اور علماء وعوام پر بھی ہے۔ قرآن وسنت کی نصوص اور فقہائے کرام کے اقوال مطلق ہیں جو ہر مسلمان کو شامل ہیں۔ صرف وہ لوگ اس جہاد سے معذور کہلاتے ہیں جو دائمی مریض ہوں اور گھر سے جہاد کے لیے نکلنے کی استطاعت نہ رکھتے ہوں، جیسا کہ نابینا، لنگڑا، اپاہج یا بستر پر دراز پڑا مریض۔ اور یا وہ لوگ معذور کہلاتے ہیں جو اس قدر زادِ راہ نہ خود رکھتے ہوں اور نہ بیت المال سے یا دوسرے مالدار مسلم سے اس کا انتظام ہو جو جہاد کے لیے درکار ہے۔ اور جو مسلمان بالنفس نکلنے سے معذور ہو تو اگر وہ مال رکھتا ہے تو اس پر مال کے ساتھ جہاد کرنا فرض ہے۔ اور جو شخص نہ بالنفس نکل سکتا ہو اور نہ مال رکھتا ہو تو اس پر کم از کم زبان سے جہاد کرنا فرض ہے، یعنی وہ جہاد کی اس فرضیت کو دوسروں سے بیان کرے اور مسلمانوں کو جہاد کرنے کی ترغیب دے۔
4. اسرائیل کی اس جنگ میں امریکہ اور بعض صلیبی یورپی ممالک بھی اس کے حلیف ہیں جس کے سبب ان کے خلاف بھی جہاد فرض ہے، کیونکہ جنگ میں معاون کا حکم بھی جنگ کرنے والے کا ہے۔ چنانچہ جہاد کی یہ فرضیت صرف اسرائیل کی حدود میں اسرائیل کے خلاف جنگ کرنے تک محدود نہیں ہے، بلکہ دنیا بھر میں موجود ان ممالک کے سفارت خانے، فوجی اڈے اور ان کے حکومتی عہدیداران موجود ہیں، انھیں ہدف بنانا بھی مسلمانوں پر فرض ہے۔ کسی مسلمان کو یہاں ان لوگوں کے لیے امان کا شبہ نہ ہو، کیونکہ ایک طرف مسلمانوں پر مسلط حکام ان کے غلام ہیں

اور مقہور کی حیثیت رکھتے ہیں اور شریعت اسلامیہ میں مقہور کی امان کی کوئی حیثیت نہیں اور دوسری طرف یہ ممالک ان سفارت خانوں اور فوجی اڈوں سے مسلسل مسلمانوں کے خلاف برسر جنگ ہیں۔

5. پس جو مسلمان فلسطین پہنچ کر جہاد میں شرکت پر قدرت رکھتا ہو تو اس پر وہاں پہنچ کر جہاد کرنا فرض ہے۔ اور جو دنیا بھر میں موجود صلیبی صہیونی اہداف پر ضرب لگانے کی قدرت رکھتا ہو تو اس پر جہاد کی یہ صورت فرض ہے۔ یہی وہ راستہ ہے جس سے اسرائیلی جارحیت کی روک تھام ممکن ہے۔

٦. اور جو شخص اس میں سے کسی چیز کی قدرت نہیں رکھتا تو اس پر یہ قدرت حاصل کرنا فرض ہے، تاکہ وہ قدرت حاصل کر کے اقصیٰ کی آزادی کے لیے فرض جہاد کی مسؤولیت سے عہدہ برآ ہو سکے اور گناہ سے بچ سکے۔ بشرطیکہ وہ شخص ایسے عوارض میں مبتلا نہ ہو جو اس کے جہاد میں شرکت سے رکاوٹ ہوں، جو دائمی ہوں جن کے رفع کی کوئی صورت نہ ہو۔ ایسا شخص معذور ہے اور اس پر جہاد اور اس کی تیاری ساقط ہے۔

والله أعلم بالصواب۔

مجیب: حبیب اللہ خان عفی اللہ عنہ

الدلائل

١. وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ نَصِيرًا ○ (سورۃ النساء: ٧٥)

٢. لَّيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَىٰ وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا يُنفِقُونَ حَرَجٌ إِذَا نَصَحُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِن سَبِيلٍ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ○ وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوا وَّأَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوا مَا يُنفِقُونَ ○ إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ وَهُمْ أَغْنِيَاءُ رَضُوا بِأَن يَكُونُوا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ○ (سورۃ التوبۃ: ٩١-٩٣)

٣. وَلَوْ أَرَادُوا الْخُرُوجَ لَأَعَدُّوا لَهُ عُدَّةً وَلَٰكِن كَرِهَ اللَّهُ انبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيلَ اقْعُدُوا مَعَ الْقَاعِدِينَ ○ (سورۃ التوبۃ: ٤٦)

٤. فخرج من هذا الحكم من لا يستطيع الخروج من الضعفاء والمرضى والذين لا يجدون ما ينفقون او ما يركبون عليه ولا يستطيعون الشيء وبقي من يستطيع الخروج ولو بنوع مشقة وذلك لاجل النفير العام۔ (التفسير المظهري: (٤/٢٢٠)، ط. رشيدية)

٥. وَمَعْلُومٌ فِي اعْتِقَادِ جَمِيعِ الْمُسْلِمِينَ أَنَّهُ إذَا خَافَ أَهْلُ الثُّغُورِ مِنْ الْعَدُوِّ وَلَمْ تَكُنْ فِيهِمْ مُقَاوَمَةٌ لَهُمْ فَخَافُوا عَلَى بِلَادِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ وَذَرَارِيِّهِمْ أَنَّ الْفَرْضَ عَلَى كَافَّةِ الْأُمَّةِ أَنْ يَنْفِرَ إلَيْهِمْ مَنْ يَكُفُّ عَادِيَتَهُمْ عَنْ الْمُسْلِمِينَ وَهَذَا لَا خِلَافَ فِيهِ بَيْنَ الْأُمَّةِ إذ لَيْسَ مِنْ قَوْلِ أَحَدٍ مِنْ الْمُسْلِمِينَ إبَاحَةُ القعود عنهم حين يَسْتَبِيحُوا دِمَاءَ الْمُسْلِمِينَ وَسَبْيَ ذَرَارِيِّهِمْ. (أحكام القران للجصاص: (٣/١٣٦)، ط. دار الكتب العلمية)

٦. وإنما يفترض فرض عين على من كان يقرب من العدو، وهم يقدرون على الجهاد، فأما على من وراءهم يبعد من العدو، فإنه يفرض عليه فرض كفاية لا فرض عين حتى يسعهم تركه إذا لم يحتج إليه، فأما إذا احتيج إليه بأن عجز من كان يقرب من العدو من المقاومة مع العدو، أو لم يعجزوا عن المقاومة إلا أنهم تكاسلوا ولم يجاهدوا، فإنه يفترض على من يليهم فرض عين كالصوم والصلاة ولا يسعهم تركه، ثم إلى أن يفترض على جميع أهل الإسلام شرقاً وغرباً، على هذا الترتيب والتدريج. (المحيط البرهاني: (٥/٣٩٢)، ط. دار الكتب العلمية)

٧. وَأَمَّا بَيَانُ مَنْ يُفْتَرَضُ عَلَيْهِ فَنَقُولُ إنَّهُ لَا يُفْتَرَضُ إلَّا عَلَى الْقَادِرِ عَلَيْهِ فَمَنْ لَا قُدْرَةَ لَهُ لَا جِهَادَ عَلَيْهِ؛ لِأَنَّ الْجِهَادَ بَذْلُ الْجُهْدِ، وَهُوَ الْوُسْعُ وَالطَّاقَةُ بِالْقِتَالِ، أَوْ الْمُبَالَغَةُ فِي عَمَلِ الْقِتَالِ، وَمَنْ لَا وُسْعَ لَهُ كَيْفَ يَبْذُلُ الْوُسْعَ وَالْعَمَلَ، فَلَا يُفْرَضُ عَلَى الْأَعْمَى وَالْأَعْرَجِ، وَالزَّمِنِ وَالْمُقْعَدِ، وَالشَّيْخِ الْهَرِمِ، وَالْمَرِيضِ وَالضَّعِيفِ، وَالَّذِي لَا يَجِدُ مَا يُنْفِقُ، قَالَ اللَّهُ - سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى - {لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَى حَرَجٌ} [النور: ٦١] الْآيَةَ وَقَالَ - سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى عَزَّ مِنْ قَائِلٍ - {لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلا عَلَى الْمَرْضَى وَلا عَلَى الَّذِينَ لا يَجِدُونَ مَا يُنْفِقُونَ حَرَجٌ إِذَا نَصَحُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ} [التوبة: ٩١] إذَا نَصَحُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ فَقَدْ عَذَرَ اللَّهُ - جَلَّ شَأْنُهُ - هَؤُلَاءِ بِالتَّخَلُّفِ عَنْ الْجِهَادِ وَرَفَعَ الْحَرَجَ عَنْهُمْ. (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع: (٩/٣٤٢)، ط. دار الحديث)

٨. (إنْ هَجَمَ الْعَدُوُّ فَيَخْرُجُ الْكُلُّ وَلَوْ بِلَا إذْنٍ) وَيَأْثَمُ الزَّوْجُ وَنَحْوُهُ بِالْمَنْعِ ذَخِيرَةٌ (وَلَا بُدَّ) لِفَرْضِيَّتِهِ (مِنْ) قَيْدٍ آخَرَ وَهُوَ (الِاسْتِطَاعَةُ) فَلَا يَخْرُجُ الْمَرِيضُ الدَّنِفُ، أَمَّا مَنْ يَقْدِرُ عَلَى الْخُرُوجِ، دُونَ الدَّفْعِ يَنْبَغِي أَنْ يَخْرُجَ لِتَكْثِيرِ السَّوَادِ إرْهَابًا فَتْحٌ. وَفِي السِّرَاجِ وَشَرْطُ لِوُجُوبِهِ: الْقُدْرَةُ عَلَى السِّلَاحِ لَا أَمْنُ الطَّرِيقِ. (الدر المختار: ٣٣٠، ط. دار الكتب العلمية)

٩. فَأَكَّدَ اللَّه تَعَالَى فَرْضَ الْجِهَادِ عَلَى سَائِرِ الْمُكَلَّفِينَ بِهَذِهِ الْآيَةِ وَبِغَيْرِهَا عَلَى حَسَبِ الْإِمْكَانِ فَقَالَ لِنَبِيِّهِ صَلَّى اللَّه عليه وآله وَسَلَّمَ فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لا تُكَلَّفُ إلا نفسك وحرض المؤمنين فَأَوْجَبَ عَلَيْهِ فَرْضَ الْجِهَادِ مِنْ وَجْهَيْنِ أَحَدُهُمَا بِنَفْسِهِ وَمُبَاشَرَةِ الْقِتَالِ وَحُضُورِهِ وَالْآخَرُ بِالتَّحْرِيضِ وَالْحَثِّ والبيان لأنه صلّى اللّه عليه وآله وَسَلَّمَ لَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ فَلَمْ يَذْكُرْ فِيمَا فَرَضَهُ عَلَيْهِ إنْفَاقَ الْمَالِ وَقَالَ لِغَيْرِهِ انفروا خفافا وثقالا وجاهدوا بأموالكم وأنفسكم فَأَلْزَمَ مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْقِتَالِ وَلَهُ مَالٌ فَرْضَ الْجِهَادِ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ ثُمَّ قَالَ فِي آيَةٍ أُخْرَى وَجَاءَ الْمُعَذِّرُونَ مِنَ الأَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِينَ كَذَبُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ سيصيب الذين كفروا منهم عذاب أليم لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلا عَلَى الْمَرْضَى وَلا عَلَى الَّذِينَ لا يَجِدُونَ مَا يُنْفِقُونَ حَرَجٌ إذا نصحوا لله ورسوله فَلَمْ يَخْلُ مَنْ أَسْقَطَ عَنْهُ فَرْضَ الْجِهَادِ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ لِلْعَجْزِ وَالْعُدْمِ مِنْ إيجَابِ فَرْضِهِ بِالنُّصْحِ لِلَّهِ وَرَسُولِهِ فَلَيْسَ أَحَدٌ مِنْ الْمُكَلَّفِينَ إلا وعليه فرض الجهاد عن مَرَاتِبِهِ الَّتِي وَصَفْنَا. (أحكام القران للجصاص: (١٤٨/٣)، ط. العلمية)

١٠. لَوْ اجْتَمَعَ قَوْمٌ مِنْ الْمُسْتَأْمَنِينَ فِي دَارِ الْإِسْلَامِ فَأَمَّرُوا عَلَيْهِمْ أَمِيرًا، أَوْ امْتَنَعُوا وَقَاتَلُوا الْمُسْلِمِينَ، فَإِنَّهُ يَكُونُ ذَلِكَ نَقْضًا لِأَمَانِهِمْ. (شرح السير الكبير: (٢/٧٥٣)، ت. صلاح الدين المنجد)

١١. قَالَ: (وَلَا يَصِحُّ أَمَانُ ذِمِّيٍّ وَلَا أَسِيرٍ، وَلَا تَاجِرٍ فِيهِمْ، وَلَا مَنْ أَسْلَمَ عِنْدَهُمْ وَهُوَ فِيهِمْ) لِأَنَّ الذِّمِّيَّ مُتَّهَمٌ وَلَا وِلَايَةَ لَهُ عَلَى الْمُسْلِمِينَ، وَالْبَاقُونَ مَقْهُورُونَ عِنْدَهُمْ فَلَا يَخَافُونَهُمْ فَلَا يَكُونُونَ مِنْ أَهْلِ الْبَيَانِ عَلَى مَا بَيَّنَّا. (الإختيار لتعليل المختار: (١٢٣/٤)، ط. دار الكتب العلمية)

١٢. وَفِي الذَّخِيرَةِ ثُمَّ مَنْ كَانَ قَادِرًا عَلَى الْجِهَادِ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ فَعَلَيْهِ أَنْ يُجَاهِدَ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى {وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ} [الحج: ٧٨] وَحَقُّ الْجِهَادِ أَنْ يُجَاهِدَ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ وَلَا يَنْبَغِي لَهُ فِي هَذِهِ الْحَالَةِ أَنْ يَأْخُذَ مِنْ غَيْرِهِ جُعْلًا وَمَنْ عَجَزَ عَنْ الْخُرُوجِ وَلَهُ مَالٌ يَنْبَغِي أَنْ يَبْعَثَ غَيْرَهُ عَنْ نَفْسِهِ بِمَالِهِ وَمَنْ قَدَرَ بِنَفْسِهِ وَلَا مَالَ لَهُ، فَإِنْ كَانَ فِي بَيْتِ الْمَالِ مَالٌ يُعْطِيهِ الْإِمَامُ كِفَايَتَهُ مِنْ بَيْتِ الْمَالِ، فَإِنْ أَعْطَاهُ كِفَايَتَهُ لَا يَنْبَغِي أَنْ يَأْخُذَ مِنْ غَيْرِهِ جُعْلًا وَإِلَّا فَلَهُ أَنْ يَأْخُذَ الْجُعْلَ مِنْ غَيْرِهِ. (البحر الرائق: (٧٩/٥)، ط. دار الكتاب الإسلامي)

١٣. ”ہم مان لیتے ہیں کہ شوکتِ قویہ کا حاصل ہونا اہلِ شوکت کے ساتھ جہاد کرنے کی شرط ہے......، لیکن میں پوچھتا ہوں کہ امام وقت کے لیے شوکت حاصل کرنے کا طریقہ آخر کیا ہے؟ کیا شوکت اس طرح حاصل ہوتی ہے کہ ایک شخص اپنی ماں کے پیٹ سے فوجوں، لشکروں اور سامانِ جنگ کے ساتھ پیدا ہوتا ہے؟ یا جس وقت جہاد کے لیے مستعد ہوتا ہے، اسی وقت فی الفور غیب سے تمام لشکر وافواج اور سامانِ جنگ عطا ہو جاتا ہے؟ یہ بات نہ کبھی ہوئی ہے اور نہ کبھی ہو سکتی ہے۔...... پس جو شخص کہتا ہے کہ امام کی قوت وشوکت جہاد کی شرط ہے اور یہ شوکت ہم کو حاصل نہیں، اس کو لازم ہے کہ پہلے خود آئے اور بقدر استطاعت سامانِ جنگ ساتھ لائے اور اس معاملے میں کسی دوسرے کی شوکت کا انتظار اصلا جائز نہیں“۔ (مولانا شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ، تاریخ دعوت وعزیمت، حصہ ششم، ج ۱، ص ۵۵۴، مجلس نشریات اسلام)

تائیدات

۱. مفتی محمد متین مغل
۲. مفتی ابو محمد عبد اللہ المہدی
۳. مفتی عبد الرحمن رحمانی
۴. مفتی بدر الدین غزنوی
۵. مفتی محمود حسنی
۶. مفتی ابو الحسنین محمد حسن الشیبی
۷. شیخ عبید الرحمن المرابط
۸. مفتی محمد لقمان باریسالی
۹. مولانا ابو بکر شنواری
۱۰. مولانا ولی اللہ یوسفزئی
۱۱. مولانا محمد خبیب برکی
۱۲. مولانا عبد الرحمن قاسمی

☆☆☆☆☆

پانچویں قسط

القاعِدہ کیوں؟

لماذا اخترت القاعدة؟

میں القاعدہ میں کیوں شامل ہوا؟

تالیف: شیخ ابو مُصعب العولقی شہید | استفادہ و اضافہ: معین الدین شامی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله وكفى والصلاة والسلام على أشرف الأنبياء.
اللّٰهم وفقني كما تحب وترضى والطف بنا في تيسير كل عسير فإن تيسير كل عسير عليك يسير، آمين!

(۶)......کیونکہ وہ تمام اسلامی جماعتوں میں سب سے زیادہ یہود، نصاریٰ اور منافقین کے نزدیک قابلِ نفرت وناپسندیدہ ہیں

میں نے خود سے سوال کیا: مسلمانوں کی کون سی جماعت یہود، نصاریٰ اور منافقین کے نزدیک سب سے زیادہ قابلِ نفرت اور ناپسندیدہ ہے؟ تو مجھے ایک عادلانہ جواب ملا: القاعدہ۔ یہ ایک ایسا جواب ہے جسے ہر صحیح العقل انسان تسلیم کرے گا۔ پھر میں نے خود سے پوچھا: 'آخر کیوں القاعدہ کو اس نفرت وبغض سے اتنا وافر حصہ ملا ہے؟'، تو جواب ملا: اس لیے کہ وہ حق پر ہیں۔

اس لیے کہ انہوں نے حد سے بڑھ جانے والے کافروں کے خلاف 'سختی' سے متعلق شرعی احکام پر عمل کیا، جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ (سورۃ التوبۃ: ۷۳)

"اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو، اور ان پر سختی کرو۔"

پس جو نہ جھکا، نہ اس نے سودا کیا، نہ مداہنت اختیار کی اور جو اپنے عقیدے، نظریے اور فکر و منہج پر ڈٹا رہا، وہ طاغوتی نظاموں کے حلق میں کانٹے کی مانند ہو گا، اور اسی سبب سے کفار اسے سب سے زیادہ ناپسند کریں گے۔

اس کے برعکس، جن مجاہدین نے زندگیوں اور جدوجہد کا ایک حصہ جہاد کی سختیوں اور کٹھنائیوں میں گزارا اور پھر جمہوری عمل کا راستہ اپنایا اور اپنی عقیدے میں ولاء وبراء جیسے اصولوں پر کچھ سمجھوتے کیے (جیسے وہ لوگ جو واضح نفاق رکھنے والے منافقوں کو اپنا بھائی کہہ دیتے ہیں، صرف اس لیے کہ وہ سیاسی مصلحت کو شرعی دلائل پر ترجیح دیتے ہیں) تو حق بات یہ ہے کہ جس نے کفار کے ساتھ مداہنت کی، وہ کفار کو اپنے ساتھ مداہنت کرتا پائے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ○(سورۃ القلم: ۹)

"وہ چاہتے ہیں کہ تم نرمی اختیار کرو، تو وہ بھی نرمی کریں۔"

لیکن جس نے عقیدۂ ولاء وبراء کا کھل کر اظہار کیا اور مداہنت کو ترک کیا، وہ ان کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ ہو گا۔ یہود ونصاریٰ اور منافقین کے میڈیا میں القاعدہ کو بدنام کرنے کی مہم کسی صاحبِ بصارت سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔

یہاں ایک اصولی بات سمجھنا لازمی ہے

القاعدہ کوئی دودھ سے دھلی، آسمان سے اتری تنظیم نہیں ہے۔ اگر القاعدہ کو اللہ نے کفار کے یہاں سب سے زیادہ قابلِ نفرت بنا کر اپنے یہاں اور اپنے بندوں کے یہاں عزت بخشی ہے تو اس کا سبب یہ نہیں کہ القاعدہ کو کوئی سُرخاب کے پر لگے ہیں، نہیں! بلکہ القاعدہ کو کفار کی نفرت کی صورت میں عزت، القاعدہ کے شرعی عقائد و منہجِ نبوی (علی صاحبہ ألف صلاة وسلام) اختیار کرنے کے سبب ملی ہے۔ ہم امتِ محمدؐ ہیں، ہم بنی اسرائیل نہیں کہ اپنے آپ کو اللہ کا بیٹا جان کر جھوٹی آسوں اور امیدوں کے سہارے جئیں، نہیں! جب تک یہ امت، اس امت سے وابستہ کوئی بھی گروہ، جماعت یا طائفہ، اس دین کے مبادی سے جڑا رہے گا، صاحبِ عزت (یعنی کفار کے نزدیک قابلِ نفرت) رہے گا، جس دن یہ اپنے منہج و نظریے سے ہٹ گیا تو عرش تا فرش ذلت و رسوائی ان کا مقدر ہو گی۔ آج ہم 'تمسک بالجہاد' کے سبب القدس کے نواح میں موجود مجاہدینِ 'حماس' اور مجاہدینِ 'جہادِ اسلامی' کو دیکھتے ہیں کہ وہ اللہ جل جلالہ اور بندگانِ اللہ جل جلالہ کے یہاں انتہائی مقبول و معزز اور کفار کے یہاں شدید قابلِ نفرت ہیں (نحسبه كذلك)۔ ہمارے یہاں عند اللہ، عند الرسول اور عند المؤمنین عزت اور عند الکافرین نفرت کا معیار کسی قصرِ ابیض، کسی قصر الحمراء، کسی قصر الشعب میں بیٹھنا نہیں ہے۔ ہمارے یہاں جنگ ہارے ہوئے سراج الدولہ، ٹیپو سلطان، سیّد احمد شہید، عمر مختار، اسامہ بن لادن، ایمن الظواہری، احمد یاسین اور یحییٰ السنوار قابلِ عزت اور میر صادق، میر جعفر، خوانینِ سرحد، آلِ سعود، سیسی، محمود عباس و کیانی و عاصم منیر قابلِ نفرت ہیں اور وہ نئے حکمران بھی کوئی قابلِ تعریف و تقلید نہیں جنہوں نے جہاد کا نام استعمال کیا، مجاہدین کو دھوکہ دینے کی خاطر القاعدہ کے امراء کی بیعت کی اور اپنے ہم رازوں کو کہا کہ یہ تو محض ایک چال (tactic) ہے، ایسے لوگ کہاں اہلِ ایمان کے یہاں

اصحابِ عزت اور اور کافروں کے یہاں قابلِ نفرت ہوتے ہیں[1]۔ ہمارے سامنے تو اس دورِ انحطاط میں مشعلِ راہ ملا عمر ہے، جس نے کفار کے نمائندے سے ملاقات بھی یہ کہہ کر ترک کر دی[2]، کہ اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ، 'بے شک کافر تو گندگی کا ڈھیر ہیں'[3]۔

اب ایک ایمان افروز نکتہ

یہاں میں القاعدہ سے شدید نفرت رکھنے والے بعض مسلمانوں کو، جن کا تعلق کچھ دینی جماعتوں ہی سے ہے کو پیغام دینا چاہتا ہوں خواہ وہ عوام ہوں، یا عوام سے مشابہ افراد، یا کچھ طلبۂ علم بلکہ بعض 'علماء'۔ تو ہم ان سے کہتے ہیں:

تم اس مسئلے میں امریکہ اور اس کے اتحادیوں سے متفق ہو گئے ہو! امریکہ القاعدہ سے سب سے زیادہ بغض رکھتا ہے، اور تم بھی؟ کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟ کیا تم نے خود سے کبھی یہ سوال کیا کہ کیوں تمہاری رائے دشمنوں سے ہم آہنگ ہو گئی؟ ذرا دل سے اس بات کی جانب غور کرو اور سوچو کہ تم القاعدہ پر کیوں اعتراض کرتے ہو؟ کیا القاعدہ نے اہل السنۃ والجماعۃ کے اصولوں سے ہٹ کر کوئی اصول اپنایا ہے؟ تم اگر تحقیق کرو گے تو پاؤ گے کہ اللہ کے فضل سے ایسا کچھ نہیں ہے۔ القاعدہ ان امور میں اہل السنۃ کے منہج پر ہے، مثلاً جو جان بوجھ کر اللہ کی نازل کردہ شریعت کے بجائے کسی اور قانون کے مطابق فیصلے کرے تو وہ کافر ہے۔ جو مسلمانوں کو ختم کرنے کے لیے اور شریعت کو معطل کرنے کے لیے اور خلافتِ اسلامیہ کے خاتمے کے لیے کفار کی نصرت کرے تو وہ کافر ہے۔

میں تم سے پوچھتا ہوں کہ تم دشمن کے میڈیا کو دیکھتے سنتے ہو، تو مجاہدین کے میڈیا کو کیوں نہیں دیکھتے اور سنتے؟ بلکہ تم تو کئی بار دانستہ اور کئی بار نادانستہ مجاہدین کی دعوت اور ان کے میڈیا و اعلام کو روکنے کا سبب بن جاتے ہوں۔ تمہارے ہی زبان و قلم مجاہدین پر طعن و تشنیع کے لیے استعمال ہو جاتے ہیں۔ اللہ کے لیے، ذرا سوچو تو سہی! اگر امریکی تمہیں دیکھ رہے ہوں کہ تم مجاہدین کے دعوت و اعلام کے محاذ کے خلاف لگے ہوئے ہو، تو کیا امریکی اس پر خوش نہیں ہوں گے؟

ذرا تصور کرو ان مسلمانوں کا جن کے بیٹے، باپ شہید ہو گئے، عورتیں اغوا ہو کر اڈیالہ تا باگرام و ابو غریب و ٹیکساس پہنچا دی گئی اور وہ پکارتی رہیں 'وامعتصماہ'!...... اور جو مجاہد داعی و اعلامی انہی مظلوموں کی آواز کو آگے پہنچانے میں جتے ہوئے تھے تم انہی سے جنگ آزما ہو گئے...... جب ان مظلوموں کو تمہارا یہ عمل معلوم ہو گا تو کیا وہ خوش ہوں گے؟

سچ یہ ہے کہ اس بات کا جواب تو صرف منصف و متقی دل ہی دے سکتا ہے۔ اور انصاف؟ وہ تو اب نایاب ہو چکا ہے۔

(۷)...... کیونکہ وہ 'اللہ کی خاطر بھائی چارے' کے پہلو کو بہت اہمیت دیتے ہیں

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جہاد کا حکم اس وقت دیا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہؓ کے درمیان 'فی اللہ بھائی چارے' کو قائم فرما چکے تھے۔ یہاں تک کہ صحابہؓ نے اس اخوت میں بے نظیر مثالیں قائم کیں۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ پہنچے تو آپ کے ابتدائی اقدامات میں سے ایک یہ تھا کہ آپؐ نے مہاجرین و انصار کے درمیان مواخات (بھائی چارہ) قائم فرمایا۔ مولانا صفی الرحمن مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> "جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجدِ نبوی کی تعمیر کا اہتمام فرما کر باہمی اجتماع اور میل و محبت کے ایک مرکز کو وجود بخشا، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تاریخ انسانی کا ایک اور نہایت تابناک کارنامہ انجام دیا جسے مہاجرین و انصار کے درمیان مواخات اور بھائی چارے کے عمل کا نام دیا جاتا ہے۔ ابنِ قیمؒ لکھتے ہیں:
>
> 'پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے مکان میں مہاجرین و انصار کے درمیان بھائی چارہ کرایا۔ کُل نوّے آدمی تھے، آدھے مہاجرین اور آدھے انصار۔ بھائی چارے کی بنیاد یہ تھی کہ ایک دوسرے کے غم خوار ہوں گے اور موت کے بعد نسبتی قرابت داروں کے بجائے یہی ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔ وراثت کا یہ حکم جنگِ بدر تک قائم رہا۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی کہ
>
> وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ (سورۃ الاحزاب: ۶)
>
> "اس کے باوجود اللہ کی کتاب کے مطابق پیٹ کے رشتہ دار دوسرے مومنوں اور مہاجرین کے مقابلے میں ایک دوسرے پر (میراث کے معاملے میں) زیادہ حق رکھتے ہیں۔"

---

[1] یہاں یہ اہم نکتہ بھی مد نظر رہے کہ کفار کا کسی جماعت سے دشمنی کرنا یا اسے بدنام کرنے کی کوشش، اس کا حق پر ہونا ثابت نہیں کرتا۔ بلکہ کسی کے بھی حق پر ہونے کا اول و اہم پیمانہ، اس کا شریعتِ مطہرہ کے موافق مطابق ہونا ہے، پھر اس کے بعد یہ بات اپنی جگہ ایک اظہر من الشمس حقیقت ہے کہ جو بھی دینِ اسلام پر صحیح طرح عمل کی کوشش کرے گا تو دشمنانِ دین اس کے ساتھ نرمی و رعایت نہیں کریں گے، بلکہ اس کو گرانے و ختم کرنے کی بھرپوری سعی کریں گے۔ خیر القرون کے زمانے سے ملا عمر کے زمانے تک چشمِ فلک اس پر شاہد ہے!

[2] یہ ایک نکتۂ ایمانی ہے۔ یہاں کوئی فقہی بحث نہیں کی جا رہی کہ کفار سے ملاقات جائز ہے یا ناجائز، بلکہ ہمیں معلوم ہے کہ یہ ایک جائز امر ہے۔ یہاں اس دورِ انحطاط میں نکتۂ ایمانی کے طور پر یہ بات ذکر کی گئی ہے:

ادائے خاص سے غالبؔ ہوا ہے نکتہ سرا
صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے

[3] حضرت مولانا امین صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ اس آیت کا ترجمہ یونہی فرمایا کرتے تھے۔

تو انصار و مہاجرین میں باہمی توارُث کا حکم ختم کر دیا گیا لیکن بھائی چارے کا عہد باقی رہا۔" [الرحیق المختوم (اردو)، ص ۲۵۵،۲۵۶]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ:

"جب مکہ سے مہاجرین مدینہ آئے تو انصار یعنی مدینہ کے لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ 'ہمارے کھجوروں کے درختوں کو ہمارے اور مہاجرین کے درمیان تقسیم فرما دیجیے'۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ 'میں درختوں کو تقسیم نہیں کروں گا تم ہی لوگ ہماری یعنی مہاجرین کی طرف سے بھی محنت کر لیا کرو، ہم پیداوار میں تمہارے شریک رہیں گے'۔ انصار نے کہا کہ 'ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بات کو بسر و چشم قبول کرتے ہیں'۔" (صحیح بخاری)

جب میں نے اسلامی جماعتوں کے اندر 'اللہ کی خاطر بھائی چارے' کے پہلو کو دیکھا، تو مجھے دو جماعتیں نمایاں نظر آئیں: تبلیغی جماعت اور القاعدہ۔ جب میں نے دونوں کا تقابلی مطالعہ کیا، تو مجھے القاعدہ اس میدان میں زیادہ نمایاں نظر آئی، کیونکہ جیسا کہ ان کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے، وہ میدانِ جنگ میں ایک دوسرے کی جان بچانے کو ترجیح دیتے ہیں۔ کبھی کبھی امیر اپنے ساتھیوں کو انخلا کا حکم دیتا ہے اور خود ان کے دفاع میں پیچھے رہتا ہے یہاں تک کہ شہید ہو جاتا ہے، اور بعض اوقات عام مجاہد سپاہی اپنے امیر کے حکم کو محض محبت و وفاداری کی بنا پر قبول نہیں کرتے تاکہ وہ انہیں نہ چھوڑیں، یعنی وہ بھی اپنی جانیں قربان کر دیتے ہیں۔[۴]

یہ ایسے واقعات ہیں جو تاریخ میں صرف مجاہدین ہی کے درمیان ملتے ہیں۔ میں نے کچھ دینی جماعتوں کو قریب سے دیکھا، مگر 'اللہ کی خاطر بھائی چارے' کا وہ درجہ کہیں نہیں پایا جو القاعدہ میں نظر آیا۔ میں نے علمی مراکز میں تعلیم حاصل کی، جن میں خیر و علم تھا، لیکن وہاں طلبہ میں اس اخوت کی کیفیت کم نظر آئی۔ جب ہم سیرتِ نبوی پڑھتے ہیں اور طلبہ کا حال دیکھتے ہیں تو ایک واضح فرق محسوس کرتے ہیں۔ میں برسوں اس کمی کو محسوس کرتا رہا، لیکن جب میں القاعدہ سے جڑ گیا تو مجھے یہ پہلو بہت نمایاں محسوس ہوا۔ ان کے باہمی تعلقات محبت، اکرام اور قربانی پر مبنی تھے، حتیٰ کہ وہ اپنی جماعت سے باہر کے لوگوں سے بھی محبت رکھتے ہیں۔

اے نصرتِ الٰہی کے خواہاں شخص! جان لو کہ جو جماعت 'اللہ کی خاطر اخوت' کو قائم نہیں کرے گی، وہ ہرگز فتح حاصل نہ کر سکے گی، کیونکہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے طریقے کے خلاف ہوگا۔ کیونکہ عملاً معرکوں میں اترنے سے قبل ہی ان میں یہ فی اللہ اخوت موجود تھی۔

بھلا وہ جماعت کیسے فتح حاصل کرے گی جس کے لوگ آپس میں بخل کرتے ہوں؟ جن میں ایثار کم دکھائی دیتا ہو؟

ایک ایمان افروز واقعہ

شیخ ابو مصعب العولقی لکھتے ہیں کہ ایک بار میں، یمن میں ایک شیخ سے علم حاصل کرنے جا رہا تھا۔ وہاں عدن سے آنے والے کچھ طلبہ ملے، جو انہی شیخ کے پاس جا رہے تھے۔ ان کے پاس سامان اور کتب تھیں۔ راستے میں انہیں اپنی گاڑی پر جاتا ہوا ایک طالبِ علم ملا جو خود ان مذکورہ شیخ کی عدم موجودگی میں تدریس بھی کرتا تھا۔ ان طلبہ نے سامان گاڑی پر رکھا، لیکن جب صاحبِ گاڑی کو معلوم ہوا کہ ان طلبہ کے پاس کرائے کی رقم کچھ کم ہے تو اس نے ان طلبہ کو بٹھانے سے انکار کر دیا۔ پس مجبوراً ان طلبہ نے اپنا سامان اتارا اور دوسری سواری تلاش کی۔ سبحان اللہ، ایسی شخصیت اور ایسا رویہ! اگر یہ کوئی استثنائی واقعہ ہوتا تو میں ذکر نہ کرتا، مگر یہ 'اللہ کی خاطر بھائی چارے' میں کمزوری کی علامت ہے۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ طلبہ میں میں اخوت کا خیال رکھنے والے بالکل نہیں، ہرگز نہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ مجاہدین کی جماعتیں اس پہلو میں کہیں بہتر ہیں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ نے انہیں اس کام کی توفیق دی ہے اور اس راہ پر وہی چلتے ہیں جو دلیر اور شجاع ہوتے ہیں اور دلیر آدمی عموماً فیاض اور بااخلاق ہوتا ہے۔

حضرت الأمیر مولانا عاصم عمر شہید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ تاریخ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر بہادر آدمی سخی بھی ہوتا ہے۔ مترجم نے بہت سے افغانوں اور چند عربوں کے ساتھ بعض جگہوں پر طویل اور بعض جگہوں پر مختصر وقت گزارا ہے اور یہ عام مشاہدہ کیا ہے کہ ان دونوں اقوام میں شجاعت اور سخاوت دونوں بہت زیادہ ہیں۔ خاص کر افغانوں میں، میں نے دیکھا کہ ان کے مرد تو مرد ان کی عورتیں بھی بہت سخی ہوتی ہیں۔ شاید شجاعت کو سخاوت سے اور سخاوت کو شجاعت سے بہت نسبت ہوتی ہے۔ مجاہدین عالم میں عموماً اور تنظیم القاعدہ سے وابستہ مجاہدین میں شیخ اسامہ بن لادن رحمہ اللہ کی بے نظیر سخاوت مشہور و معروف ہے۔ وانا (جنوبی وزیرستان) میں مقیم ایک عرب شیخ، ابو تراب رحمہ اللہ نے ایک مجلس میں یہ واقعہ بیان کیا کہ شیخ اسامہ رحمہ اللہ تنظیم القاعدہ کے مخالف لوگوں کو بھی خوب خوب عطا کیا کرتے تھے، حتیٰ کہ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ شیخ اسامہ کی قمیض کی سامنے والی جیب میں محض چند سو پاکستانی روپے تھے (اور اس وقت شیخ کے پاس یہی کُل دولت تھی، اگرچہ بعد میں پیسے آگئے ہوں گے) اور وہ بھی کسی طلب کرنے والے کو شیخ نے اسی لمحے

---

[۴] یہاں مکرر وہی نکتہ دوبارہ عرض ہے جو ہم اس اردو تحریر میں بار بار بیان کرتے رہتے ہیں، اور وہ یہ کہ اس تحریر کا مقصد القاعدہ کی برتری ثابت کرنا ہرگز ہرگز نہیں ہے، اور القاعدہ میں جو صفات پائی جاتی ہیں، سچ یہ ہے کہ ان صفات میں سے ایک کثیر حصہ دیگر جماعتوں میں موجود مجاہدین میں بھی موجود ہے۔

دے دیے۔ اسی طرح ظہیر بھائی (اسامہ ابراہیم غوری شہیدؒ) نے مجھے بتایا کہ شیخ احسن عزیز اور ان کی شہیدہ اہلیہ عذراء ترابی (رحمہا اللہ) دونوں بہت زیادہ سخی تھے۔ ہمارے بڑے بھائی برادر داود غوری سے میں نے سنا کہ حضرت الأمیر مولانا عاصم عمر صاحب بھی بہت فیاض آدمی تھے اور ان کا دستر خوان مہمانوں کے لیے مختلف انواعِ نوش سے سجا رہتا تھا۔

مزید برآں ایک حقیقت یہ بھی ہے کہ جتنا زیادہ مجاہدین دشمن سے خوف زدہ ہوتے ہیں، اتنا ہی ان کے درمیان محبت اور ایثار بڑھ جاتا ہے۔

ایک لطیف نکتہ

شیخ ابو مصعب لکھتے ہیں کہ میں آپ کو اپنا حال بتاتا ہوں کہ میں اور میرے کچھ اور ساتھی ایک جماعت سے وابستہ تھے، پھر اللہ نے ہمیں مجاہدین سے جوڑ دیا اور سب کچھ بدل گیا۔ اخوت جو پہلے کمزور تھی، بڑھ گئی۔ ایثار جو ناپید تھا، پیدا ہو گیا۔ رابطہ جو شاذ تھا، مسلسل ہو گیا، اور ہم لوگ وہی لوگ تھے، بس ہمارا تعلق القاعدہ سے جڑ گیا تھا، اور اس تعلق کے سبب ہمارے آپسی تعلقات خوبصورت ہو گئے۔

جان لیجیے، اللہ آپ پر رحم کرے، کہ القاعدہ نے 'اللہ کی خاطر بھائی چارے' کے پہلو کو اس قیامت سے پہلے قیامت کے نفسی نفسی والے دور میں عظیم سطح تک پہنچایا۔ میں نے ان جیسے محبت کرنے والے نہ دیکھے، اور مجھے کسی نے ویسی محبت نہ دی جیسی انہوں نے دی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> "جب آدمی اپنے کسی بھائی سے محبت کرے تو اسے چاہیے کہ اسے بتلادے کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے۔" (ابو داود والترمذی)

القاعدہ کا دنیا بھر کے مسلمانوں کے حالات سے باخبر رہنا، اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اسلامی اخوت کو اہمیت دیتے ہیں۔

اللهم اجعلنا هادين مهتدين، غير ضالّين ولا مضلّين، سلماً لأوليائك، وحرباً على أعدائك، نحب من أحبك، ونعادي بعداوتك من خالفك. اللهم هذا الدعاء ومنك الإجابة، اللهم هذا الجهد وعليك التكلان، ولا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم، آمين!

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

☆☆☆☆☆

بقیہ: اصلاحِ معاشرہ

من ذب عن لحم أخيه بالغيبة كان حقاً على الله أن يعتقه من النار°

"غیبت کی وجہ سے اگر کسی کا گوشت محفوظ نہیں رہا اور کوئی اس کی حفاظت (غیبت کرنے والے کو غیبت سے روک کر) کر رہا ہے تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کو جہنم سے خلاصی عطا فرمائیں گے۔"

اللہ کی طرف سے یہ بدلہ اس کو اس کے عمل کے مطابق مل رہا ہے، وہ دوسرے کے گوشت پوست اور اس کے جسم کی حفاظت کر رہا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے جسم کی جہنم سے حفاظت فرمائیں گے۔

خیر کی کنجی

یہ تین وہ باطنی امراض ہیں جو اندر ہی اندر پنپتے رہتے ہیں اور کینسر کی طرح ایمان والے کی ہلاکت کا ذریعہ بن جاتے ہیں، بدگمانی اس کا سب سے پہلا زینہ ہے اس کے نتیجہ میں تجسس اور غیبت کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، اور یہ سب چیزیں بے احتیاطی کی بنا پر پیدا ہوتی ہیں اسی لیے اخیر میں تقویٰ کی تاکید کی جا رہی ہے ارشاد ہوتا ہے:

وَاتَّقُوا اللهَ

"اور اللہ سے ڈرو۔"

یہ ہر خیر کی کنجی ہے، جس کے اندر تقویٰ کا مزاج بن گیا وہ دین کے سانچے میں ڈھل گیا، اس کے لیے نیک اعمال کا کرنا بھی آسان اور برائیوں سے بچنا بھی آسان، اور تقویٰ پیدا ہوتا ہے نیک صحبت سے اسی لیے ایک جگہ ارشاد ربانی ہے:

يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اتَّقُوْا اللهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ (سورة التوبة: ١١٩)

"اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو اور سچوں کی صحبت اٹھاؤ۔"

توبہ وسیلۂ رحمت

آیت کا اختتام اللہ کے بندوں کے لیے مسک الختام ہے، جواب تک کوتاہیوں میں مبتلا رہے، یہ اندر کی بیماریاں ان کو گھن کی طرح چاٹتی رہیں، اب بھی ان کو مایوس ہونے کی ضرورت نہیں، توبہ کرنے والوں پر اللہ کی خاص رحمت ہوتی ہے، جو بھی اپنے عمل پر شرمندہ ہو کر بارگاہ الٰہی میں ملتجی ہوگا، اللہ تعالیٰ اس کو رحمت کی نگاہ سے دیکھیں گے ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّ اللهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ۝

"بلاشبہ اللہ توبہ قبول فرماتا ہے، رحم فرماتا ہے۔"

ضرورت ہے اپنا جائزہ لینے کی اور درِ رحمت کی طرف پلٹنے کی۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

☆☆☆☆☆

° بیہقی، شعب الایمان

مدرسہ و مبارزہ

مدارس اور دینی جدوجہد کی تحریک

مولوی عبد الهادی مجاہد

زیر نظر تحریر افغانستان سے تعلق رکھنے والے عالم، داعی اور فکری جنگ پر دقیق نظر رکھنے والے مفکر فضیلۃ الشیخ مولوی عبد الہادی مجاہد (دامت برکاتہم) کی پشتو تصنیف 'مدرسہ او مبارزہ' کا اردو ترجمہ ہے۔ یہ کتاب بنیادی طور پر افغانستان میں مدارس اور دینی تعلیم کے نظام کو مد نظر رکھتے ہوئے لکھی گئی ہے، لیکن کتاب میں بیان کی گئی امت مسلمہ کی حالت اور اس حوالے سے جو مطالبہ ایک افغان عالم اور مدرسے سے کیا گیا ہے وہ در حقیقت باقی عالم اسلام کے علماء اور مدارس سے زیادہ مطلوب ہے۔ اس لیے کہ افغانستان میں تو آج ایک شرعی و اسلامی حکومت قائم ہو چکی ہے جبکہ باقی عالَم اسلام اس سے کہیں پیچھے ہے۔ اس کتاب کے اصل مخاطبین علماء و طلبہ ہیں جن کی تاریخ بالاکوٹ، شاملی، صادق پور اور دیوبند کے پہاڑوں، دروں، میدانوں اور مساجد و مدارس کے در و دیوار پر نوشتہ ہے! ومن اللہ التوفیق! (ادارہ)

فکری غلامی اور صلاحیتوں کی کمی۔اسلامی نظام کے عدم نفاذ کے دو بڑے اسباب:

مجاہدین کی قربانیوں اور جہاد کے بعد، نو آبادیاتی اور استعماری طاقتوں کے نکلنے کے باوجود، افغانستان اور عالمِ اسلام کے دیگر خطوں میں اسلامی نظام کیوں قائم نہ ہو سکا؟ اس کے دو بڑے اسباب تھے جنھیں ہم ذیل میں بیان کرتے ہیں:

پہلا سبب:

نو آبادیاتی طاقتوں نے اپنے جانے سے پہلے ایسے افراد کو تیار کیا تھا جو ان کے وفادار اور ان کے نظام کو چلانے کی صلاحیت رکھنے والے تھے۔ ان کے پاس انتظامی تجربہ اور مغرب سے وفاداری دونوں موجود تھیں۔ استعمار کے انخلا کے بعد یہی لوگ اقتدار میں لائے گئے۔ ان لوگوں نے مجاہدین آزادی کے ساتھ غداری اور خیانت کی، اور ایسی حکومتیں مسلط کیں جو اسلامی نظام کے راستے میں خود استعمار سے بھی زیادہ مکار اور منافق ثابت ہوئیں۔ ان کے طویل اقتدار کے باوجود نہ اسلامی نظام نافذ ہوا، نہ حقیقی آزادی حاصل ہو سکی۔

دوسرا سبب:

دینی اور جہادی حلقوں نے خود اسلامی نظام چلانے کی صلاحیت حاصل نہ کی تھی، اور نہ انہوں نے جنگ کے بعد کی صورتحال کے لیے افراد تیار کیے تھے۔ آج بھی ہمارے اکثر فاتحین، جو زیادہ تر دینی مدارس سے وابستہ ہیں، اسی طرح کی صورتحال سے دوچار ہیں۔ کیونکہ ان کے نصاب میں نہ تو انتظامی اور حکومتی علوم شامل ہیں، نہ معاشرتی و سیاسی قیادت کے لیے تربیت، نہ کفری ادیان و افکار کا علمی رد، نہ اسلامی نظام کی تعریف و تفہیم، نہ جہادی فکر کی تشریح، نہ دشمن کی شناخت، نہ دعوت و تبلیغ اور جہادی ادب و تحریر کا علم، اور نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی سیاسی و عسکری قیادت، دعوت، تبلیغ اور سفارت کاری پر کوئی نصاب۔ اس کے علاوہ امت کے عظیم رہنماؤں، فاتحین اور علماء کی تاریخ اور کارناموں سے سبق سیکھنے کے لیے بھی کوئی مواد فراہم نہیں کیا جاتا۔

اگر اسلامی نظام کے دینی تعلیمی نصاب میں شرعی اور لغوی علوم کے ساتھ ساتھ وہ ضروری عصری علوم شامل نہ ہوں جن کا اوپر ذکر ہوا، تو ایسے نصاب سے فارغ التحصیل افراد سے یہ کیسے توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ اکیسویں صدی میں عصرِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق ایک مضبوط اسلامی نظام کو کامیابی سے چلا سکیں گے؟

لہٰذا، اگر ہم پھر سے ماضی کی ناکامیوں سے دوچار نہ ہوں، ضروری ہے کہ ہم اس مسئلے کو مکمل طور پر ذہن نشین رکھیں، اور یہ حقیقت سمجھیں کہ ہمارا جہاد، قربانیاں، شہادتیں، قید و بند اور مشکلات سب اس مقصد کے لیے تھیں اور ہیں کہ اسلام کو سربلند کیا جائے، شریعت کا نفاذ ہو، مسلمان ظلم سے نجات پائیں، اور شریعت کے سائے میں امن و سکون کے ساتھ اپنے رب کی عبادت کر سکیں۔

ہمارے فاتحین کو چاہیے کہ وہ اس عظیم مقصد کے حصول کے لیے اپنے تعلیمی نصاب میں وسعت پیدا کریں، اور عصرِ حاضر کے تقاضے اس میں شامل کریں۔ بصورتِ دیگر، نتیجہ یہ نکلے گا کہ ہم ایک ایسی پسماندہ اور دین و دنیا کے بارے میں سطحی سوچ رکھنے والی قوم کی حیثیت سے زندگی گزاریں گے، جو دوسروں کی محتاج ہو گی، یا پھر ماضی کی وہی ناکامیاں اور تلخ تجربے دوبارہ دہرائے جائیں گے۔

دینی مدارس کے لیے نصاب سازی کوئی معمولی یا سادہ معاملہ نہیں کہ چند افراد، جو خود نصاب سازی کے ماہر بھی نہ ہوں، جمع ہوں اور محض اپنے ذوق یا ذاتی تجربات کی بنیاد پر چند لغوی اور دینی کتابوں کو بغیر کسی تنقیدی جائزے کے نصاب کا حصہ بنا دیں، یہ دیکھے بغیر کہ آیا یہ کتابیں عصرِ حاضر میں مسلمانوں کی دینی، فکری، اخلاقی، ادبی اور معاشرتی ضروریات پوری کرتی ہیں یا نہیں؟

ہر دور کے دینی مدرسے کے لیے نصاب تیار کرنا، در حقیقت، اس زمانے اور اُس ملک کے تمام مسلمانوں کو دین کی تعلیم دینے کے مترادف ہوتا ہے۔ لہٰذا، مضامین کے انتخاب اور ان کے باہمی توازن کے لحاظ سے انتہائی دقت و احتیاط سے کام لینا چاہیے، اور یہ نصاب زمانے کی ضرورتوں کا ادراک کرتے ہوئے عوام کی ہمہ جہت اور فکری تربیت کا لحاظ کرتے ہوئے جامع منصوبہ بندی کے تحت تشکیل دینا چاہیے۔

دینی مدارس کا نصاب ایسے ماہر علماء کے ذریعے تیار ہونا چاہیے، جو شریعت کے مقاصد اور اہداف سے واقف ہوں، زمانے کی نبض پر دسترس رکھتے ہوں، اور امت کو درپیش مسائل سے بخوبی آگاہ ہوں۔ یہ ماہرین تعلیم و تالیف کے میدان میں جدید تدریسی طریقوں، معاصر کتابوں اور علوم سے بھی آشنا ہوں، اور انہیں زبان، جدید ادب اور معاصر تحریر و ابلاغ کے فنون پر بھی عبور حاصل ہو۔ کیونکہ زبان اور ادب مفاہیم کے ابلاغ و فہم کے بنیادی ذرائع ہوتے ہیں۔

مزید برآں، ان علماء کو دینی علوم کے ساتھ ساتھ دنیاوی علوم پر بھی عبور حاصل ہونا چاہیے، تاکہ وہ دینی و دنیاوی علوم کے درمیان ایسا ربط قائم کریں جس میں دینی علوم، دنیاوی علوم کی راہنمائی کریں۔ یوں اس فکری اور انقلابی دور میں مدارس کو ایک ایسا مضبوط، عصری تقاضوں کے مطابق، دین کے مقاصد کو واضح کرنے والا، اور دورِ حاضر کے چیلنجز کا مؤثر جواب دینے والا نصاب فراہم کیا جاسکے، جس سے ایک ایسی نسل تیار ہو جو حقیقی معنوں میں اسلامی نظام کو چلانے کی صلاحیت رکھتی ہو۔

علمی طور پر جہادی کارناموں کو محفوظ رکھنے کی ضرورت

آج جبکہ ہمارے عوام نے، اللہ تعالیٰ کی نصرت اور عظیم قربانیوں کے نتیجے میں، دنیا کی ایک بڑی فوجی طاقت (امریکہ) کو شکست دی اور پورا ملک اُس کے تسلط سے آزاد ہوا، تو لازم ہے کہ قوم میں جہادی سوچ اور جذبے کو مضبوط کیا جائے، اُسے پروان چڑھایا جائے، اور جہادی کارناموں کو منظم انداز میں محفوظ رکھا جائے۔

کیونکہ جہادی فکر کو زندہ رکھنا اور اس کی ترویج نہ صرف ایک دینی فریضہ ہے بلکہ ایک اسٹریٹجک ضرورت بھی۔ اگر یہ فکر ہم سے چھن گئی، تو ہمارا دین، وطن اور قوم بڑے نقصانات اور خطرات سے دوچار ہوسکتے ہیں۔

اسی اہمیت کے پیشِ نظر، اسلامی نظام کے ذمہ داروں کی خدمت میں ایک ابتدائی تجویز کے طور پر جہادی فکر اور کارناموں کو محفوظ رکھنے اور ترقی دینے کی خاکہ درج ذیل سطور میں پیش کی جارہی ہے:

جہادی فکر اور کارناموں کی حفاظت اور فروغ کے لیے ایک ابتدائی خاکہ:

یہ بات بالکل واضح ہے کہ ایک طرف اگر جہاد کی کامیابی، وطن کی آزادی، اور اس میں اسلامی نظام کے قیام کے لیے مسلح قتال اور سیاسی عمل ضروری ہیں، تو دوسری طرف جہاد کی فکری، سیاسی، عسکری اور سماجی کامیابیوں کو محفوظ رکھنا، انہیں ضائع ہونے سے بچانا، اور مزید فروغ دینا بھی نہایت ضروری ہے۔

خصوصاً فتنوں کے اس دور میں، یہ مقدس جہادی فکر اور اس کے نتیجے میں حاصل ہونے والے قیمتی نتائج ایک عظیم امانت ہیں، جنھیں ایک منظم اور مؤثر طریقے سے آنے والی نسلوں تک منتقل کرنا لازم ہے۔

جس طرح مسلح جہاد کو کامیابی سے آگے لے جانے کے لیے مکمل اسلحہ جاتی تیاری اور تربیت یافتہ، تجربہ کار مجاہدین کی ضرورت ہوتی ہے، اسی طرح جہادی فکر اور عمل کے نتائج کو محفوظ رکھنا اور انہیں فروغ دینا بھی ایک مسلسل اور مربوط عمل ہے، جس کے لیے ایک منظم اور وسیع نظام اور اسلامی فکر پر تربیت یافتہ، صابر، پُرعزم، زمانے کی ضروریات سے باخبر اور باصلاحیت افراد پر مشتمل ٹیم کی ضرورت ہے، ایسی ٹیم جو ابھی تک منظم انداز سے اسلامی نظام کے ڈھانچے میں موجود نہیں۔

لہٰذا، ان مذکورہ بالا مقاصد کو منظم اور مؤثر انداز میں حاصل کرنے کے لیے ایک مستقل تحقیقی اور علمی ترقیاتی مرکز کا قیام ضروری ہے، جس پر اسلامی نظام کے ادارہ جاتی ڈھانچے میں توجہ دی جانی چاہیے۔

منصوبے کی تفصیلات:

مرکز کا نام: جہادی فکر اور عمل کو محفوظ رکھنے اور فروغ دینے کا تحقیقی و علمی مرکز (یا کوئی اور موزوں نام منتخب کیا جائے)

مرکز کی شاخیں:

یہ مرکز درج ذیل تین اہم شاخوں پر مشتمل ہو گا:

۱. جہادی فکر اور عمل کے نتائج کو محفوظ رکھنے اور فروغ دینے کی شاخ
۲. تحقیقی مرکز اور ماہرین (تخصص رکھنے والوں) کا بورڈ
۳. ادبی تحریر اور صحافت کی تربیت کے لیے معاصر اکیڈمی

شاخوں کے کام کی تفصیل:

۱. جہادی فکر اور عمل کے نتائج کو محفوظ رکھنے اور فروغ دینے کی شاخ:

- ہمارے جہاد سے متعلق لکھی گئی کتب، تحقیقات، اعداد و شمار، رسائل اور دیگر تفصیلی معلومات کو جمع کرنا، منظم کرنا، محفوظ رکھنا اور فروغ دینا۔

ان معلومات کو محفوظ رکھنا، در حقیقت مکمل جہادی فکر کو محفوظ رکھنا ہے، اور اگر ان کی حفاظت نہ کی جائے تو یہ ہماری قیمتی فکری اور علمی میراث کے ضائع ہونے کے مترادف ہے۔ یہ عظیم علمی و تاریخی سرمایہ مستقبل میں اس قوم کے اسلامی تشخص کو مضبوط بنانے، اس کی حفاظت، تاریخ نویسی اور نئی نسل کی تربیت کے لیے مختلف طریقوں سے کام آسکتا ہے۔

- جہاد سے متعلق تمام تصویری، ویڈیو اور صوتی مواد کو جمع کرنا، منظم کرنا، فنی انداز میں محفوظ بنانا اور اسے فروغ دینا۔

  یہ بصری اور سمعی ذخیرہ مستقبل میں جہاد، دعوت، تعلیم، ثقافت، تاریخ نویسی اور میڈیا کی سرگرمیوں میں مختلف انداز سے استعمال ہو سکتا ہے۔

- امریکی قبضے کے خلاف جہاد میں شہید ہونے والے تمام افراد کا منظم اور تفصیلی اندراج کرنا، اور ''کتاب الشہداء'' کے نام سے اسے کئی جلدوں میں ڈیجیٹل (کمپیوٹری) اور طباعتی شکل میں مرتب کرنا۔

  یہ عمل ایک طرف تو شہداء کی مکمل فہرست اور ان کی قدردانی کا ذریعہ ہو گا اور دوسری طرف نئی نسلوں کو جہاد اور شہادت کے مفاہیم سے جوڑنے کا وسیلہ۔ وقت گزرنے کے ساتھ ہر شخص اپنے شہیدوں پر فخر کرے گا، ان کے نام تلاش کرے گا، اور یہ کتاب سیاسی، ملی اور بین الاقوامی سطح پر بھی ایک مستند اور معتبر دستاویز ثابت ہو گی۔

- سینکڑوں ہزاروں زندۂ جاوید جہادی داستانوں، معرکوں اور مجاہدین کے کرامات پر مبنی واقعات کو مستند طور پر جمع کرنا، تحریر کرنا، اور ڈیجیٹل و طباعتی شکل میں جلدوں کی صورت میں ترتیب دینا۔

یہ وہ داستانیں ہیں جو اب تک یا تو ان بہادر مجاہدین کے دلوں میں زندہ ہیں یا ہمارے عوامی حافظے میں محفوظ ہیں۔ اگر ہم ان سینکڑوں ہزاروں واقعات کو محفوظ نہ کریں تو ایک طرف ہم اپنے مسلمان عوام کی جہادی تاریخ اور شجاعت کو محفوظ نہ رکھ سکیں گے، اور دوسری طرف ہم اپنی آئندہ نسلوں کے لیے ایسا فکری، ادبی، علمی اور تاریخی سرمایہ چھوڑنے میں ناکام رہیں گے جو انہیں اغیار کے افکار کے اثرات سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔

جہادی داستانوں کی کتاب نہ صرف ہماری قوم کے لیے اس دور کی جہادی تاریخ کی ایک معتبر دستاویز اور عکس ہو گی، بلکہ پورے عالمِ اسلام کے لیے جہادی ثقافت کا ایک بڑا خزانہ اور رہنما بھی ثابت ہو گی۔ اس کے علاوہ، یہ کتاب دنیا کی بڑی طاقتوں کی شکست اور ان کے ارتکاب کردہ جرائم کے ایسے ناقابلِ تردید شواہد پر مشتمل ہو گی جن سے کوئی انکار نہیں کر سکے گا۔ یہ دشمنوں کو یہ پیغام دے گی کہ وہ کبھی بھی اس سرزمین اور اس قوم کو زیرِ نگیں نہیں لا سکتے۔

''کتاب الاستشہاد'' کی تدوین:

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس جہاد میں استشہادی کارروائیاں دیگر تمام کارروائیوں کے مقابلے میں زیادہ اہم تھیں اور ان کا دشمن پر بڑا عسکری اور نفسیاتی اثر ہوا۔ ان کارروائیوں کے بارے میں ایک جامع اور بامقصد کتاب مرتب ہونی چاہیے جو ایک طرف استشہادی مجاہدین کی تاریخ کو محفوظ کرے، ان کی قدرشناسی کرے، اور دوسری طرف استشہاد کی فقہ، فکر اور عملی پہلوؤں کو اجاگر کرے۔

ممکن ہے کہ افغان عوام مستقبل قریب میں دنیا کے دیگر ممالک کی طرح اسلحہ، وسائل اور جنگی ساز و سامان حاصل نہ کر سکیں، لیکن اگر وہ اپنے جہادی اور عسکری عمل میں استشہاد کی فکر اور روح کو زندہ رکھیں، تو دنیا کی کوئی طاقت یہاں جارحیت کرنے کی جرأت نہیں کر سکے گی۔ استشہادی فکر اور عمل افغانوں کے لیے ایک ایسی ناقابلِ تسخیر اسٹریٹیجک طاقت بن جائے گی جو ہمیشہ مؤثر رہے گی۔

''کتاب الاستشہاد'' کی تجویز کردہ تین بنیادی حصے درج ذیل ہوں:

۱. **فقہی اور شرعی حصہ:** جس میں استشہاد کی دینی حیثیت، اصول اور شرائط بیان کیے جائیں۔
۲. **عملی حصہ:** جس میں انجام دی گئی سینکڑوں استشہادی کارروائیوں کی تفصیلات اور ان میں حصہ لینے والے مجاہدین کا تعارف شامل ہو۔
۳. **عسکری اور اسٹریٹیجک تجزیہ:** جس میں ان کارروائیوں کا عسکری و تزویراتی (strategic) نقطہ نظر سے تجزیہ اور اثرات کی تشخیص کی جائے۔

اسلامی و جہادی فکر اور نوجوان نسل کی تربیت کے لیے نصاب کی تدوین اور علمی سرگرمیوں کا انعقاد:

اسلامی اور جہادی فکر کے فروغ، نیز آنے والی نسلوں کی اسلامی و جہادی تربیت کے مقصد سے تعلیمی نصاب کی تدوین اور وقتاً فوقتاً علمی و تحقیقی سیمینارز، کانفرنسیں، تربیتی نشستیں اور کورسز کا انعقاد بھی اسی مرکز کی بنیادی ذمہ داریوں میں شامل ہے۔

یہ سرگرمیاں اس لیے ناگزیر ہیں کیونکہ جس قدر آج دنیا بھر میں جہادی فکر کے خلاف منفی پروپیگنڈا، شکوک و شبہات پھیلانے کی کوششیں اور اس فکر کو مسخ کرنے کی سازشیں جاری ہیں، اُسی قدر ضروری ہے کہ علمی و فکری بنیادوں پر اس فکر کی حفاظت، پرورش اور اس کے حقانیت کی وضاحت کے لیے موثر سرگرمیاں کی جائیں۔

۲. تحقیقی مرکز اور ماہرین بورڈ کی ذمہ داریاں:

دنیا کے تمام ممالک میں ریاستی نظام بہتر حکمرانی، عوامی امور کی منظم دیکھ بھال اور سیاسی، عسکری، اقتصادی، سماجی، تعلیمی، فکری اور ثقافتی مسائل و چیلنجوں کے حل کے لیے تحقیقی مراکز قائم کرتے ہیں۔ ان مراکز میں مختلف شعبہ جات کے ماہرین متعلقہ موضوعات اور مسائل پر غور کرتے ہیں اور ان کے حل کے لیے اداروں کے اشتراک سے قابلِ عمل منصوبے اور پالیسیاں تیار کرتے ہیں، جنہیں متعلقہ حکومتی اداروں کو عمل درآمد کے لیے سونپا جاتا ہے۔

اسی طرح امارتِ اسلامیہ پر بھی، جو موجودہ غیر یقینی حالات میں جہاد، حکومت اور قوم کی قیادت کی ذمہ داری سنبھالے ہوئے ہے اور ملک کی آزادی و ترقی کے لیے کوشاں ہے، لازم

ہے کہ وہ مختلف علمی و تکنیکی شعبہ جات میں اپنے ماہرین اور تجربہ کار افراد سے مشورے کرے اور علمی بنیادوں پر مسائل کے حل کی راہیں تلاش کرے۔

لہٰذا، ایک منظم اور باصلاحیت علمی و فکری مرکز کا قیام امارت اسلامیہ کے لیے وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔

تحقیقی مرکز نہ صرف خود مختلف تجاویز اور حل کے طریقے تیار کرے گا، بلکہ ملک اور بیرونِ ملک مختلف ہمدرد شخصیات اور اداروں کی طرف سے موصول ہونے والی تجاویز، مشوروں اور آراء کو وصول کرنے کے لیے ایک باقاعدہ اور ذمہ دار ادارہ بھی ہو گا، جس کے ذریعے یہ امور متعلقہ ذمہ دار اداروں تک پہنچائے جائیں گے۔

فی الحال ہمارا ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ ایسا کوئی واضح اور متعین مرکز یا جگہ موجود نہیں ہے جہاں لوگ اپنی تجاویز اور مشورے جمع کرا سکیں۔

ماہرین کا بورڈ ایک علمی اور غیر سیاسی ادارہ ہو گا، جس میں مختلف شعبوں کے اہل اور تجربہ کار ماہرین شامل ہوں گے۔ یہ بورڈ تحقیقی مرکز کا ایک ذیلی ادارہ تشکیل دے گا اور اس کے تمام امور کی نگرانی اور تنظیم مرکز کی عمومی انتظامیہ کے ذمے ہو گی۔

تحقیقی مرکز کے کاموں کی تفصیل اور ماہر بورڈ ارکان کے تعین کے لیے ایک مخصوص لائحہ عمل میں واضح طور پر معیار بیان کیے جائیں گے۔

۳. اہل افراد تیار کرنے کے لیے ادب و انشا پردازی اور صحافت کے کام:

آج کی دنیا میں نہ صرف پیغام رسانی کے ذرائع بدل چکے ہیں، بلکہ ذہن سازی کے طریقے، فکری ادب اور بیانیاتی ماحول بھی مختلف ہو چکے ہیں۔

آج دنیا کی غالب قومیں جدید میڈیا اور ترقی یافتہ مواصلات و صحافت کے ذریعے دیگر اقوام کو اپنے تابع بنا رہی ہیں، ان کے نظریات، عقائد، اخلاقیات اور ترجیحات کو بدل رہی ہیں اور انہیں اپنے پیچھے چلا رہی ہیں۔

اسی میدان میں استعمال ہونے والے جدید فنی ہتھکنڈوں اور مخاطب سازی کے نئے طریقوں نے سابقہ توازن کو بگاڑ دیا ہے اور اثر اندازی کے نئے اصول متعارف کروا دیے ہیں۔

یہ تمام امور ہم سے تقاضا کرتے ہیں کہ ہم بھی اس میدان میں پیچھے نہ رہیں، بلکہ اپنے دینی و سیاسی افکار کو مؤثر اور ابلاغی انداز میں عوام تک پہنچائیں۔

بد قسمتی سے ہمارے دینی تعلیمی نصاب میں ایک بڑی کمزوری یہ ہے کہ اس میں میڈیا رائٹنگ، جدید اسالیب اثر و خطاب، سیاسی و سماجی علوم، زبان و ابلاغی ادب، موجودہ فکری و اعتقادی تحریکوں کی پہچان، عالمی میڈیا کا فہم، نفسیات، اور جہادی و انقلابی جدوجہد کے فنی طریقوں کی تعلیم کے لیے کوئی خاص گنجائش نہیں رکھی گئی۔

اسی کمی کی وجہ سے ہمارے دینی میدان کے تعلیم یافتہ افراد موجودہ حالات کے ساتھ مؤثر طور پر ہم آہنگ نہیں ہو پاتے، جس کا فائدہ دشمنوں نے خوب اٹھایا اور عالمِ اسلام کے نوجوان نسلوں کو اپنے نظریاتی اثر میں لے لیا۔

اس خلا کو ایک حد تک پُر کرنے اور ساتھ ہی اپنے تحقیقی مرکز اور صوبوں میں اس کی شاخوں کو فعال بنانے اور چلانے کے لیے باصلاحیت، ماہر افراد پیدا کر سکیں، اس مقصد کے لیے ضروری ہے کہ تحقیقی مرکز کے تحت جدید میڈیا و صحافت کے لیے ایک دو سالہ اکیڈمی یا تخصص کا انتظام کیا جائے۔

اس صحافتی اکیڈمی میں دینی مدارس کے باصلاحیت، ذہین فارغ التحصیل علماء کو مخصوص معیار کے مطابق شامل کیا جائے اور دو سال کے عرصے میں انہیں علمی و عملی تربیت دی جائے اور بعد ازاں انہیں مختلف امور کے لیے مقرر کیا جائے۔

دینی علوم کے فارغ التحصیل طلبہ کو اس اکیڈمی میں درج ذیل مضامین پڑھائے جائیں:

۱. جدید صحافت
۲. مادری زبان اور ادب
۳. فن خطابت
۴. غیر ملکی زبانیں (عربی و انگریزی)
۵. کمپیوٹر اور انفارمیشن ٹیکنالوجی
۶. اسلامی تاریخ، افغانستان کی تاریخ اور جغرافیہ
۷. دنیا شناسی اور عالمِ اسلام کی موجودہ صورت حال
۸. جدید صحافت اور موجودہ صحافتی ذرائع
۹. میڈیا سے متعلق فکری اور عقیدتی رجحانات
۱۰. بین الاقوامی سیاسی، عسکری اور اقتصادی معاہدات
۱۱. عمرانیات (سوشیالوجی)
۱۲. نفسیات
۱۳. انتظامی علوم
۱۴. قوانین
۱۵. بین الاقوامی تعلقات

جب نوجوانوں کی ایک نسل ان علوم کو حاصل کر لے گی اور ان مہارتوں میں تربیت پا لے گی، تو ہمارے ادارے ایک حد تک اپنے ضروری کاموں کے لیے تربیت یافتہ ماہر افراد کے حامل ہوں گے اور جہادی فکر و ثقافت کے فروغ کا عمل بھی پیشہ ورانہ انداز میں سر انجام پائے گا۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

☆☆☆☆☆

کیا ریاست(State) اسلامی ہو سکتی ہے؟

مولوی عبد الرب بلوچ

مشہور جرمن فلسفی نطشے(Fridrich Nietzsche)کا قول ہے:

> "He who fights with monsters should look to it that he himself does not become a monster. And if you gaze long into an abyss, the abyss also gazes into you."

> ”جو شخص عفریتوں سے لڑتا ہے، اسے خیال رکھنا چاہیے کہ کہیں وہ خود ہی عفریت نہ بن جائے۔ اور جب تم پاتال میں دیر تک جھانکتے ہو تو پاتال بھی تم میں جھانکنے لگتا ہے۔“

اس قول کا مفہوم یہ ہے کہ جب انسان کا مقابلہ منفی قوتوں سے ہوتا ہے تو ان کے منفی اثرات انسان پر غیر محسوس طور پر مرتب ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے یہ کوئی قاعدہ کُلیہ ہر گز نہیں ہے، لیکن اس کی واقعیت سے انکار کرنا بھی مشکل ہے۔ اس لیے کہ عام طور پر باطل قوتوں سے برسرِپیکار افراد یا جماعتوں کو عموماً غیر محسوس انداز میں اسی باطل سے متاثر ہونے کا بھی خطرہ ہوتا ہے، اور بد قسمتی سے اسلامی سرزمینوں پر اسلامی انقلاب کی داعی جماعتیں اور تحریکات بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ اِلا یہ کہ ان میں فکری پختگی، حالاتِ زمانہ سے گہری واقفیت اور تزکیے و رجوع الی اللہ کے مضبوط رجحانات موجود ہوں۔

اس لیے کہ غلبۂ دین کی جدوجہد کرنے والے حضرات کو مغرب کی معاشی و عسکری طاقت سے ہی نہیں، فکری و نظریاتی سطح پر بھی مغرب سے مقابلہ درپیش ہے، بلکہ اس طرح کہنا بھی بجا ہو گا کہ مغرب سے حقیقی جنگ ہی فکری و نظریاتی ہے، عسکری میدان تو اس فکری جنگ کا فقط ایک میدان ہے، ہاں البتہ بہت اہم میدان!۔ اسی لیے غلبۂ دین کی جدوجہد سے وابستہ حضرات فکری میدان میں بھی مغربی نظریات کی تنقید میں سرگرم رہے اور مغربی معاشی و سیاسی نظریات کی سنگینی واضح کی۔ یہی وجہ ہے کہ ماضی قریب میں جہادی حلقوں میں مغربی سیاسی تصورات، بالخصوص جمہوری نظام پر کافی تنقیدات سامنے آئیں۔ تاہم جمہوریت پر تمام تر تنقیدات کے ساتھ ہمیں مغربی سیاسی نظریات کی بنیادی اکائی، 'ریاست (State)' پر کوئی قابل ذکر تنقید دیکھنے کو نہیں ملتی۔ بادی النظر میں اس کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ مغربی نظریات کا سب سے بڑا فریب یہی ہے کہ ان پراڈکٹس کو عین 'فطری' ارتقاء کا نتیجہ قرار دیتے ہوئے دنیا میں پھیلایا گیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جدید 'ریاست' (State) اور ریاستی ادارہ جاتی صف بندیوں یا اجتماعیت کو دیگر سیاسی اجتماعیتوں مثلاً خلافت، امارت، بادشاہت وغیرہ کی ارتقائی شکل سمجھنے کا ایک عمومی تصور پایا جاتا ہے جو نہ صرف غلط بلکہ کافی خطرناک بھی ہے۔ یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ عصرِ حاضر میں جب بھی 'ریاست' (State) اور ریاستی اداروں (State Institutions) کا ذکر ہوتا ہے تو اس سے مراد صرف ”جدید مغربی قومی وطنی ریاست“ (Modern Western Nation State) اور اس کے سماجی، انتظامی و معاشی ادارے (Institutions) ہی ہوتے ہیں۔ جدید ریاست قطعاً قدیم حکومتی انتظام کی جدید شکل نہیں بلکہ یورپ کے لادین سیاسی، سماجی و معاشی نظم میں پروان چڑھنے والا خالصتاً مغربی ادارہ ہے۔ کسی بھی تہذیب کی مخصوص مابعد الطبیعات کے زیرِ اثر وجود پذیر ہونے والے ہمہ قسمی ادارے، خواہ وہ سیاسی ہوں، مثلاً ریاست، یا سماجی و معاشی ادارے نہ صرف اس مخصوص مابعد الطبیعات کے تحت کام کرتے ہیں بلکہ اُسی مخصوص مابعد الطبیعات کے فروغ کا باعث بھی بنتے ہیں۔ جیسا کہ اسلام کاری (Islamization) کے نام پر اسلامی بینکاری کے فروغ سے اسلامی معاشی اصولوں کی ترویج کی بجائے معاشرے میں سرمایہ دارانہ طرزِ معاشرت اور سرمایہ دارانہ اخلاقیات ہی فروغ پا رہی ہیں۔ انہی وجوہات کے باعث ضروری ہے کہ غلبۂ دین سے وابستہ افراد ریاستی صف بندی کو بھی اسی ادارہ جاتی نقطۂ نگاہ سے سمجھتے ہوئے اپنی غلبۂ دین کی جدوجہد کا مقصدِ اصلی کسی نام نہاد 'اسلامی ریاست' نہیں بلکہ صرف ”خلافت علیٰ منہاج النبوۃ“ کا قیام متعین کریں۔ اسی ضرورت کے پیشِ نظر اس مضمون میں مختصراً 'ریاست' کی امتیازی خصوصیات کے بیان کے ذریعے اسلامی حکومت اور 'ریاست' کے درمیان فرق واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

ریاست(State) کی امتیازی خصوصیات

متعدد مفکرین نے جدید ریاست کی ساخت کے بیان میں ریاست کے مختلف امتیازی اوصاف ذکر کیے ہیں۔ اسلامی علوم کے معروف مغربی مفکر اور فلسفی، وائل حلاق (Wael Hallaq) نے اپنی کتاب Impossible State میں ریاست کے درج ذیل امتیازی اوصاف ذکر کیے ہیں[1]:

۱. تاریخیت (Historicity)

۲. حاکمیت (Sovereignty)

۳. قانون سازی و جبر (Legislation & Violence)

۴. بیوروکریٹک انتظامیہ (Bureaucratic Administration)

۵. مخصوص انفرادیت(Citizenship)

---

[1] Wael Hallaq, Impossible State, 26; مندرجہ بالا خصوصیات فاضل مصنف سے مع معمولی ترمیم منقول ہیں۔

۱. تاریخیت (Historicity)

ریاست (State) سیاسی صف بندی کی ایک مخصوص شکل ہے جو یورپ کے ساتھ خاص ہے۔ یورپ کے ساتھ خاص سیاسی صف بندی کا مطلب یہ ہے کہ ریاست (State) بحیثیت ادارہ، یورپ کے ایک خاص سیاسی، سماجی و معاشی سیاق میں وجود میں آئی۔ جس میں تحریکِ تنویر (Enlightenment) کے زیرِ اثر رونما ہونے والی غیر معمولی تبدیلیاں خاص اہمیت کی حامل ہیں۔ جن کے نتیجے میں بادشاہت اور کلیسا کی علیحدگی ہوئی اور اس کے نتیجے میں قومی ریاست کی ابتدائی صورت وجود میں آئی۔ نیز تحریکِ تنویر کے ذریعے ہی اس نئی سیاسی صف بندی، یعنی ریاست کے لیے درکار نظریاتی تائید بھی فراہم ہوئی۔ اس لیے یہ کہنا کہ ”جدید مغربی ریاست بلاشبہ تاریخی حالات کی پیداوار ہے“، بطور ادارہ ریاست کی جوہری صفت (یعنی تاریخیت) کی درست وضاحت ہے۔ اسی طرح سرمایہ داری (Capitalism) کے فروغ کا بھی ریاست کی تشکیل میں اہم کردار ہے، تاہم ریاست سرمایہ دارانہ نظام کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، جیسا کہ بہت سی ریاستیں کمیونسٹ یا سوشلسٹ بھی ہیں۔

اسی تاریخیت پر مبنی مشروعیت کے باعث سیاسیات (Political Sciences) کے مباحث میں ریاست کو ایک مجرد (abstract) اور آفاقی (universal) وجود باور کروائے جانے کا رجحان اٹھارہویں صدی میں پیدا ہوا کہ جب ریاست (State) کے تصور کو عقلیت (rationality)، ترقی اور تہذیب یافتہ ہونے سے جوڑا جانے لگا۔ یہی وجہ ہے کہ اس زمانے میں یورپ میں ریاستی حدود میں رہنے والے انسانوں کو ہی صحیح معنوں میں تہذیب یافتہ انسان گردانا جاتا تھا، ریاستی صف بندی کے علاوہ دیگر سیاسی صف بندیوں میں رہنے والے انسانوں کو قبائلی معاشروں میں رہنے والے کمتر اور وحشی انسان سمجھا جاتا تھا۔ اسی لیے مغربی استعماری حکومتوں نے اپنی نوآبادیوں میں بسنے والے ’اجڈ‘ اور ’وحشی‘ انسانوں کو ’تہذیبِ یافتہ‘ بنانے کے لیے نوآبادیاتی معاشروں میں یورپی انتظامی، سیاسی و معاشی ادارہ جات بزورِ قوت متعارف کروائے۔

۲. حاکمیت (Sovereignty)

حاکمیت (Sovereignty) کا تصور ریاست کی ایسی جوہری صفت ہے جسے پچھلی دو صدیوں میں ریاست میں آنے والی تبدیلیوں کے باوجود ریاست کا امتیازی نشان کہا جا سکتا ہے۔ ماقبل جدید دور میں اقتدار مخصوص سیاسی و نظریاتی (لیکن شخصی) ڈھانچوں پر استوار تھا، جب کہ جدید ’ریاست‘ (State) اس کے برعکس ’غیر شخصی‘ (Impersonal) کردار کی حامل ہے۔ یہ غیر شخصی مجرد کردار (حاکمیت) ریاست کے جواز میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ یہ مجردِ تصورِ حاکمیت اس بات کا متقاضی ہے کہ ریاست کو متفرق اداروں کے ساتھ ساتھ ایک نظریاتی ڈھانچے کے طور پر بھی سمجھا جائے۔ سیاسی اور نظریاتی طور پر حاکمیت (Sovereignty) کا مذکورہ تصور، ارادۂ نمائندگی (Will of Representation) کے تصور سے نکلا ہے۔ حاکمیت (Sovereignty) کا یہ تصور اس سوچ سے تشکیل پایا ہے کہ ریاست کی تجسیم (Embodiment) کرنے والی قوم اپنے ارادے اور تقدیر کی واحد خالق ہے۔ اس ارادے کو عملی شکل دینے کے لیے کسی بھی بالاتر ہستی، جبر یا غلبے کی نفی کرنا ضروری ہے۔ عملی طور پر جبر کی یہ نفی فرانسیسی و امریکی انقلابات میں ظہور پذیر ہوئی۔[۲]

خارجی استبداد کی نفی ایسی لازمی جوہری شرط ہے جس کے بغیر حاکمیت بے معنی رہتی ہے۔ لہٰذا جدید ریاست کا تذکرہ حاکمیت کی جوہری صفت فرض کرنا اور عوامی ارادے (popular will) کو اپنی اجتماعی تقدیر کا مالک سمجھنا ضروری ہے۔ عوامی اور اجتماعی ارادہ (collective will) دراصل انفرادی طور پر عملی اور فعال شرکت کو پہلے سے موجود نہیں گردانتا، بلکہ اپنی اجتماعی طاقت کا دعویٰ اسی وجہ سے کرتا ہے کہ وہ ایک فرضی تصور ہے۔ یہاں تک کہ اگر غیر جمہوری طاقت برسرِ اقتدار آجائے تو بھی اس تصور کی قوت میں کچھ کمی نہیں آتی کیوں کہ روایتی جمہوری روایات کی غیر موجودگی میں بھی ہر ریاست (قومی ریاست پڑھا جائے) توقع کرتی ہے کہ اس کا ارادۂ حکم (sovereign will) اس کے حکمرانوں کے اقوال و افعال میں متشکل ہو گا، خواہ وہ شیطانوں کی جماعت ہی کیوں نہ ہو۔ ارادۂ جمہور سے آمریت اور آمریت سے جمہوریت میں تبدیلی کے دوران ریاست کی صفتِ حاکمیت محفوظ رہتی ہے، اور یہ اقتدارِ اعلیٰ کی مالک ریاست کے تصور میں مطلق بادشاہتوں سے جمہوری اقتدار میں تاریخی تبدیلیوں کا درست اظہار ہے۔

حاکمیت کے اس تصور کی مقامی و بین الاقوامی، دو جہتیں ہیں۔ بین الاقوامی طور پر اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام ریاستیں اپنی اپنی سرحدات کے اندر دیگر ریاستوں کی اتھارٹی تسلیم کرتی ہیں اور بین الریاستی معاملات میں ہر ریاست اپنی قوم کی جائز نمائندہ تصور کی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر ریاست، خواہ وہ استبدادی ہی کیوں نہ ہو، اپنی عوام کی ’جائز نمائندہ‘ تصور کی جاتی ہے۔ حاکمیت کی اس بین الاقوامی جہت کی تشکیل یورپ کے معاہدۂ ویسٹ فیلیا (۱۶۴۸ء) سے ہوئی اور یہ بین الاقوامی جہت، حاکمیت کی مقامی جہت سے جڑی ہوئی ہے۔ اس طرح، کہ کسی ریاست کی سرحدی حدود کے اندر اس ریاست کی اتھارٹی سے اعلیٰ اتھارٹی کوئی نہیں ہوتی۔ ریاست کی حدود میں ریاست کا ہی قانون چل سکتا ہے۔ کوئی غیر ریاستی طاقت اس قانون کو چیلنج نہیں کر سکتی، نہ ہی ریاستی حدود کے اندر اس (ریاستی قانون) کو کسی برتر اتھارٹی کے سامنے چیلنج کرنا ممکن ہوتا ہے۔ اس لیے کہ یہ قانون ہی ریاست کے ارادۂ حاکمیت (Sovereign Will) کا اظہار ہوتا ہے۔

اس طرح قانون کو چیلنج کرنا عوامی ارادے (popular will) کو چیلنج کرنا ٹھہرتا ہے، جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی شہری یا گروہ کا اپنی ریاست کے قانون کو چیلنج کرنا یا تو منطقی

---

[۲] جبر و استبداد سے مراد ہر قسمی خارجی اثر ہے، جس میں مذہب بھی شامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انقلابِ فرانس مذہب و ریاست کی جدائی میں اہم سنگ میل شمار ہوتا ہے۔

تناقض ہے[کیوں کہ اس سے وہ اپنی ہی مرضی (ارادہ) کو چیلنج کر رہے ہوں گے یا پھر یہ کسی متبادل اجتماعی ارادے (متبادل اقتدار اعلیٰ) کی نمائندگی کرنے والا متشدد اور انقلابی عمل ہے]۔ ریاستوں کی معروضی دنیا میں اس چیلنج کی قبولیت کی خصوصیت یہ ہے کہ اس چیلنج کے جواز کا انحصار سابقہ حکومت کو تبدیل کرنے کی مسلح جدوجہد کی کامیابی پر ہے۔ اس (کامیابی) کے بغیر متبادل آئین کا وجود ممکن نہ ہوگا۔

تشدد پر اجارہ داری(Monopoly on Violence)ریاست کی حاکمیت کے مقامی و بین الاقوامی دونوں پہلوؤں کا جوہری عنصر ہے۔ طاقت کے خالص اظہار کے طور پر تشدد ریاست کی لازمی صفت اور اس کی مقامی حاکمیت اور قانونی ارادے(Legal Will)کے اظہار کا ذریعہ ہے۔

وجود میں آنے کے لیے حاکمیت کو نہ صرف ایک ریاست چاہیے ہوتی ہے بلکہ تخیلاتی بنیاد (Imagined Construct)یعنی قوم کی عمومی شرط بھی درکار ہوتی ہے۔ مقتدر اعلیٰ ہونے کے ناطے ”قومی ریاست کسی ذات کے اعمال کی پیداوار نہیں ہوتی بلکہ خود اپنی تخلیق ہوتی ہے۔“کیوں کہ یہ آئینی تشدد کے اسی تخیلاتی تصور کی بنیاد پر وجود میں آئی ہوتی ہے اور باقاعدہ قانون کا نفاذ بھی جاری رکھتی ہے۔ پال کاہن(Paul Kahn)کا یہ تجزیہ درست ہے کہ مقتدر ریاست خود اپنی تعمیر کے لیے قادر مطلق تصور کی جاتی ہے، ”بالکل ویسے ہی جیسے خدا کسی چیز کو عدم سے وجود بخشتا ہے“اور ریاست ”اپنا ارادہ رکھنے یا اس کا اظہار کرنے کا حق محفوظ رکھتی ہے“۔ اپنے مقصود کے لحاظ سے ریاستی حاکمیت(Sovereignty)اور توحید میں متعدد مشترکات ہیں جیسا کہ پال کاہن لکھتا ہے:

> First, it is omnipotent: all political forms are open to its choice. Second, it wholly fills time and space: it is equally present at every moment of the nation’s life and in every location within the nation’s borders. Third, we know it only by its product. We do not first become aware of the popular sovereign and then ask what it has accomplished. We know that it must exist, because we perceive the state as an expression of its will. We deduce the fact of the subject from the experience of its created product. Finally, we cannot be aware of this sovereign without experiencing it as a normative claim that presents itself as an assertion of identity. We understand ourselves as a part, and as a product, of this sovereign. In it, we see ourselves[3].

> ”اول، یہ قادرِ مطلق ہے، تمام سیاسی شکلوں میں سے جو چاہے منتخب کر سکتی ہے۔ دوم، اس کا وجود زمان و مکان سے ماورا ہے، یہ قوم کی زندگی کے ہر لمحے اور اس کی سرحدوں کے اندر ہر مقام پر یکساں طور پر موجود ہوتی ہے۔ سوم، ہم اسے صرف اس کی قدرت کے اظہار سے جان سکتے ہیں، ہم پہلے عوامی حاکمیت سے واقفیت حاصل کر کے نہیں پوچھتے کہ اس نے کیا حاصل کیا ہے، (بلکہ) ہم یہ (ایمان) رکھتے ہیں کہ عوامی حاکمیت لازم ہے کیونکہ ہم ریاست کو اسی (عوامی حاکمیت) کی مرضی کا اظہار سمجھتے ہیں۔ ہم کسی ذات کے وجود کا اندازہ اس کے فعل کے تجربے سے کرتے ہیں۔ آخری، ہم اس مقتدر سے واقف نہیں ہو سکتے جب تک کہ اسے ایک معیاری دعوے[۴] کے طور پر محسوس نہ کرلیں جو خود ہی اپنی شناخت کی دلیل ہوتا ہے، ہم خود کو اس مقتدر کا ایک حصہ اور اسی کی تخلیق سمجھتے ہیں، اور اسی مقتدر میں خود کو دیکھتے ہیں۔“

اس طرح ریاست کے تناظر میں اپنی ذات کی شناخت کا مطلب یہ ہے ریاستی حاکمیت کی خواہشات کے مطابق اپنی ذات کا ادراک کرنا اور اس کے مطابق ڈھل جانا، پھر اسی حاکمیت کو قانون اور قوم دونوں کا مصدر تصور کیا جاتا ہے اور قوم اپنی اجتماعیت میں قانون کے آئینے میں منعکس ہوتی ہے۔

قانون مقتدرہ کے ارادے کا عکس ہے، لہٰذا جو ارادہ ذات کی تخلیق کرتا ہے اور اسے اپنی صورت پر بناتا ہے وہ دراصل قریب قریب ارادہ خداوندی کا مذہبی (مسیحی) تصور ہی ہے۔ ما قبل روشن خیالی (Enlightenment) کے بہت سے جدید تصورات کی طرح حاکمیت (Sovereignty) کی جدید شکل میں بھی مذہبی حاکمیت کی کچھ صورتیں بعینہٖ باقی ہیں۔

جدید ریاست کے تمام اہم تصورات اپنی تاریخی نمو اور اپنے انتظامی ڈھانچے کی وجہ سے دینی تصورات کی ہی سیکولر شکل ہیں۔ تاریخی ارتقا میں یہی دینی تصورات ریاست کے تصور اور تھیوری میں منتقل ہوگئے جن میں ریاست کی قادرِ مطلق مقننہ کو قادر مطلق خدا کی جگہ دی گئی۔ ریاست جس طرح قادر مطلق خدا کی طرح قانون تخلیق کرنے کا اختیار رکھتی ہے، اسی طرح اپنے تخلیق کردہ قوانین کو معطل کرنے کا بھی مکمل اختیار رکھتی ہے۔ قانون کی یہ معطلی معجزے کے مذہبی تصور سے مشابہہ ہے۔ اس لیے کہ جس طرح معجزے کے ذریعے خدا اپنی لامحدود طاقت سے قوانین قدرت کو معطل کرکے اپنی قدرت کا اظہار کرتا ہے بعینہٖ اسی طرح استثنائی حالات (مثلاً آفت یا جنگ وغیرہ) میں اپنے ہی قوانین معطل کرنا ریاستی قوت و حاکمیت کا مظہر ہوتا ہے۔[5]

---

[۳] Paul W. Kahn, Putting Liberalism in Its Place, 267

[۴] معیاری دعویٰ(Normative Claim): کسی چیز کے لازم ہونے کا ’اخلاقی‘ دعویٰ۔

[5] Carl Schmitt, Political Theology, 36

۳. قانون سازی وجبر (Legislation & Violence)

حاکمیت کے بعد ریاست کی تیسری جوہری صفت قانون سازی ہے جو دراصل ریاست کے ارادۂ حاکمیت (Sovereign Will) ہی سے پھوٹتی اور اسی ارادے کا اظہار ہوتی ہے۔ قانون سازی کی صفت کے بغیر کوئی ریاست صحیح معنوں میں ریاست نہیں کہلا سکتی۔ اس لیے کہ ارادۂ حاکمیت (Sovereign Will) کے اظہار کے طور پر ریاست خدا کی طرح احکامات جاری کرنے والا وجود بن جاتی ہے۔

کیلسن (Kelson) نے ریاست (State) کے تین جوہری عناصر شمار کیے ہیں:[۶]

۱. مخصوص جغرافیہ (Territory)
۲. (مخصوص) آبادی (Population)
۳. طاقت (Power)

مذکورہ بالا خصوصیات تسلیم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ریاستی طاقت دو چیزوں پر مشتمل تسلیم کرنا ہوگی:

۱. قانون بطور ارادۂ سیاسی (Political Will)
۲. اس قانون کے مقامی و بین الاقوامی سطح پر نفاذ کے لیے درکار استبدادی قوت (تشدد یا جبر)۔

قانونی نقطۂ نظر سے بھی ریاست (State) اجتماعیت کی ایسی مخصوص شکل ہے جو قانونی و انتظامی شکل سے تشکیل پاتی ہے اور ریاست ایسا قانونی فرد ہوتا جو اس اجتماعیت کا معاشرتی و قانونی اظہار ہوتا ہے۔ ریاست اور اس کا قانونی نظام دونوں ایک ہی ہیں۔ بقول کیلسن: "ریاست نامی اجتماعیت خود ہی قانون ہے"۔ سادہ لفظوں میں: **"ریاست کی تشکیل اگر حاکمیت (Sovereign Will) سے ہوئی ہے تو قانون اس حاکمیت کا اظہار، اور اس قانون کا نفاذ اس حاکمیت (Sovereign Will) کا عملی اظہار ہے"۔** جیسا کہ ریاست (اور قانون) اپنی تشکیل کی وجہ سے خود ہی اپنا مقصود ہے، اس لیے قانون کے نفاذ کے لیے جبر و استبداد کی حدود بھی ریاست خود ہی متعین کرتی ہے۔ حتیٰ کہ کسی خدائی حکم کا نفاذ کر بھی دیا جائے تو وہ دراصل ریاست کے اس حکم کو نافذ کرنے کی خواہش سے ہی مشروط ہوتا ہے۔[۷] سادہ لفظوں میں ریاست خدائی احکام کی محتاج نہیں بلکہ احکام خداوندی ریاست کے محتاج بن جاتے ہیں، زیادہ واضح کریں تو: "زمین پر ریاست فرعون کی طرح انا ربکم الاعلیٰ کا دعوے دار وجود ہوتی ہے"۔[۸]

ا. ادارہ جاتی انتظام (Bureaucratic Management)

ادارے وہ ثابت شدہ ساختیں ہوتی ہیں جو سماجی دائرے کی تشکیل کرتی ہیں۔ ادارے نہ صرف سماج کے افراد کے باہمی رویوں کی تشکیل کرتے ہیں، بلکہ سماج میں ایک مربوط نظام فکر کا ذریعہ بن کر سماجی ترجیحات کا تعین بھی کرتے ہیں۔ ان اداروں کے استحکام کا دارومدار اس بات پر ہوتا ہے کہ وہ کس حد تک پائیدار سماجی رویوں کی تشکیل کرتے ہیں۔ یہ ادارے جہاں بعض سماجی رویوں کی تشکیل اور نشوونما کا باعث بنتے ہیں وہیں بعض رویوں کی نفی بھی کرتے ہیں۔ اس عمل کے نتیجے میں سماج میں ایسی نئی ترجیحات اور اعمال بھی وجود میں آتے ہیں جو پہلے اس سماج میں موجود نہیں تھے[۹]۔ جیسا کہ ماہر معاشیات ڈگلس نارتھ اداروں کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے:

> "Institutions are the rules of the game in society or, more formally, are the humanly devised constraints that shape human interaction. In consequence they structure incentives in human exchange, whether political, social, or economic."[10]

> "ادارے کسی سماج میں کھیل کے قواعد ہوتے ہیں، یا، زیادہ رسمی طور پر کہا جائے تو، انسانوں کی اختراع کردہ ایسی پابندیاں ہوتی ہیں جو انسانی تعامل کی تشکیل کرتی ہیں۔ نتیجتاً وہ انسانوں کے سیاسی، سماجی یا معاشی باہم تبادلے میں انسانی رجحانات کو منظم کرتی ہیں۔"

یہ ادارے اگرچہ کسی سماج کے افراد ہی کی فکر اور عمل کے نتیجے میں وجود میں آتے ہیں تاہم یہ ادارے ان پر منحصر بھی نہیں ہوتے۔ اس لیے کہ ادارے کسی مشین کے کل پرزوں کی طرح نہیں ہوتے بلکہ ایک جداگانہ وجود اور تشخص کے حامل ہوتے ہیں۔ ان اداروں کے بھی اپنے مفادات، بقا اور توسیع کے جذبات ہوتے ہیں جن کے تحت یہ ادارے معاشرے میں مخصوص اقدار کے فروغ کا ذریعہ بنتے ہیں[۱۱]۔

ریاست کے سماجی، سیاسی و معاشی ادارہ جاتی انتظام کی خصوصیت (بیوروکریٹک) انتظام ہے۔ ادارہ جاتی انتظام سے ہماری مراد محض اداروں کی تنظیم (Organization) نہیں بلکہ ان

---

[۶] Hans Kelsen, General Theory of Law & State, 207

[۷] دوسرے لفظوں میں ریاست اگر شریعت نافذ کر بھی لے تو وہ اللہ تعالیٰ کی نہیں بلکہ ریاستی حاکمیت (Sovereign Will) کا اظہار ہوتا ہے۔

[۸] Wael Hallaq, Impossible State, 27-29

[۹] Hodgson, Geoffery M., What are institutions?, Journal of Economic Issues, volume 40, issue 1, 2016, New York, Routledge, 1-5

[۱۰] North, Douglass C. Institutions, Institutional Change, and Economic Performance. Cambridge: Cambridge University Press, 1990, Cambridge, pp 12

[۱۱] Javaid, Omar, Methodology of Institutional Analysis and its Implication on Expectations from the Contemporary Framework of Islamic Banks, Humanomics, Vol. 31 No. 2, 2015, Leeds, UK: Emerald Publishing, pp. 183-200

کا 'غیر شخصی' (Impersonal) قواعد پر مبنی ایک مخصوص انتظامی ڈھانچہ ہے جس میں ملازمین پہلے سے طے شدہ عقلی قواعد اور حاکمیت کی ایک درجہ بندی کی پاسداری کے پابند ہوتے ہیں۔ یہ ادارہ جاتی ساخت، یورپی سماج کے نشاۃ ثانیہ اور تحریک تنویر کے انقلابات کے نتیجے میں بدلتی ہوئی سماجی اقدار کے تحت ایک سیکولر اور سرمایہ دارانہ معاشرہ بننے کے مراحل میں تشکیل پائی، کہ جب قدیم روایتی سماجی ڈھانچہ شکست وریخت کے عمل سے گزر رہا تھا اور اسکی جگہ مارکیٹ سوسائٹی کی شکل میں ایک مادہ پرست سرمایہ دارانہ سماج تشکیل کے مراحل میں تھا۔ جدید ریاست کے ادارے دراصل یورپی سماج کے اسی اخلاقی خلا (Vacuum) کو پُر کرنے کے لیے تشکیل دیے گئے۔ بعدازاں یورپی استعمار نے ان یورپی الاصل اداروں کو دنیا بھر میں اپنی نو آبادیات (Colonies) میں بزور طاقت پھیلایا۔ اس طرح جہاں ایک طرف ادارہ سازی کے ذریعے مغربی اقدار نو آبادیاتی خطوں میں پھیلائی گئیں وہیں استعمار نے ریاستی ڈھانچے کی بنیاد بھی اسی ادارہ سازی کے عمل سے رکھ دی۔

ادارہ جاتی نظم کا ایک دوسرا پہلو ان اداروں کی تنظیم (Systemization) اور اس کے نتیجے میں ریاست پر منظم کنٹرول ہے۔ بیوروکریسی کی تمام ذیلی شاخیں اعلیٰ سے اعلیٰ کی نگرانی میں ہوتی ہیں اس طرح ایک طرح اعلیٰ سے اسفل تک منظم کنٹرول کا ایک انتظامی ڈھانچہ تشکیل پاتا ہے۔ اس طرح بیوروکریسی بیک وقت ریاستی انتظام کا آلہ اور آلہ کار دونوں کہی جاسکتی ہے۔ جدید ریاست میں انتظامیہ درحقیقت حاکمیت اور جبر کی تنظیم کا نام ہے۔ اپنے اس اثر ونفوذ کی وجہ سے بیوروکریسی ریاستی انتظام میں دخیل ہوتی ہے، بلکہ سماج کی ریاستی تعقل کے مطابق تشکیلِ نو کے لیے ثقافتی نفوذ بھی حاصل کرتی ہے۔ بنیادی انتظامی نظم ونسق سے لے کر قوانین کے جال کے ذریعے معاشرے کے افراد کی نجی زندگی تک پر اپنے اثر ورسوخ کے باعث ریاست ہمہ وقت معاشرے کے افراد کی ایک نئی اجتماعی ذات (Subjectivity) یا انفرادیت، یعنی 'شہری' (Citizen) کے طور پر تشکیل کرتی رہتی ہے"[12]۔

۲. مخصوص انفرادیت (Citizenship)

ریاست کے ارادۂ حاکمیت (Sovereign Will) کے ریاست کا تشکیلی جزو ہونے کا لازمی نتیجہ ریاست کا ثقافتی نفوذ اور ریاست کی حدود میں ہر قسمی خود مختار سماجی یا سیاسی اکائیوں کا خاتمہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یورپ میں ریاست جیسے جیسے مضبوط ہوتی گئی مذہب، خاندان، قبیلہ وبرادری کی سماجی صف بندیاں کمزور ہوتی چلی گئیں۔ اس لیے کہ ریاست اپنی حدود میں کسی قسم کی خود مختار اکائی برداشت نہیں کرسکتی۔[13] یہی وجہ ہے کہ استعمار کی جانب سے گزشتہ صدی میں 'تیسری دنیا' میں قائم کردہ ریاستیں برائے نام ریاستیں ہیں، اس لیے کہ وہاں خاندان، قبیلے اور مذہبی اکائیاں سماجی سطح پر وفاداریوں کا محور ہیں اور ریاست سے جداگانہ گہرے نفوذ کی حامل بھی ہیں۔

شہری (Citizen) اپنی تعریف کے لحاظ سے قومیائی گئی اکائی ہے جو اپنی شناخت 'قوم' (Nation) سے جوڑتا ہے۔ اس طرح اگر ریاست قوم کی علامت اور نیشنل ازم سیاست کی معینہ شکل تسلیم کرلی جائے تو پھر شہری (Citizen) کو سیاسی وجود قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس کا منطقی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شہری اپنی ذات یعنی شہریت کو ریاست کی ملکیت سمجھتا اور ریاست کے لیے خود کو قربان کرنے پر تیار رہتا ہے۔ ریاست کی خاطر قربان ہونے کا یہ تصور ویسا ہی ہے جیسا کہ پال کاہن (Paul Kahn) کہتا ہے: "زندگی اور موت کا اختیار صرف اور صرف سیاسی طاقت (یعنی ریاست) کے پاس ہے، حقیقی سیاسی عمل[14] اس وقت مکمل ہوتا ہے جب شہری ریاست کی خاطر قتل کرنے اور قتل ہونے پر تیار ہوتا ہے۔ لہٰذا جدید ریاست حقیقی معنوں میں اس وقت ہی کامل ہوتی ہے جب یہ اپنے شہری (Citizen) سے قربانی طلب کرے اور شہری اس کے لیے قربانی دینے پر تیار ہوجائے۔ اس طرح شہریت کا مفہوم جائے پیدائش سے کامل نہیں ہوتا، بلکہ اس کی تکمیل شہریوں میں ریاست کی خاطر قربانی کے اس جذبے سے ہوتی ہے"۔[15] ریاست کے لیے قربانی کا یہ جذبہ شہریوں میں قوم پرستی (Nationalism)، ڈسپلن اور تعلیم کے مسلسل پراپیگنڈے کے ذریعے اتارا جاتا ہے۔ جس کے لیے ابتدائی عمر سے ہی تعلیمی اداروں اور میڈیا کے ذریعے ہمہ وقت پراپیگنڈے سے شہریوں میں قومی یا ریاستی شعائر کی تعظیم اور وطن پر قربان ہونے کے جذبات انڈیلے جاتے ہیں۔

خلاصۂ کلام

جدید قومی ریاست (State) بحیثیت ادارہ دراصل یورپ کے مخصوص حالات میں وجود میں آنے والی سیاسی صف بندی کی شکل ہے جو تحریک نشاۃ ثانیہ (Renaissance) سے تحریک تنویر (Enlightenment Movement) کے عرصے میں رونما ہونے والے متعدد عوامل کے نتیجے میں وجود پذیر ہوئی۔ اپنی اصل کے اعتبار سے ریاست یورپ میں کلیسا اور بادشاہتوں کی باہمی چپقلش، کلیسا کے جبر اور نااہلی کے ردعمل میں مذہب وحکومت کی مکمل جدائی اور خدا کی بجائے انسانی حاکمیت کی مظہر سیاسی اجتماعیت ہے۔ بلکہ اگر کہا جائے کہ ریاست کا خمیر ہی سیکولرازم سے اٹھا ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ اپنی صفتِ حاکمیت (Sovereignty) کے اعتبار سے ریاست ایک خالص الحادی وجود ہے۔

ریاست اگر کلمہ پڑھ کر اسلام کا لبادہ اوڑھ لے تو اس نام نہاد 'اسلامی ریاست' کا نفاذِ اسلام بھی اپنی اصل میں حاکمیتِ الٰہیہ کے سامنے سرِتسلیم خم کرنا نہیں بلکہ ارادۂ عمومی (Collective Will) کا مظہر ہی رہے گا۔ (بقیہ صفحہ نمبر 45 پر)

[12] Hallaq, Impossible State, 30-31

[13] ایضاً، 32-34

[14] یعنی شہری میں ریاستی شناخت کا راسخ ہونا

[15] Kahn, Putting Liberalism, 238–239.

فکر و منہج

چوتھی قسط

کفار کا معاشی بائیکاٹ

اسلامی بائیکاٹ جدید جنگ کے تناظر میں

اسلام کے خلاف جاری عالمی صہیونی جنگ کے تناظر میں اسلامی مقاطعہ کو سمجھنا، نافذ کرنا اور اس کی طرف دعوت دینا

محمد ابراہیم لَڈوِک

محمد ابراہیم لَڈوِک (زید مجدہ) ایک نو مسلم عالمِ دین ہیں جنھوں نے عالَمِ عرب کی کئی جامعات میں علمِ دین حاصل کیا۔ موصوف نے کفر کے نظام اور اس کی چالوں کو خود اسی کفری معاشرے اور نظام میں رہتے ہوئے دیکھا اور اسے باطل جانا، ثم ایمان سے مشرف ہوئے اور علمِ دین حاصل کیا اور حق کو علی وجہ البصیرۃ جانا، سمجھا اور قبول کیا، پھر اسی حق کے داعی بن گئے اور عالَمِ کفر سے نبرد آزما مجاہدین کے حامی اور بھرپور دفاع کرنے والے بھی بن گئے (نحسبه كذلك والله حسيبه ولا نزكي على الله أحدا)۔ انہی کے الفاظ میں: 'میرا نام محمد ابراہیم لَڈوِک ہے (پیدائشی طور پر الیگزانڈر نیکولئی لڈوک)۔ میں امریکہ میں پیدا ہوا اور میں نے علومِ تاریخ، تنقیدی ادب، علمِ تہذیب، تقابلِ ادیان، فلسفۂ سیاست، فلسفۂ بعد از نو آبادیاتی نظام، اقتصادیات، اور سیاسی اقتصادیات امریکہ اور جرمنی میں پڑھے۔ یہ علوم پڑھنے کے دوران میں نے ان اقتصادی اور معاشرتی مسائل پر تحقیق کی جو دنیا کو متاثر کیے ہوئے ہیں اور اسی دوران اس نتیجے پر پہنچا کہ اسلام ایک سیاسی اور اقتصادی نظام ہے جو حقیقتاً اور بہترین انداز سے ان مسائل کا حل لیے ہوئے ہے اور یوں میں رمضان ۱۴۳۳ھ میں مسلمان ہو گیا'، اللہ پاک ہمیں اور ہمارے بھائی محمد ابراہیم لڈوک کو استقامت علی الحق عطا فرمائے، آمین۔ جدید سرمایہ دارانہ نظام، سیکولر ازم، جمہوریت، اقامتِ دین و خلافت کی اہمیت و فرضیت اور دیگر موضوعات پر آپ کی تحریرات لائقِ استفادہ ہیں۔ مجلہ 'نوائے غزوۂ ہند' شیخ محمد ابراہیم لَڈوِک (حفظہ اللہ) کی انگریزی تالیف 'Islamic Boycotts in the Context of Modern War' کا اردو ترجمہ پیش کر رہا ہے۔ (ادارہ)

بائیکاٹ کا طریقۂ کار

بائیکاٹ کی فرضیت اور اہمیت سمجھ لینے کے بعد اب اس کے عملی نفاذ کے طریقۂ کار کی طرف بڑھتے ہیں۔ ہر عبادت کی طرح، یہاں بھی پہلا قدم نیت کی اصلاح ہے:

اعادۂ نیت: بائیکاٹ معاشی جنگ کا حصہ ہیں

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

> إن الله عزوجل لا يقبل من العمل إلا ماكان له خالصا وابتغي به وجهه۔[1]
>
> ”بیشک اللہ عزوجل صرف وہی عمل قبول کرتا ہے جو اسی کے لیے خالص ہو اور اس کی ذات کی تلاش کے لیے کیا گیا ہو۔“

مزید فرمایا:

> إنما الأعمال بالنيات[2]
>
> ”اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔“

خالص اللہ عزوجل کی رضا کی خاطر بائیکاٹ کے لیے نیت کی اصلاح کے ساتھ ساتھ بائیکاٹ کی حقیقت اور اس کے مقاصد کو سمجھنا بھی مددگار ثابت ہو گا۔ بائیکاٹ معاشی جنگ کے ہتھیاروں میں سے ایک ہتھیار ہے، اور معاشی جنگ مکمل جنگ کا صرف ایک پہلو ہے، جس میں انٹیلی جنس جنگ، نفسیاتی جنگ، سیاسی جنگ، براہ راست جنگ اور الیکٹرانک جنگ وغیرہ شامل ہیں۔ کسی بھی جنگی مہم کو ایک ہتھیار کے استعمال تک محدود کر دینا انتاہی مضحکہ خیز عمل ہے کہ جیسے کوئی شخص صرف ہتھوڑے کے ذریعے مکان تعمیر کرنے کی کوشش کرے اور دیگر اوزاروں کے استعمال سے انکاری رہے۔

اس دور میں بائیکاٹ کفار کی منظورِ نظر غیر متشدد طرز کی مزاحمت کا ذریعہ بن چکے ہیں۔ جو مسلمان بھی بائیکاٹ کا حصہ بننا چاہیں، ان کو چاہیے کہ وہ خود کو اس قسم کی سوچ سے آزاد رکھیں۔ اللہ عزوجل اپنی کتاب میں فرماتے ہیں:

> وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ (سورۃ البقرۃ: ۱۲۰)
>
> ”اور یہود و نصاریٰ تم سے اس وقت تک ہرگز راضی نہیں ہوں گے جب تک تم ان کے مذہب کی پیروی نہیں کرو گے۔“

یقیناً یہود و نصاریٰ اسی مسلمان سے خوش ہوتے ہیں جو ان کے لیے اپنی مزاحمت کو پُر امن مظاہروں اور بائیکاٹ تک محدود رکھے۔ عدمِ تشدد کا یہ فلسفہ، گاندھی (کفار کا جدید پیشوا) کی پیروی میں، جمہوریت کے مذہبِ جدیدہ کا ایک بنیادی اصول ہے۔ خلیج کے بعض نمایاں منافقین اس بات کا برملا اظہار کر چکے ہیں کہ فلسطینیوں کو اپنے حقوق کی جدوجہد کے لیے پُر امن ذرائع کا انتخاب کرنا چاہیے۔

جو مسلمان بائیکاٹ میں حصہ لیتے ہیں، ان کو چاہیے کہ وہ ان نظریات کو مسترد کریں۔ ”ہم اپنے ڈالروں سے ووٹ (حمایت) نہ دیں گے۔“، جیسا کہ مغرب میں بعض لوگ کہتے ہیں۔ بلکہ ہمارے اہداف واضح ہیں:

۱. دشمن ریاستوں (خصوصاً قابض صہیونی اور امریکی ریاست) کی مسلم علاقوں پر قبضے اور لوٹ مار کی معاشی صلاحیت اور سیاسی عزم کو ختم کرنا۔
۲. ان وسائل کی ترسیل میں رکاوٹ ڈالنا جو کفار کی جنگی مہمات کو سہارا دیتے ہیں۔
۳. ان منافق و مرتد حکومتوں کا خاتمہ جو کفار کی آشیر باد سے مسلم علاقوں پر مسلط ہیں۔
۴. مسلم علاقوں کو کفار پر معاشی انحصار سے آزادی دلانا۔

---

[1] السلسلة الصحيحة ۔ ۲۲۱۷

[2] صحیح البخاری

۵. کفار کے تباہ کن ثقافتی اثرات کو ختم کر کے اس کی جگہ اسلامی شناخت کو زندہ کرنا۔

نیت کے درست ہونے سے ایک ادنیٰ سا عمل بھی اجر کا باعث بن سکتا ہے۔ اگر کوئی مسلمان پیسہ کمانے کی نیت سے محنت کرتا ہے تو اس کو حاصل ہو جائے گا جس کی اس نے محنت کی، یعنی پیسہ، لیکن اگر وہ اس نیت سے محنت کرے کہ اس پیسے سے ضروریاتِ زندگی کے حصول کے بعد زیادہ بہتر طور پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت کر سکے گا، اہل وعیال کے حقوق جن کا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے حکم بھی ہے کو زیادہ خوش اسلوبی سے ادا کر سکے گا، اور مزید یہ کہ امت مسلمہ کو فائدہ پہنچا سکے گا، تو اس کا یہی عمل عبادت بن جائے گا جس پر ان شاء اللہ عند اللہ ماجور ہو گا۔

یہی معاملہ بائیکاٹ کا بھی ہے۔ اگر ہم اس کو محض قومی آزادی کی جدوجہد کے طور پر لیں تو اس کا زیادہ سے زیادہ نتیجہ صرف ایک قوم کی آزادی کی صورت میں نکل سکتا ہے لیکن اگر یہی کام ہم اس نیت سے کریں کہ اس سے اپنے مومن بھائیوں اور بہنوں کی مدد کے خدائی حکم کی تعمیل ہو گی اور یہ کفار کے خلاف ہماری جدوجہد ہو گی، تو اس پر ہم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے اجر کے مستحق ٹھہریں گے۔

نیت کے درست ہونے کے اس کے علاوہ بھی کئی فوائد ہیں۔ کسی بھی کام کے پایہ تکمیل تک پہنچنے کے زیادہ امکانات ہوتے ہیں اگر اس کے بارے میں ذہن صاف ہو۔ اگر ہم یہ سمجھ لیں کہ بائیکاٹ کس طرح بڑے مقاصد کے حصول میں معاون ثابت ہو سکتے ہیں، تو ہمارے بائیکاٹ کو جاری رکھنے اور اس کی شدت کو بڑھانے کے عزم میں مزید اضافہ ہو گا۔

اگر ہم بائیکاٹ کو ایک جنگی چال کے طور پر دیکھنا شروع کریں تو یہ ہماری سوچ کو بدل سکتا ہے۔ فی الحال مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد کفار کے ساتھ تعلق کو دوطرفہ مفادات کا تعلق سمجھتے ہیں جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ ہمارے تعلقات غیر متوازن اور یکطرفہ استحصال پر مبنی ہیں اور یہی عدم توازن ان کفار کی طاقت کا منبع بھی ہے۔ شعوری بائیکاٹ اس ناانصافی کی یاددہانی بھی ہے اور اس کو درست کرنے کی سمت اقدام بھی۔

ترجیحات کا تعین

آج جب ہم بائیکاٹ کے عملی نفاذ کی بات کرتے ہیں تو کئی طرح کے چیلنجز ہمارے سامنے آتے ہیں۔ ذہنی اور مادی غلامی اس حد تک بڑھ چکی ہے کہ دشمنانِ اسلام کی مصنوعات پر انحصار تقریباً ناگزیر ہو چکا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ترجیحات کا تعین کیا جائے۔ یہ اس فقہی اصول کے بھی عین مطابق ہے کہ:

إذا تزاحمت المفاسد والضطر إلى فعل أحدها قدم الأخف منها۔

"جب دو برائیاں آمنے سامنے ہوں، اور ایک کو اختیار کرنا ناگزیر ہو، تو کم تر برائی کو ترجیح دی جائے گی۔"

ہماری موجودہ حالت میں، یہ ناممکن ہے کہ ہر اس چیز کا بائیکاٹ کیا جا سکے جو بائیکاٹ کے لائق ہے۔ کئی صورتوں میں یہ کوشش فائدے کے بجائے نقصان کا باعث بن سکتی ہے۔ اس لیے بائیکاٹ سے مراد عموماً دو میں سے کمتر برائی کا انتخاب ہو گا۔

بائیکاٹ کے دوران اکثر مسلمان ان کمپنیوں کو نشانہ بناتے ہیں جو فلسطین پر صہیونی قبضے کی کھلے عام حمایت کرتی ہیں۔ یہ بڑا محدود اثر رکھتا ہے۔ بلکہ بائیکاٹ کا اصل مقصد تو، اول، دولت کے ان ذرائع کو ختم کرنا جو ہمارے مظلوم بہن بھائیوں پر ہونے والے ظلم کے لیے ایندھن کا کردار ادا کر رہے ہیں، دوم، اللہ کے کلمے کی سربلندی کا اظہار کرنا ہے۔ اور یہ مقاصد محض اپنے زیرِ استعمال مشروبات کے برینڈ بدل لینے سے حاصل نہیں ہوں گے۔

صہیونیوں کے زیرِ تسلط اس موجودہ عالمی نظام کے تمام پہلو بشمول مالیاتی ادارے، تعلیمی نظام، صنعتیں، تجارت، سب باہم مربوط ہیں اور اکثر اقوام اور ادارے اس نظام کا حصہ ہیں۔ لہٰذا بائیکاٹ کا ہدف انفرادی ممالک یا اداروں سے بڑھ کر اس پورے عالمی دجالی نظام کو بنانا چاہیے کہ یہ ممالک اور ادارے تو صرف اس کے پرزے ہیں۔

صہیونیوں کے زیرِ تسلط عالمی مالیاتی نظام

دنیا کے معاشی نظام پر اپنی برتری قائم کرنا وہ سب سے مؤثر ہتھیار ہے جس کے ذریعے صہیونی اور ان کے اتحادی دنیا کی اکثر اقوام پر اپنا اثر و رسوخ اور تسلط قائم رکھے ہوئے ہیں۔ جب تک مسلمان خود کو اس نظام سے الگ نہیں کرتے اور اس کا مقابلہ نہیں کرتے، اس وقت تک وہ کفار کی غلامی سے آزادی حاصل نہیں کر سکیں گے۔

اس سے پہلے کہ اس نظام سے نکلا اور اس کا مقابلہ کیا جائے، اس کی حقیقت جان لینا ضروری ہے۔ مختصراً، یہ نظام ایسے اداروں پر مشتمل ہے جو افراد اور تنظیموں کے مابین معاشی تعلقات کو قابو میں رکھتے ہیں۔ جو ان اداروں کی چودھراہٹ کے آگے سر تسلیم خم کر دیں، ان کو نوازا جاتا ہے اور جو انکار کریں ان کو سزا دی جاتی ہے۔ ان اداروں میں مرکزی بینک، ترقیاتی بینک، سٹاک ایکسچینج، بینکوں کے مابین لین دین کے نیٹ ورکس، فارن ایکسچینج، انشورنس کمپنیاں، کریڈٹ ریٹنگ ایجنسیاں، اور اقوام متحدہ کا ادارہ وغیرہ شامل ہیں۔ اس نظام میں وہ تمام ادارے بھی شامل ہیں جو ان تنظیموں کے ساتھ منسلک ہیں اور ان کے ضوابط کو مانتے ہیں، چاہے وہ قومی حکومتیں ہوں یا کارپوریٹ کمپنیاں۔ یہ تمام ادارے مل کر ایک طرح کا "مالیاتی اتحاد" قائم کیے ہوئے ہیں، جہاں سب کو ایک دوسرے کی پشت پناہی حاصل ہوتی ہے۔

پیپسی اور کوکا کولا بظاہر ایک دوسرے کے حریف دکھائی دیتی ہیں، لیکن یہ دونوں کمپنیاں اپنی رقوم بینکوں میں رکھتی ہیں، اور یہ بینک اِنٹر بینک لینڈنگ مارکیٹ یعنی بینکوں کے مابین لین دین کی مارکیٹ میں ایک دوسرے کو قرض دیتے ہیں۔ مثلاً پیپسی کے بینک کو اگر کسی وقت سرمایا درکار ہو تو کوکا کولا کا بینک اسے قرض دے کر اس کی مدد کر سکتا ہے۔ اور دیگر صورتوں میں پیپسی کا بینک کوکا کولا کے بینک کو قرض دے سکتا ہے۔ اسی طرح اگر انڈونیشیا کا

مرکزی بینک مالی بحران کا شکار ہو جائے تو دیگر ممالک اور عالمی مالیاتی اداروں جیسے آئی ایم ایف یا بی آئی ایس "بینک فار انٹرنیشنل سیٹلمنٹ" کے ذریعے سرمایہ فراہم کر کے اس کی مدد کریں گے۔

اگر کوئی فرد، کمپنی، یا ملک اس نظام کے اصولوں کو ماننے سے انکار کر دے تو اس کو سزا دی جاتی ہے۔ یہ سزائیں سرمائے، وسائل اور عالمی مارکیٹوں تک رسائی محدود کرنے، کریڈٹ ریٹنگ گرانے، سرکاری جرمانے اور کالعدم قرار دیے جانے کی صورت میں دی جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ بعض خفیہ ذرائع کا استعمال بھی کیا جاتا ہے، جیسے کسی کمپنی کے حصص یا کسی کرنسی پر مفروضی حملے کرنا۔ مفروضی حملہ یعنی کسی کرنسی یا کمپنی کے حصص کو کثیر تعداد میں خریدنا اور پھر یکدم فروخت کر دینا تا کہ لوگوں میں خوف پیدا ہو، قیمتیں گر جائیں، اور افراتفری پھیل جائے۔

اس طرح، جو افراد (یعنی بینکر حضرات) دنیا میں پیسے کی ترسیل پر قدرت رکھتے ہیں وہ ملکی معیشتوں اور بالآخر پورے عالمی صہیونی معاشی نظام کے ساتھ چھیڑ چھاڑ اور اس کو قابو میں رکھ سکتے ہیں۔ اگر بائیکاٹ کی وجہ سے کسی ایک ملک یا کمپنی کو نقصان اٹھانا پڑ جائے، تو صہیونی اور ان کے غلام و اتحادی دوسرے ممالک یا کمپنیوں سے وسائل جھونک کر اس خلا کو پر کر سکتے ہیں۔ یہ پورا نظام ایک جسم کی مانند ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ اس کو اسی طور سے دیکھا جائے۔ صرف قابض صہیونیوں، امریکیوں، یا دیگر کچھ کمپنیوں پر توجہ مرکوز رکھنا ایسے ہی ہے جیسے دوران لڑائی دشمن کے صرف بازوؤں یا ٹانگوں پر وار کیا جائے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ (سورۃ التوبۃ:۳۶)

"اور تم سب مل کر مشرکوں سے اسی طرح لڑو جیسے وہ سب تم سے لڑتے ہیں، اور یقین رکھو کہ اللہ متقی لوگوں کے ساتھ ہے۔"

بائیکاٹ کو زیادہ سے زیادہ مؤثر بنانے کے لیے ضروری ہے کہ اس پورے عالمی صہیونی معاشی نظام اور اس سے جڑے ہر فرد یا ادارے کو نشانہ بنایا جائے، جیسے کفار ہر اس شے یا فرد کا "قوت" سے بائیکاٹ کرتے ہیں جو کسی بھی طرح شریعت و قیام خلافت کی جدوجہد سے تعلق رکھتا ہو۔

مزید وضاحت کے لیے، ایک عام مثال کو لے لیجیے۔ ایک مسلمان Danone دہی (مغربی برینڈ) کا بائیکاٹ کرتا ہے اور اس کی جگہ Almarai (ایک سعودی کمپنی) کا دہی خریدنا شروع کرتا ہے۔ اب بظاہر تو یہ ٹھیک معلوم ہوتا ہے کہ اس دہی کی خریداری سے رقم اب مغرب کے بجائے ایک سعودی کاروبار کو جائے گی (جو کہ صہیونیوں کو اسلحہ فراہم نہیں کرتی)۔ مگر، درحقیقت Almarai امریکہ میں زمینیں رکھتی ہے جہاں وہ اپنے جانوروں کے لیے چارہ کاشت کرتی ہے۔ خودکار دودھ دوہنے والی مشینیں بھی انہی ممالک سے آتی ہیں جو صہیونیوں کے مددگار ہیں۔ یہ کمپنیاں بینک اکاؤنٹ اور انشورنس کا استعمال بھی کرتی ہیں، اور جو رقوم ان اکاؤنٹس میں جاتی ہیں وہ اسی عالمی صہیونی معاشی نظام کا حصہ بن جاتی ہیں۔

مسلم ممالک میں موجود ان تمام کمپنیوں کے مالکان کا طرزِ زندگی بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ وہ مغرب سے خریدی گئیں مہنگی گاڑیوں اور نجی جہازوں میں سفر کرتے ہیں۔ ان کے محلات میں سارا سامانِ آرائش مغرب سے درآمد ہوتا ہے۔ ان کی جائیدادیں یورپ و مشرقی امریکہ میں ہوتی ہیں۔ یہ اپنے بچوں کو تعلیم کے لیے یورپ و امریکہ کی مہنگی نجی یونیورسٹیوں میں بھیجتے ہیں۔ ان کا ذاتی سرمایہ یورپ اور امریکہ کے بینکوں میں رہتا ہے، جس سے ان معاشروں میں رقم کی فراہمی مستحکم ہوتی ہے اور یہ سب اس معاشی نظام کی مضبوطی کا باعث بنتا ہے۔

حتیٰ کہ اگر یہ اپنی دولت کا ایک بڑا حصہ مسلمان ممالک میں رکھیں تب بھی ہوتا یہ ہے کہ یہ حکومت کو ٹیکس دیتے ہیں، حکومت ان ٹیکس کے پیسوں سے مغربی ممالک سے اسلحہ کی خریداری کرتی ہے، ترقیاتی منصوبوں کے لیے مغربی مشاورتی اداروں کی خدمات حاصل کرتی ہے اور زرمبادلہ کے ذخائر جو کہ زیادہ تر ڈالروں اور یورو کی شکل میں ہوتے ہیں، کو بڑھانے کی تگ و دو کرتی ہے۔ زرمبادلہ کے ذخائر قومی کرنسی کو مستحکم کرتے ہیں۔ سعودی عرب کا مرکزی بینک اپنی کرنسی کو امریکی ڈالر کے ساتھ منسلک رکھتا ہے، اس کے لیے اسے بڑے پیمانے پر ڈالر خریدنے پڑتے ہیں۔ جب سعودی ریال کی قیمت گرتی ہے تو بینک امریکی ڈالروں کے عوض کھلی منڈی (اوپن مارکیٹ) سے سعودی ریال خرید لیتا ہے تا کہ ریال کی قیمت برقرار رکھی جا سکے۔ ڈالرز کی یوں خریداری سے امریکی مالیاتی نظام کو تقویت ملتی ہے جو امریکہ اور اس کی معیشت کی طاقت کا باعث ہے۔ یہ وہی معیشت ہے جس پر قابض صہیونی کی بقا منحصر ہے۔

دنیا کا تقریباً ہر ملک ہی اس نظام میں جکڑا ہوا ہے۔ صدام حسین اور معمر قذافی کا قتل بھی اسی نظام کے اصولوں کی پاسداری سے انکار کی پاداش میں تھا۔ جیسا کہ ایران، جنوبی کوریا اور روس کی بین الاقوامی تنہائی بھی اسی سے جڑی ہوئی ہے۔ یہ نظام بیشتر دنیا کو اپنا غلام بنا چکا ہے، جو اس کے خلاف بھی کھڑے ہیں وہ بھی اسی کے سائے میں جی رہے ہیں۔

اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہے کہ Danone کا بائیکاٹ اور Almarai کی خریداری بالکل بے فائدہ ہے، بلکہ اس سے بائیکاٹ کے کئی فوائد حاصل بھی کیے جا سکتے ہیں۔ تاہم، اس سے کہیں زیادہ فائدہ تب حاصل ہو گا جب ہم اس نظام کے خلاف جدوجہد کریں اور مکمل طور پر اس سے آزاد ہونے کی کوشش کریں۔ لیکن اگر یہ نظام اتنا ہی ہمہ گیر اور غالب ہے، تو ہم اس کو للکارنے کی یا اس سے نکلنے کی امید کیسے رکھ سکتے ہیں؟

☆☆☆☆☆

مع الأستاذ فاروق

معین الدین شامی

عفان غنی شہید رحمۃ اللہ علیہ [۲]

الحمد لله وكفى والصلاة والسلام على أشرف الأنبياء.
اللّهم وفقني كما تحب وترضى والطف بنا في تيسير كل عسير فإن تيسير كل عسير عليك يسير، آمين!

ریحان بھائی، فاروق بھائی کو مع اہلِ خانہ و سامانِ خانہ لے کر کسی اور سمت چلے گئے اور مجھے، وہیں نوا اڈہ کے اس ہوٹل میں چھوڑ دیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ فاروق بھائی نے جس نئے علاقے میں جانا تھا وہاں امریکی ڈرون طیاروں کی پروازوں کے سبب فاروق بھائی نہ جا سکے تھے اور نتیجتاً فاروق بھائی شمالی وزیرستان کے علاقے خڑ کمر کے پاس ڈوگہ نامی گاؤں کی اسی پرانی جگہ پر دوبارہ چلے گئے تھے۔ فاروق بھائی کو چھوڑنے کے بعد ریحان بھائی دوبارہ نوا اڈہ کے اس ہوٹل میں آ گئے۔ اس ہوٹل میں چند دن ہم دونوں کا اکٹھے قیام رہا۔ حالانکہ ریحان بھائی سے یاری دوستی کو اب ایک زمانہ ہو چلا تھا لیکن پہلی بار باتوں باتوں میں مجھے معلوم ہوا کہ ریحان بھائی فاروق بھائی کے خالہ زاد بھائی ہیں۔ میں نے بڑی حیرت سے ان سے پوچھا کہ کیا آپ واقعی فاروق بھائی کی خالہ کے بیٹے ہیں؟ تو وہ کہنے لگے ہاں۔

فاروق بھائی کی زندگی کے حوالے سے یہ پہلو بڑا اہم ہے۔ خود میں فاروق بھائی کے ساتھ اب تک کئی مہ و سال گزار چکا تھا لیکن کبھی فاروق بھائی کے تعامل سے یہ معلوم نہ ہوا کہ ریحان بھائی ان کے رشتے دار ہیں، ریحان بھائی سے دوستی تھی لیکن انہوں نے بھی کبھی اس کا اظہار نہیں کیا۔ یعنی فاروق بھائی جو امیر تھے ان کی جانب سے اپنے اس رشتے دار کے لیے کوئی امتیاز عطا نہیں کیا گیا تھا۔ دوسری بات امنیت بھی ہے کہ ایک مجھ جیسا فرد قریب رہ کر بھی کبھی یہ جان نہ سکا تھا کہ ان کی آپس میں کوئی رشتہ داری بھی ہے۔

یہاں امنیت (اہتمامِ سکیورٹی اور رازداری) سے متعلق ایک اور لطیف واقعہ بھی قابلِ بیان ہے۔ چند روز بعد میری فاروق بھائی سے پھر ملاقات ہوئی، اس ملاقات میں سرِ راہ ریحان بھائی کا ذکر آیا تو میں نے حیرت و تعجب سے فاروق بھائی کو کہا کہ مجھے تو پتہ ہی نہیں تھا کہ ریحان بھائی آپ کے رشتے دار ہیں۔ بعد میں فاروق بھائی اور ریحان بھائی کی ملاقات ہوئی تو ریحان بھائی نے فاروق بھائی کو کہا کہ آپ کو پتہ ہے کہ 'معین الدین نیچے (پاکستان کے شہری علاقوں) سے آیا ہے اور اس نے دوبارہ بھی ابھی اسی نیچے کی تشکیل پر جانا ہے تو آپ کیوں اس کو لے کر اپنے مائز روالے گھر گئے؟'، فاروق بھائی نے اپنے سہو کو تسلیم کیا کہ جس ساتھی نے نیچے دوبارہ جانا ہو تو اس کو اپنے مرکزی ٹھکانے نہیں دکھانے چاہییں۔ پھر ساتھ میں فاروق بھائی نے ریحان بھائی کو کہا کہ میں نے تو جو غلطی کی سو کی آپ نے کیوں اس کے سامنے اظہار کیا کہ آپ میری خالہ کے بیٹے ہیں؟ ریحان بھائی کہتے ہیں کہ فاروق بھائی نے میرے نہلے پر دہلا مارا اور میں خاموش ہو گیا۔

امنیت محض چند تدابیر کا نام نہیں، یہ ہوشیار، چوکنے رہنے والے ایک مزاج کا نام ہے اور امنیت کے لیے سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو حالتِ جنگ میں سمجھے، چاہے وہ اپنے اہل و عیال اور شہروں کی روشنائیوں اور ہنگاموں میں ہی کیوں نہ بس رہا ہو۔ اگر وہ اپنے آپ کو حالتِ جنگ میں محسوس کرے گا تو امنیت کے لیے اس کا ذہن حالتِ منام میں بھی بیدار رہے گا۔ امنیت فاروق بھائی رحمہ اللہ کے مزاج کا ایک اساسی پہلو تھی۔ ماضی کی محافلِ استاذ میں بھی یہ پہلو بیان ہوتا رہا ہے اور ان شاء اللہ آئندہ کی محافل میں بھی بخیر اس کا ذکر آئے گا خصوصاً وزیرستان کے آخری آخری زمانے کے ایام کے ذکر میں۔

نوا اڈہ میں ہوٹل کے مالک اور ملازمین کو ریحان بھائی نے میرا یہ تعارف کروایا کہ یہ میرا چھوٹا بھائی ہے اور اسی طرح کی محبت ہمیشہ ریحان بھائی نے مجھے دی۔ کئی روز ہم اکٹھے تھے، عالمی سیاست سے فاروق بھائی کے مجموعے کے امور تک سیر حاصل گپ لگی۔ یہیں سے پھر ایک دن ہم دونوں لواڑہ کی طرف روانہ ہو گئے جہاں ہمارا اعلام کا مرکز تھا، وہ مرکز جو ۲۰۱۰ء تا ۲۰۱۴ء مستقل آباد رہا، ہماری جماعت و قبل از جماعت کی تاریخ میں اعلام کا مستقل ایک جگہ پر سب سے طویل عرصہ رہنے والا مرکز۔

ہم مرکزِ اعلام پہنچے جہاں داود غوری بھائی اور بھائی عمر یوسف موجود تھے۔ ہم نے وہاں ایک دو دن گزارے اور اس کے بعد دوبارہ ڈوگہ پہنچے۔ اگلی محفلِ استاذ کو ان شاء اللہ گزشتہ محفل میں بیان کردہ سفر مائز اور یہیں ڈوگہ میں فاروق بھائی سے ملاقات سے شروع کروں گا۔ ابھی چیدہ چیدہ ریحان بھائی کی زندگی کے چند واقعات بیان کرتا ہوں۔

وزیرستان کے آخری ایک دو سالوں میں ریحان بھائی مستقل مرکزی تنظیم القاعدہ کے عرب مشائخ کی خدمت و انتظام میں مصروف تھے۔ فاروق بھائی نے وزیرستان میں قیام کے آخری چھ ماہ اپنی زندگی کا ایک ہی مشن بنایا ہوا تھا، ساتھیوں، القاعدہ بِرّ صغیر اور اس سے بھی بڑھ کر مرکزی تنظیم کے مشائخ و ذمہ داران کی وزیرستان سے باہر محفوظ منتقلی۔ اس کے لیے فاروق بھائی نے اپنے آپ کو وقف کر رکھا تھا۔ پھر جو ساتھی فاروق بھائی کے ساتھ ان ایام میں تھے تو ان ساتھیوں کا بھی یہی وظیفہ تھا۔

ریحان بھائی نے بھی اس خدمت میں اپنے آپ کو بالکل ہلکان کر ڈالا تھا۔ انتھک محنت تھی، دشمن کا مستقل خطرہ تھا اور ساتھ میں نیند کی کمی۔ ایک دن ریحان بھائی اسی طرح کی حالت میں وزیرستان کے علاقے شوال کی ایک مسجد میں نمازِ با جماعت کے لیے کھڑے ہوئے اور

کھڑے کھڑے بے ہوش ہو گئے اور اگلے ہی لمحے دھڑام زمین پر منہ کے بل گر گئے۔ ریحان بھائی کا چہرہ زمین پر جا کر لگا اور بعد میں چوٹ کی شدت کے سبب سخت سوج گیا۔

بس انہی ایام میں کم و بیش ایک ماہ بعد فاروق بھائی کی شہادت ہو گئی اور ریحان بھائی آئندہ دو تین ماہ تک وزیرستان سے نکل نہ پائے۔ اس کے بعد ریحان بھائی کے ساتھ افغانستان کے صوبے پکتیکا کے علاقے گومل میں چند دن اکٹھے گزارنے کا موقع ملا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب حضرت امیر المومنین ملا عمر (نوّر اللہ مرقدہ) کی وفات کی خبر افشا ہوئی تھی۔ ریحان بھائی سے اس زمانے میں میرا جو ایک مکالمہ ہوا تو پہلے وہ مع الأستاذ کی ایک نشست[1] میں گزر چکا ہے۔

ریحان بھائی نے افغانستان کے بہت سے محاذوں اور جہادی مراکز میں زندگی گزاری لیکن بُعدِ زمینی بہت تھا اور حالات کے سبب خط و کتابت کا بھی کوئی خاص سلسلہ نہ تھا، باقی عمومی خیریت کی خبر مل ہی جایا کرتی تھی۔ پھر ۲۰۱۷ء میں تقریباً ڈیڑھ سال کے بعد میری ریحان بھائی سے ملاقات ہوئی اور کوئی دس بارہ دن ہم اکٹھے ہی رہے۔ یہ ملاقات اتنے زمانے بعد ہوئی تھی کہ پہلے چند دن تو ہم پرانے واقعات ہی سننے سنانے میں لگے رہے۔ ریحان بھائی کو میں نے اپنی شادی کی خبر بھی انتہائی راز داری کے ساتھ دی، راز داری اس لیے کہ ہمارا واسطہ امریکہ کے بعد، امریکہ کے پالتو ایک ایسے خسیس دشمن سے تھا جو کفر کے شاہ امریکہ سے وفاداری میں شاہ سے بڑھ کر شاہ کا وفادار ہے، یعنی پاکستان فوج اور اس کے خفیہ ادارے خصوصاً آئی ایس آئی۔ وہ طاغوتی ادارے جن کے شر سے ان کے کسی مخالف کی جان، عزت و ناموس اور اموال محفوظ نہیں۔ پھر بعد میں ہوا بھی یہی کہ جب راقم کو اللہ جل جلالہ نے اپنے کرمِ خاص سے ۲۰۱۸ء میں آئی ایس آئی اور پاکستان فوج کے مشترکہ چھاپے سے محفوظ فرمایا اور ان دشمنوں کو میری شہروں میں موجودگی اور شادی کی اطلاع ملی تو انہوں نے میرے اہلِ خاندان میں سے انتہائی قریبی اعزاء میں سے پانچ افراد کو بشمول خواتین گرفتار کیا، ہمارے گھروں میں اوباشوں کی مانند گھسے، پردہ و چادر کو پامال کیا، بزرگوں کو ذلیل کیا اور بچوں کو رسوا کیا۔

جو راقم کے ساتھ ہوا تو یہ تو ان اداروں کے ظلم و بربریت کی انتہائی ادنیٰ جھلک ہے، ورنہ خود فاروق بھائی رحمہ اللہ سے ۲۰۱۱ء میں ایک دورۂ شرعیہ کی مجلس میں راقم نے سنا کہ آئی ایس آئی کے غنڈوں نے ایک قیدی مجاہد ساتھی کے سامنے اس کی بیوی کی عزت پامال کی (ریپ کیا)، اسی واقعے کے دوران یہ مجاہد ساتھی اپنے اعصاب کھو بیٹھا اور پاگل ہو گیا۔ ان ذلیل و کمینے دشمنوں کا انجام عنقریب وہی ہو گا جو لیبیا میں قذافی کا ہوا اور منتقم رب کے یہاں تو ان کی جرائم لکھے جا ہی رہے ہیں، باذن اللہ! امریکہ کے وفاداروں کے لیے جہنم کی خوش خبری ہے اور وہ بڑا برا ٹھکانہ ہے!

۲۰۱۷ء ہی میں ریحان بھائی کی شادی مصعب بھائی کی ایک بڑی ہمشیرہ اور حافظ سعد شہید و شہید قتادہ بھائی رحمہما اللہ کی بیوہ سے ہو گئی۔ ریحان بھائی نے یہ زمانہ افغانستان کے صوبہ وردگ میں گزارا اور پھر ۲۰۱۸ء کے نصفِ آخر میں ارزگان اور پھر ارزگان سے ہلمند کی طرف منتقل ہو گئے۔

مع اہلِ خانہ صوبہ ارزگان میں راقم ریحان بھائی کا قریباً دو ہفتے مہمان رہا۔ ہمارے ساتھیوں کے لیے یہ زمانہ شدید مالی تنگی کا زمانہ تھا، ایک فقر تھا جو عموماً تنظیم سے وابستہ سبھی ساتھیوں پر مسلط تھا، اللہ پاک اس آزمائش کے اجر سے کسی کو بھی محروم نہ فرمائے۔ ریحان بھائی رحمہ اللہ بھی اسی فقر سے گزر رہے تھے۔ اس فقر کے باوجود انہوں نے ہمارا بہت اکرام کیا۔ ان کے گھر میں پانی کا ایک کنواں تھا اور اسی سے ڈول بھر بھر کر پانی نکالنا پڑتا تھا۔ گھر میں بیت الخلاء موجود نہ تھا، لہٰذا قریبی کھیتوں میں رفعِ حاجت کے لیے جانا پڑتا۔

ارزگان میں ریحان بھائی کے ساتھ یہ میری آخری ملاقات تھی۔ ریحان بھائی اس کے بعد صوبہ فراہ اور پھر ہلمند کی طرف گئے، لیکن ساتھ ہی کشف ہو گئے۔ کشف، یہاں کے جنگی خطوں میں ایک معروف اصطلاح ہے جس کا مطلب ہے کسی شخص کا دشمن کی نظروں میں آ جانا اور پھر مستقل دشمن کے زیرِ تعقیب رہنا۔ ریحان بھائی جو اس زمانے میں کشف ہوئے تو پھر تا شہادت اس تعقیب سے نکل نہ سکے، قدر اللہ وما شاء فعل! بعد ازاں ریحان بھائی ہلمند کے مشہور علاقے موسیٰ قلعہ میں رہے اور یہیں ایک امریکی و افغان ملی فوج کے چھاپے میں حضرت الأمیر مولانا عاصم عمر کے ساتھ ۲۴ محرم الحرام ۱۴۴۱ھ بمطابق ۲۳ ستمبر ۲۰۱۹ء کو بعد از عشاء شہید ہوئے۔

ریحان بھائی کو امیر جماعت مولانا عاصم عمر صاحب کی طرف سے ۲۰۱۸ء میں القاعدہ برِّ صغیر کے مکتب التواصل یا Communications Desk کا نائب مسئول بنایا گیا تھا۔ القاعدہ (کی تمام شاخوں) میں مکتب التواصل انتہائی اہم، حساس اور راز داری کا شعبہ ہوتا ہے (بلکہ باقی دنیا کی تنظیموں میں بھی اس کی اہمیت و حساسیت ایسی ہی ہوتی ہے، چونکہ القاعدہ ایک جہادی عسکری اور بہت سے امور میں خفیہ تنظیم ہے اس لیے اس میں راز داری دنیا کے دیگر خفیہ اداروں جیسی بلکہ بعض دفعہ معاصر خفیہ اداروں سے بھی زیادہ ہوتی ہے)۔ ریحان بھائی کا دشمن کی جانب سے خصوصی تعاقب بھی اسی سبب سے تھا۔

ریحان بھائی ایک اچھے لکھاری بھی تھے۔ فیضان چودھری کے نام سے ان کے چند مضامین مجلہ نوائے افغان جہاد (نوائے غزوۂ ہند کا سابقہ نام) میں شائع ہوتے رہے۔ اسی طرح انہوں نے ایک مؤثر تحریر 'نصرتِ دین کے امین' کے عنوان سے انصارِ جہاد کے متعلق لکھی جس کا پیش لفظ لکھنے اور پروف خوانی و مراجعے کی سعادت راقم السطور کو حاصل ہوئی۔ ریحان بھائی نے کئی عربی کاوشوں کا اردو میں ترجمہ کیا جن میں ایک ممتاز کاوش 'نائن الیون کے حملوں کی داستان' از فضیلۃ الشیخ ابو بصیر ناصر الوحیشی ہے۔ ریحان بھائی نے امیر المجاہدین العرب والعجم، حکیم الامت فضیلۃ الشیخ ابو محمد ایمن الظواہری کی مایہ ناز تصنیف 'فرسان تحت رایۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم' کا بھی اردو میں ترجمہ کیا جو بعض تکنیکی وجوہات کی بنا

---

[1] بائیسویں نشست (إذا أراد الله أمرا هيأ أسبابه)

پر زیورِ طباعت سے آراستہ نہیں ہو سکا۔ علاوہ ازیں ریحان بھائی کی آواز ادارہ السحاب کی مختلف ویڈیو کاوشوں میں نشر ہوتی رہی۔

ریحان بھائی ایک مقاتل مجاہد قائد کے ساتھ ایک صاحب درد داعی بھی تھے اور منتظم بھی۔ ایک اچھے دوست، ایک اچھے بیٹے، ایک اچھے شریکِ حیات شوہر اور ایک اچھے باپ بھی۔ ریحان بھائی نے اپنے پسماند گان میں دو بیٹے بھی چھوڑے، اللہ پاک ان نونہالوں کو نیک بنائے، ویسا بنائے جیسا اللہ کو اپنے مومن بندوں کو دیکھنا پسند ہے، جیسا کہ ریحان بھائی اپنی اولاد کے لیے خواہش مند تھے۔ ریحان بھائی کا جسدِ خاکی آج موسیٰ قلعہ صوبہ ہلمند، افغانستان کے ایک قبرستان میں دفن ہے اور ان کی روحِ انوری سبز پرندوں کے قالب میں عرش تلے معلق قندیلوں میں بستی ہے، یہ پرندے جب چاہتے ہیں تو جنت کی سیر کو نکل جاتے ہیں اور جنت کی نعمتوں سے متمتع ہوتے ہیں (نحسبه كذلك والله حسيبه ولا نزكي على الله أحداً)۔ یہ بڑے نصیب کی بات ہے، یہ محمدِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا اعجاز ہے، یہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی وراثت ہے، کل صحابہ جزیرۃ العرب سے نکل کر، فارس و شام، مصر و مراکش اور کابل و مکران میں جا کر شہید ہوئے تھے تو آج ان صحابہؓ کے عربی و عجمی وارث ہلمند و کابل میں شہید و مدفون ہیں۔

ریحان بھائی کا حق بہت زیادہ ہے اور یہ چند صفحات ان کا حق ادا کرنے کے لیے یقیناً کافی نہیں تھے۔ بہر کیف، محفل استاذ کی حالیہ قسط کو ریحان بھائی کے ذکر کے اختتام کے ساتھ یہیں روکتا ہوں۔ آخر میں ریحان بھائی رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً کی چند تصاویر ان کے اہلِ خانہ و خاندان کے لیے خصوصاً اور باقی قارئین کے لیے عموماً پیشِ خدمت ہیں۔

وما توفيقي إلّا بالله. وآخر دعوانا أن الحمد لله ربّ العالمين.
وصلى الله على نبينا وقرة أعيننا محمد وعلى آله وصحبه ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين.

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

☆☆☆☆☆

اتفاق و خوشامد

”آج کل لوگوں نے خوشامد کا نام اتفاق رکھ لیا ہے اور اتفاق مطلقاً محمود و مطلوب نہیں بلکہ بعض دفعہ نا اتفاقی بھی مطلوب ہے، جب کہ اتفاق سے دین کو ضرور پہنچ رہا ہو۔ اتفاق اتباعِ شریعت میں ہے اور نا اتفاقی شریعت کے خلاف کرنے میں۔ یعنی اتفاق کے اسباب کا حاصل اطاعتِ حق ہے اور نا اتفاقی کے اسباب کا حاصل معصیتِ حق ہے۔“

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

(بحوالہ: ملفوظاتِ حکیم الامت)

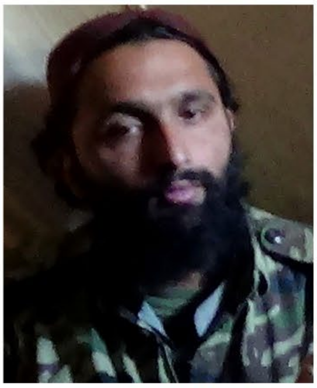

گوشۂ افکارِ شاعرِ اسلام

علامہ محمد اقبالؒ

تشریح و ترجمانی: محمد عفّان عثمان جے پوری

سُلطان ٹیپوؒ کی وصیّت

تُو رہ نوردِ شوق ہے، منزل نہ کر قبول
لیلیٰ بھی ہم نشیں ہو تو محمل نہ کر قبول

اے جُوئے آب بڑھ کے ہو دریائے تُند و تیز
ساحل تجھے عطا ہو تو ساحل نہ کر قبول

کھویا نہ جا صنم کدۂ کائنات میں
محفل گداز! گرمیِ محفل نہ کر قبول

صُبحِ ازل یہ مجھ سے کہا جبرئیل نے
جو عقل کا غلام ہو، وہ دِل نہ کر قبول

باطل دُوئی پسند ہے، حق لاشریک ہے
شِرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول!

محمد اقبال

سلطان فتح علی ٹیپو رحمۃ اللہ علیہ نے عین شہادت سے پہلے ایک ایسا جملہ کہا جو شہرۂ آفاق ہوا، اس نے کہا 'شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے بہتر ہے'۔ اقبالؒ اپنی اس نظم میں دراصل سلطان شہیدؒ کی اسی وصیت کی عکاسی کرتے ہیں۔

سلطان ٹیپو شیروں سے بڑھ کر بہادر تھا، اس نے کافر انگریزوں کی غلامی پر لڑتے ہوئے شہادت کی موت کو ترجیح دی۔ سلطان نے اپنی زندگی اور موت سے یہ پیغام دیا کہ راہِ عشق کے مسافر تو کبھی رکا نہیں کرتے، وہ تو عقبہ بن نافع کی مانند اپنے گھوڑے کو سمندر میں ڈال دیتے ہیں، ان کے سامنے کوئی کنارا کوئی دنیوی منزل، 'منزل' نہیں ہوا کرتی۔ عاشق کو اگر اس کی محبوبہ 'لیلیٰ' بھی اپنے کجاوے میں آکر ہم نشینی و تسکینِ وصل کی دعوت دے، تو حقیقی عشق کا مسافر اس دعوت کو قبول نہیں کیا کرتا۔ اگر سچا عاشق لیلیٰ جیسی کی ہم نشینی کو ٹھکرا سکتا ہے تو دنیا کے تخت و تاج، اموال و سواریاں تو بالکل ہیچ ہیں۔

اے مردِ مسلماں! مانا کہ تُو ابھی کمزور ہے، لیکن اپنے مالک پر بھروسہ کر۔ مانا کہ تُو ایک پر سکون ندی ہے، لیکن ندیاں تو جغرافیہ و تاریخ رقم نہیں کیا کرتیں۔ تُو اس پر سکون زندگی کو لات مار، آگے بڑھ اور دریائے تند و تیز کی مانند چٹانوں اور پہاڑوں سے ٹکرا، ان کو ریزہ ریزہ کر اور دنیا کا نقشہ بدل دے۔ تُو اس طوفانی دریا کی مانند ہو جا، کہ جب اسے ساحل میسر ہو تو وہ ساحل کا سینہ چاک کر کے آگے بڑھے اور سمندر سے مل جائے۔

اے مجاہدِ عشق، اے عارفِ حق! اس دنیائے آب و خاک میں غرق نہ ہو جائیو۔ اس دنیا کی لیلاؤں اور شہر بانوؤں کے عشق میں مبتلا ہو کر اپنے مقصدِ حقیقی سے غافل نہ ہو جائیو۔ یہ زندگی تو چند روزہ ہے، مکڑی کا جالا ہے، مچھر کا پر!

جب خاک و گِل سے آدم کی پیدائش ہوئی تو آدم کو یہ بات القا کر دی گئی کہ 'عشق پر اعمال کی بنیاد رکھ'، عقل بے شک بوصلۂ سود و زیاں ہے، لیکن عشق کا قبلہ نما، دل ہے۔ اپنے دل کو عقل کی غلامی سے آزاد رکھیو۔ اہلِ عقل کو دنیا کہاں جانتی ہے، دنیا میں چرچے تو اہلِ دل کے ہوتے ہیں۔ بقول سلطان باہو، عشق و دل انسان کو جن منازل پر پہنچاتے ہیں، عقل اس کا تصور کرنے سے بھی قاصر ہے۔

یہ تو باطل کی خصلت ہے کہ اس میں شرک کی آمیزش ہے، حق اور الحق کا پیغام، اس کا دین، یہ سب تو توحید کے داعی ہیں، ایک مالک سے ہونے اور اس کے غیر سے کچھ نہ ہونے کے قائل، حقیقی داتا ہے تو وہی، سچا مشکل کشا ہے تو وہی! اب تیری یہ ناقص عقل تجھے لاکھ سمجھائے، لیکن اے مردِ مجاہد، اے عاشقِ باصفا! عقل کے دامِ فریب میں نہ آئیو، دنیا کے نئے نئے نظاموں میں ضم ہو کر اپنی جان و اقتدار بچانے کی فکر نہ کریو۔ خدا کی حاکمیت میں کسی کو شریک نہ کریو، جب دنیا کے پادشاہ تجھے حکمرانی کی پیش کش کریں اور تجھ سے بس ذرا سی مداہنت کا مطالبہ کریں تو یاد رکھیو:

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آزری!

☆☆☆☆☆

خیالات کا ماہنامچہ

معین الدین شامی

ذہن میں گزرنے والے چند خیالات: اگست ۲۰۲۵ء

دُرودوں کی، سلاموں کی ہو بارش ذاتِ اطہرؐ پر
اور اُنؐ کی آل پر، اصحابؓ پر، امت کی ماؤںؓ پر
جنہوں نے غم پہ غم سہہ کر عَلَم دِیں کا اُٹھا رکھا
جنہیں فُسّاق نے گرچہ مسلسل ہی ستا رکھا
مگر غافل ہوئے ہر گز نہ وہ، دِیں کی حفاظت سے
کہ بڑھتی ہی گئی شمع کی لو، خوں کی تمازت سے [1]

اللّٰھم اجعلنا معھم، وصلی اللہ علی النبی، آمین!

حکمرانوں کی دیدہ دلیری!

بڑے بڑے اولیاء اللہ کو سنا، پڑھا، دیکھا کہ آخرت کی جواب دہی پر لرزاں و ترساں رہتے۔ بلکہ مختلف احادیث میں یہ مضمون آیا ہے کہ ”جس سے حساب لیا گیا تو وہ مارا گیا“۔

جبکہ ہمارے بے دین، لادین، دین فروش حکمران جو اللہ کی شریعت کی جگہ انگریزوں کا بنایا نظام نافذ کرتے ہیں، جن کا نظام سود کو معیشت، زنا کو (حقوقِ نسواں بل، ٹرانس جینڈر ایکٹ، اٹھارہ سال سے کم عمر کے نکاح پر پابندی کی صورت) معاشرت اور حدود اللہ کی جگہ انگریز کے کالے قوانین کو ”شریعت“ قرار دیتا ہے۔

یہ حکمران اپنے خود ساختہ ریاست و جمہوریت و آئین کے بھی منافی ”ہائبرڈ“ نظام کو نافذ کرتے ہیں۔

پھر اس سب کے بعد ان رندوں اور بدکاروں کی جرأت ملاحظہ ہو کہ قیامت کے دن اللہ کو یہ جواب دوں گا کہ ”میرٹ پر کام کیا“! قاتلھم اللہ!

جہاد کے فرضِ عین ہونے میں پہلے کہاں کوئی شک تھا؟!

ابو عبیدہ کے آخری بیان کے بعد اگر کوئی تردد تھا، کسی کو کوئی شک تھا، کوئی سمجھتا تھا کہ وہ زندگی کے دھندوں میں رہ کر ہی قدس و فلسطین کا حق ادا کر رہا ہے، تو......

جان لیجیے! کسی نے کوئی حق ادا نہیں کیا!

فرض کی ادائیگی کے لیے وہ قدم اٹھایئے جس کا تقاضا اللہ کی شریعت آپ سے کر رہی ہے، وہ نہیں جو ہماری عقلوں نے ہمیں بتایا ہے۔ اب جو بھی ہو بس اس کا نتیجہ ابو عبیدہ اور ان کے ساتھیوں کے میدان میں قدم جمنے کی صورت میں اور کم از کم اہلِ غزہ کی ناکہ بندی ختم ہونے کی صورت میں ظاہر ہو۔ یہ ہماری جہد کا پہلا کامیاب نتیجہ ہو گا اور آخری فلپین و اندلس، کشمیر و فلسطین کی آزادی!

اپنے پیشوں، دفتروں، کاروباروں، گھروں، اہلِ خانہ، مدرسوں، خانقاہوں سے نکلیے اور رسمِ شبیریؓ ادا کیجیے، اس سے کم پر اب بخشش خدا ہی جانے کہ ہو پائے یا نہیں!

ہم بندگانِ خدا شریعت کے پابند ہیں!

ہمارے یہاں برِّ صغیر ہند و پاک میں شریعت، طریقت اور سیاست کی اصطلاحیں عام ہیں اور اس پر حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب قاسمی (نوّر اللہ مرقدہ) کا ایک خطبہ بھی موجود ہے۔

برِّ صغیر میں یہ تصور بڑے زمانے تک چلا کہ طریقت ایک جدا چیز ہے اور شریعت جدا چیز۔ حضرت مجدد الفِ ثانیؒ نے طریقت کو شریعت کے تابع قرار دیا کہ یہ کوئی جدا چیز نہیں ہے بلکہ شریعت کے تابع ہے۔ مکتوباتِ امام ربانی میں ہے:

> ”طریقت اور شریعت عین ایک ہی چیز ہیں، ان کے درمیان بال برابر بھی کوئی مخالفت نہیں پائی جاتی... ہر وہ چیز جو شریعت کے خلاف ہو، مردود ہے۔“

طریقت کے متعلق ہمارے اکابرینِ اہل السنۃ کی یہی رائے ہے، اسی کی توثیق حضرت تھانویؒ اور مولانا علی میاںؒ نے بھی کی ہے۔

جس طرح طریقت شریعت کے تابع ہے بالکل اسی طرح سیاست بھی شریعت کے تابع ہے۔

کوئی صوفی ہو یا مُلّا ہو یا مجاہد ہو یا حاکم ہو، یہ سب شریعت کے تابع ہیں، ان کے اقوال و اعمال کو شریعت ہی پر پرکھا جائے گا۔

صوفی کی طریقت میں اگر پیرویٔ سنت اور اتباعِ سلف کا تقاضا ہے تو مُلّا کے بیان کردہ فتوے میں بھی یہی تقاضا ہے کہ وہ اللہ کی شریعت سے حکم بیان کرے۔ مجاہد کا جہاد بھی تابعِ شریعت ہونا چاہیے ورنہ بندوق بردار تو ڈاکو بھی ہو سکتا ہے۔ اسی طرح اللہ کی شریعت

[1] اشعار: شاعرِ جہاد شیخ احسن عزیز شہید رحمۃ اللہ علیہ

حکمران کے لیے بھی کچھ اصول وضوابط وثوابت (constants) بیان کرتی ہے۔ اگر کوئی حکمران اللہ کی شریعت کے علاوہ کوئی امر بیان کرے تو پھر بھلے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ راست، امیر المومنین، سیّدنا فاروقِ اعظمؓ ہی کیوں نہ ہوں ان کو مسلمان عوام میں سے ایک عورت بھی کہہ سکتی ہے کہ آپ سے سہو ہوا اور وہ بھی کشادگیٔ صدر سے کہتے ہیں کہ ”أصابت امرأة وأخطأ عمر“، عورت نے ٹھیک کہا اور (میں) عمر غلط ہو گیا (رضوان اللہ علیہم أجمعین)۔

یاد رکھیے حکمرانوں سے سرزد ہونے والی غلطیوں ہی پر تنبیہ ونصیحت کرنے کے جرم میں امامِ اعظم ابو حنیفہ، امام احمد بن حنبل، امام ابنِ تیمیہ سے مجدد الفِ ثانی رحمہم اللہ تک کو قید وبند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں!

پس اگر آج کے فاتح مسلمان حکمرانوں سے کوئی شرعاً واضح قابلِ گرفت خطا ہو اور اس پر امت کے اصحابِ خیر علماء وداعیان ردو نصیحت نہ کریں تو ہمارے ان فاتح مسلمان حکمرانوں کو ہم اپنے ہاتھوں سے ہی شہباز شریف، ابنِ سلمان اور اردگان بنا دیں گے!

Evolution of a Chicken

آج ایک مختصر ویڈیو دیکھنے کا موقع ملا، عنوان تھا: Evolution of a Chicken، اس ویڈیو میں دکھایا گیا کہ کیسے ایک خلیے سے چوزے کا سفر شروع ہوا، وہ کیسے پہلے ایک آبی مخلوق تھی، پھر کیسے وہ خشکی کا جانور بنا، کیسے اس نے ’سیکھا‘ کہ اب وہ پانی میں نہیں خشکی پر ہے تو اب انڈوں کو ایک خول/چھلکے کی ضرورت ہے، وغیرہ۔ خیال آیا:

کیا ملحدین کبھی کسی چوراہے پر ٹریفک جام میں پھنسے ہیں؟

ایسا چوک جہاں ٹریفک اشارے کام نہ کرتے ہوں۔

اگر وہ پھنسے ہیں تو یقیناً انہوں نے دیکھا ہو گا کہ ایک ٹریفک وارڈن آکر ٹریفک کو منظم کرتا ہے اور گاڑیاں اپنی اپنی سمت روانہ ہو جاتی ہیں۔

لیکن جب تک ٹریفک پولیس کا اہلکار نہیں آتا، ٹریفک جام، ہارن، گالم گلوچ، ایک دوسرے کو گھور گھور کر دیکھنا اور سڑک کو ذاتی جائیداد سمجھ کر، ’میں نہ مانوں‘ اور ’میں کسی اور کو کیوں جانے دوں‘ پر سبھی اڑے رہتے ہیں۔

ذرا سوچیے! عظیم الشان کائنات کی ایک galaxy، اور اس کا ایک چھوٹا سا نظامِ شمسی اور اس نظامِ شمسی میں چھوٹی سی دنیا کے ایک ملک کے ایک شہر کا، کائنات کے مقابلے میں microscopic چوک چوراہا۔

اس چوک کا نظام ٹریفک وارڈن کی غیابت میں درہم برہم ہو جاتا ہے، تو کیا یہ کائنات بنا خدا کے خود ہی سے چلتی چلی جا رہی ہے؟!

جوانیاں!

عمیر بن ابی وقاص، سعد بن خیثمہ، صفوان بن وہب، حارثہ بن سراقہ، مبشر بن عبد المنذر، ذو الشمالین بن عبد عمرو، مہجع بن صالح، عاقل بن البکیر، رافع بن المعلی، عمیر بن الحمام، یزید بن الحارث، عوف بن الحارث، معوذ بن الحارث، عبیدہ بن الحارث...... رضی اللہ عنہم!

ہم نے ابھی چودہ (۱۴) نام پڑھے ہیں۔ یہ چودہ نام، شہدائے بدر کے نام ہیں۔ ایسی جوانیوں کے نام کہ جب یہ مدینہ سے نکلے تو ان کا ارادہ مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تجارتی قافلے کو بطورِ غنیمت پکڑنے کا تھا۔ لیکن جب قافلہ دسترس سے نکل گیا اور اللہ اور اس کے رسولؐ کا حکم کفار سے میدانِ بدر میں ٹکرانے کا ہوا تو ان خوبصورت، زندگی سے پر امید، روشن مستقبل والی جوانیوں نے یہ نہیں سوچا کہ ہم یہاں جانیں تو دے دیں گے، لیکن اس کا حاصل کیا ہو گا؟

یہ چودہ لوگ ایک ایسی جنگ میں کٹ گئے تھے، جس کا (ظاہری دنیا میں سلطنت وغلبے کی صورت) حاصل کچھ بھی نہیں تھا، دور دور تک اسبابِ ظاہری میں کوئی امکان نہ تھا کہ اس جنگ کے بعد کبھی مستقبل میں مکہ فتح ہو سکے گا۔ یہ چودہ تو باقی سب چھوڑیے بدر کی فتح، سردارانِ قریش خصوصاً فرعونِ امت ابو جہل کا قتل، ستر قیدی، مالِ غنیمت، مسلمانوں کی خوشی، کچھ بھی نہ دیکھ سکے تھے۔

اسی جنگ میں ایک ماں نے اپنے سات بیٹے بھی بھیجے تھے، اس ماں کا نام اُمِ عفراء تھا (رضی اللہ عنہا)۔ پھر اس ام عفراءؓ کے دو بیٹے عوفؓ اور معوذؓ اسی جنگ میں کٹ بھی گئے۔ یہ مشہور معاذؓ ومعوذؓ کی ماں ہیں۔ ان کو جب اپنے گبھرو جوانوں کی شہادت کی خبر ملی تو بولیں:

> ’الحمد لله الذي شرفني باستشهاد أبنائي مع رسول الله ﷺ.‘
> (طبقات ابن سعد)
>
> ’اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے یہ شرف عطا کیا کہ میرے بیٹے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (دورانِ جنگ) شہادت کے رتبے پر فائز ہوئے۔‘

ام عفراءؓ نے نہیں سوچا کہ یہ گبھرو جوانوں کی شہادتیں اس دنیا میں ’تحریکی‘ طور پر کس قدر فائدہ مند ہوں گی؟

حقیقت یہ ہے کہ ہم ہی کچھ زیادہ سمجھ دار ہو گئے ہیں۔ فرزانگی نے عشق ودیوانگی ہم سے چھین لی ہے، اور اہلِ معرفت جانتے ہیں کہ عاشق تو کبھی فرزانے نہیں ہوا کرتے، وہ تو شمعِ محبت پر جانیں وار دیتے ہیں۔

جب اللہ اور اس کے رسولؐ کی پکار ہو، کہ جس میں زندگی ہے تو پھر میرا کارواں جیتے یا ہارے، مجھے فتح وشکست سے کیا مطلب؟

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

اسی لیے مالک نے اگر کسی کے ایمان کو معیار قرار دیا تو صحابہ کے ایمان کو کہ جو دیوانے نہیں تھے بلکہ زمانے بھر کے فرزانے تھے! فرزانگی تو مالک کی خاطر جان وارنے کی دیوانگی کا نام ہے!

کہا کس نے نبھایا ہے؟

ائمۂ امت وفقہائے امت کا یہی اجماع ہم کو معلوم ہے کہ جہاد کی دو ہی حالتیں ہیں، ’فرضِ عین‘ یا ’فرضِ کفایہ‘۔

کہنے والے کہتے ہیں کہ جہاد آج فرضِ عین نہیں ہے! مان لیا کہ جہاد فرضِ عین نہیں ہے۔

آیئے فرضِ کفایہ ادا کرتے ہیں کہ اہلِ غزہ تو جو کٹ گئے سو کٹ گئے، جو بچ گئے وہ بچ جائیں!

نہیں! اہلِ غزہ جو بچ گئے ہیں وہ بچ نہ جائیں، وہ تو ان شاء اللہ یومِ آخرت کو بچ ہی جائیں گے!

بات ہماری ہے کہ ہم جو ’بچ‘ گئے ہیں، یومِ آخرت کو فرضِ کفایہ ادا نہ کرنے کے جرم میں ’کٹ‘ نہ جائیں!

دشمن ہمیں کاٹنے کے طریقے سوچ رہا ہے!

(اوائل اگست میں) جب ہمارے کچھ بھائی سوشل میڈیا پر امام ابن تیمیہؒ اور امام ابو حنیفہؒ کے ردو مخالفت میں مصروف ہیں، تو مجھے کسی کا یہ قول یاد آرہا ہے:

”جب ہم اس بات پر جھگڑ رہے ہوتے ہیں کہ نماز میں ہاتھ سینے پر باندھنے چاہییں یا پیٹ پر، تو ہمارا دشمن یہ سوچ رہا ہوتا ہے کہ ان کے ہاتھوں کو کاٹنا کیسے ہے!“

حسبنا اللہ! غزہ میں مسلمان بچوں، عورتوں، بوڑھوں اور مردوں کا قتلِ عام جاری ہے...... اور ہم ایسے مباحث میں الجھے ہوئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت دے، آمین۔

سچوں کے ساتھ ہو جاؤ!

صرف میرا اور آپ کا سچا ہونا کافی نہیں ہے، بلکہ اہلِ حق وسچ کا حصہ بننا بھی لازمی ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔“

اس آیت کے تحت علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ صرف خود سچا ہونا کافی نہیں، بلکہ سچوں کے ساتھ رہنا اور ان کی جماعت میں شامل ہونا بھی ضروری ہے۔“

مسجدیں گراتی ”اسلامی ریاست“ اور ہماری ذمہ داری!

اب سبھی کے علم میں آچکا ہے کہ اسلام آباد میں انتظامیہ نے راول ڈیم کے قریب ایک مسجد کو ”غیر قانونی“ قرار دے کر شہید کر دیا ہے۔

یہ سطور لکھنے کا مقصد پاکستان کی ریاست، ریاستی اداروں یا حکومت وانتظامیہ کی مذمت کرنا یا ان کی برائی اور ان میں موجود فساد کی نشاندہی کرنا نہیں ہے، ان سب کی حقیقت تو لال مسجد کی شہادت اور اس سے قبل اسلام آباد کی دیگر درجنوں مساجد و مدارس کی شہادت کے وقت افشا ہو چکی تھی۔

ان سطور کا مقصد اپنے آپ کو اور آپ کو متوجہ کرنا ہے۔

اوراقِ کلام اللہ کو شہید کر کے گندے نالوں میں بہانا، مساجد کو گرانا، علماء کو قتل کرنا شیوۂ کفر ہے، یہ یہود کی نمایاں خصلت تھی اور ہے۔ اب قیامت تک جو بھی شخص، ریاست، ریاستی ادارہ، حکومت وغیرہ یہ خسیس حرکت کرے گا تو اس کے ایمان کا جائزہ تو ایک عام مسلمان بچہ بھی لے سکتا ہے۔

مدنی مسجد کی شہادت اور اس کی جگہ درختوں کا لگا دینا، اس منظر نے ہمارے دل کو بھی دہلایا۔ کچھ معزز لوگوں کو مدنی مسجد کی جگہ پر بیٹھا روتے دیکھ کر ہمارا بھی دل بھر آیا کہ اللہ کا گھر گرا دیا گیا، ان محترم و معزز لوگوں کے آنسو، احتجاج اور قرار دادیں لائقِ قدر اور ان کا جذبہ لائقِ صد احترام ہے۔

ہم نے پنجاب، سرحد، بلوچستان و سندھ میں دہائیوں چلنے والی دشمنیوں کی کہانیاں سنی ہیں، زمینوں پر قبضوں کے نتیجے میں نسل در نسل چلنے والی جنگیں۔ یعنی اگر کوئی ہماری زمین ہتھیا لے تو ہم اس سے جنگ پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔

لیکن یہ اللہ کے گھروں کے لیے ہماری عجیب غیرت ہے کہ جو آنسوؤں، احتجاجوں اور قرار دادوں کے بعد سو جاتی ہے۔

حق تو یہ ہے کہ اللہ کے گھروں کو گرانے کے واقعے پر ہم آنسو نہ بہائیں، بلکہ اُن کو خون کے آنسو رلائیں جنھوں نے اللہ کے گھروں کو گرایا اور ایسا طاغوتی نظام ہم پر مسلط کیا جو مسجدوں کو گرانا ناک پر بیٹھی مکھی کو اڑانے جیسا آسان سمجھتا ہے۔

#أنس_الشريف

کسی نے #أنس_الشريف کی شہادت پر پوچھا، آپ نے کچھ لکھا نہیں؟

جواب دیا، کچھ واقعات انسان سے لکھنے بولنے کی سکت چھین لیتے ہیں۔ انس الشریف کی شہادت اور پھر اس کی وصیت پڑھ کر ایسی ہی حالت ہے۔

بقولِ شخصے اب باتیں کرنے کا وقت گزر چکا ہے، غزہ کا داغ جگر کے خون سے ہی دھویا جاسکتا ہے۔

اخباری
کالموں کا جائزہ

شاہین صدیقی

[اس تحریر میں مختلف موضوعات پر کالم نگاروں و تجزیہ کاروں کی آراء پیش کی جاتی ہیں۔ ان آراء اور کالم نگاروں و تجزیہ کاروں کے تمام افکار و آراء سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں۔ (ادارہ)]

عافیہ صدیقی کیس اور حکومتی بے حسی

پاکستان میں عافیہ صدیقی کی رہائی کے لیے ان کے وکیل کلائیو سٹیفورڈ سمتھ، عافیہ صدیقی کی بہن ڈاکٹر فوزیہ صدیقی اور سابق سینٹر مشتاق احمد خان کی جانب سے اسلام آباد ہائی کورٹ میں حکومت کے خلاف مقدمہ زیر سماعت ہے۔ پاکستان کی وفاقی حکومت نے عافیہ صدیقی کیس میں امریکی عدالت میں معاونت کرنے اور فریق بننے سے انکار کر دیا تھا جس کے بعد اسلام آباد ہائی کورٹ نے حکومت سے امریکہ میں کیس کا فریق نہ بننے کی وجوہات طلب کی تھیں لیکن وفاقی حکومت کی جانب سے کوئی جواب جمع نہ کروانے پر وفاقی کابینہ کو توہینِ عدالت کا شوکاز نوٹس بھی جاری کیا گیا۔ عافیہ صدیقی کے وکیل اور ان کی بہن نے امریکی عدالت میں درخواست دی ہے کہ عافیہ کو انسانی ہمدردی کی بنا پر رہا کیا جائے۔ اس کیس میں معاونت کے لیے حکومت پاکستان سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ ”ایمائکس بریف“ پر دستخط کر دے۔ (ایمائکس بریف ایک قانونی دستاویز ہے جو کوئی فرد یا گروہ جو براہ راست کیس کا فریق نہیں ہوتا، عدالت میں پیش کرتا ہے تاکہ کیس کے بارے میں اضافی معلومات، دلائل یا تبصرہ پیش کیا جا سکے۔) یعنی جینوا کنونشن کے تحت ہر ملک اپنے باشندے کو دوسرے ملک میں معاونت فراہم کرنے کے لیے Amicus Brief کا پابند ہے۔

یہ ہماری بد قسمتی ہے کہ ہماری ایک بہن بنا کسی جرم کے بدنام زمانہ امریکی جیل میں بائیس سال سے انتہائی تکلیف دہ تشدد کی سزا کاٹ رہی ہے۔ ایک آرمی چیف نے اسے امریکہ کو فروخت کیا اور اب دوسرا آرمی چیف ٹرمپ سے تعلقات اور دوستیاں تو بڑھا رہا ہے لیکن مجال ہے کہ ”حافظ“ کہلانے والے فیلڈ مارشل کے منہ سے امریکی مطالبات کے جواب میں امت کی بیٹی عافیہ صدیقی کی آزادی کا مطالبہ نکل آتا۔ طاقت کے نشے میں بدمست یہ حکمران اپنے سے پہلے گزرے ہوئے حکمرانوں کا انجام کیوں بھول جاتے ہیں؟ انہیں خوف ہے اس بے بس اور لاچار عورت سے کہ وہ آزاد ہو کر ان کے کرتوتوں پر سے پردہ اٹھائے گی۔ اس عدالتی کاروائی کے چند روز بعد ہی وزیر خارجہ اسحاق ڈار نے دورۂ امریکہ میں عافیہ صدیقی کے حق میں آواز اٹھانے کے بجائے امریکی ادارے کو ایک انٹرویو میں عمران خان کے خلاف عدالتی کاروائی کو عافیہ صدیقی کے کیس کی عدالتی کاروائی سے تشبیہ دے کر اسے قانون کے مطابق قرار دیا۔ اس انٹرویو کے بعد نہ صرف اخبارات میں بلکہ سوشل میڈیا پر بھی اسحاق ڈار پر تنقید کی گئی۔ چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

عافیہ صدیقی سے عمران خان تک: قید کا جواز؟ | خالد شہزاد فاروقی

”جب کسی قوم کے زخموں پر نمک چھڑکنے والا اس کا حکمران ہو تو شفا کے خواب بھی گناہ بن جاتے ہیں۔ جب مظلوم کی فریاد کو اقتدار کی میز پر تمسخر بنا دیا جائے تو عدل کا ترازو زمین پر گر جاتا ہے۔ ابھی کل ہی قوم نے یہ خبر سنی تھی کہ وزیر اعظم شہباز شریف نے ڈاکٹر عافیہ صدیقی کی رہائی کے لیے اعظم نذیر تارڑ کی سربراہی میں ایک کمیٹی تشکیل دی ہے، یہ اعلان بظاہر ایک امید کی کرن تھا، ایک برسوں سے جلتے دل کے لیے مرہم جیسا لیکن اُس سے اگلے ہی لمحے نائب وزیر اعظم و وزیر خارجہ اسحاق ڈار نے واشنگٹن میں بیٹھ کر جو کہا، وہ صرف ایک بیان نہیں تھا، یہ قوم کے شعور کی توہین، قربانیوں کی تذلیل اور مظلومیت کا قتل تھا۔ اسحاق ڈار نے اٹلانٹک کونسل میں انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ ”میں اگر کہوں کہ ڈاکٹر عافیہ صدیقی کے کیس میں ناانصافی ہوئی تو یہ غلط ہو گا کیونکہ یہ سب 'ڈیو پروسیس' یعنی قانونی طریقے سے ہوا“۔ موجودہ حکمرانوں کے نزدیک مظلوم صرف وہی ہوتا ہے جو ان کے مفادات کے تابع ہو۔ عافیہ صدیقی جیسے قومی وقار کی علامت کا دفاع کرنا تو در کنار، اُسے ظالم کے حق میں جواز بنا کر عمران خان جیسے مقبول رہنما کی غیر قانونی قید کو درست قرار دینا، دراصل غلامی کی انتہا ہے۔ اگر عافیہ صدیقی کے ساتھ ہونے والی زیادتی پر بولنا ”ناانصافی“ ہے تو پھر انصاف کس کو کہتے ہیں؟ گویا امریکہ کی عدالت کا فیصلہ شریعت سے بڑا، انسانیت سے برتر اور مظلوم کی چیخوں سے مقدس قرار دے دیا گیا۔ سوال یہ ہے کہ وہ عافیہ صدیقی جسے اغوا کیا گیا، جس پر پانچ سال تک کسی عدالت میں مقدمہ نہیں چلا، جس کے معصوم بچوں کا آج تک کوئی اتا پتا نہیں، جس نے امریکی جیل میں ظلم، جنسی درندگی اور اذیت کا وہ دوزخ سہا جو شاید دوزخ کے باسی بھی نہ سہیں، اسے قانونی طریقہ کار کہنا کیا مظلومیت کی توہین نہیں؟ کیا اسحاق ڈار نے اس قوم کو اتنا ہی سادہ لوح سمجھا ہے کہ وہ حقیقت اور فریب میں تمیز نہ کر سکے؟ عافیہ صدیقی صرف ایک عورت نہیں، وہ پاکستانی ریاست کی غیرت کا استعارہ ہیں۔“

[روزنامہ پاکستان]

ڈاکٹر عافیہ صدیقی کے خلاف بیہودہ بیان بازی|متین فکری

”ہمارے وزیر خارجہ اور نائب وزیر اعظم محترم اسحاق ڈار نے پاکستان کی مظلوم بیٹی ڈاکٹر عافیہ صدیقی کی وحشیانہ سزا کے بارے میں جو بیان دیا ہے وہ انتہائی بیہودہ ہی نہیں نہایت شرمناک بھی ہے۔ آخر وزیر خارجہ کس نظام انصاف کے تحت عافیہ کی سزا کو جائز اور قانونی عمل کا حصہ قرار دے رہے ہیں۔ کیا امریکا کا قانون اور نظام انصاف اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ ایک عورت کو بچوں سمیت پاکستان سے اغوا کیا جائے اور افغانستان کی بدنام جیل میں اس پر وحشیانہ تشدد کیا جائے۔ جب یہ خبر عالمی میڈیا میں پھیلے تو اسے امریکا لے جا کر ایک نہایت مضحکہ خیز مقدمے میں کسی ثبوت اور شہادت کے بغیر ایک کنگرو کورٹ کے ذریعے اس عورت کو چھیاسی برس قید کی سزا دی جائے۔ اگر یہی امریکا کا نظام انصاف ہے تو اس پر ہزار بار لعنت بھیجنا بھی کم ہے، کجا کہ اسے درست قرار دینا۔ یہ اسحاق ڈار کا ہی حوصلہ ہے کہ انہوں نے اسے درست قرار دیا ہے ورنہ پوری دنیا میں اس پر لعنت ملامت کی جا رہی ہے۔“

[روزنامہ جسارت]

سزائیں، صدائیں اور عافیہ صدیقی|بابر اعوان

”تاریخِ آمریت کی بے شمار سزائیں اور صدائیں اندرونِ ملک اور سات سمندر پار ہمارا پیچھا کر رہی ہیں۔ ان میں عافیہ صدیقی کی سزا بھی شامل ہے۔ جسے پاکستان سے اغوا کر کے امریکہ کے مقبوضہ بگرام ایئر بیس کے ٹارچر سیل میں رکھا گیا، جہاں سے ایک ٹرانسپورٹ طیارے کے ذریعے ڈاکٹر عافیہ کو اسحاق ڈار کے بقول 'Due Process' کے تحت امریکہ لے جا کر سزا دینے کا ایکشن کیا گیا۔

......کیا اسحاق ڈار قوم کو بتانا پسند کریں گے کہ عافیہ صدیقی کی گرفتاری کے لیے پاکستان کے قانون کے مطابق کس عدالت نے فیئر ٹرائل کیا اور کس ڈپٹی کمشنر نے ڈاکٹر عافیہ صدیقی کو اغوا کے بعد اور حوالگی سے پہلے ’ڈیو پراسس‘ دیا تھا؟ دراصل ڈاکٹر عافیہ صدیقی کی گرفتاری ڈیو پراسس والی نہیں تھی بلکہ بے شرمی سے ہونے والی اغواکاری تھی۔ ایسی اغواکاریوں کا تحریری اعتراف اُس وقت کے آمر مطلق نے لکھ کر اپنی کتاب In the line of fire میں بھی کر رکھا ہے۔“

[روزنامہ دنیا]

غزہ کے بچے

غزہ کے تباہ حال کھنڈرات میں ہر طرف موت رقصاں ہے۔ آسمان سے آتش و آہن کی برسات ہے، زمیں پر صیہونی کتے غزہ کے معصوم و بے بس لوگوں کی بوٹیاں نوچ لینے کے لیے ہر لمحہ تیار، اور پانی کے چند گھونٹ اور کھانے کے چند لقموں کو ترستے بچے، بوڑھے اور جوان آہستہ آہستہ موت کے منہ میں جا رہے ہیں۔ غزہ کے باسی اس وقت جس کرب، تکلیف اور بھوک سے جس حال میں ہیں، ہم پیٹ بھرے اپنے آرام دہ گھروں میں اپنے پیاروں کے ساتھ امن سے بیٹھے وہ کبھی تصور ہی نہیں کر سکتے۔ اس وقت عملی طور پر پورا غزہ کھنڈرات کا ڈھیر بنا ہوا ہے۔ لوگ عارضی کیمپوں میں پناہ لیے ہوئے ہیں، انہیں بھی قابض صہیونی روزآنہ کی بنیاد پر تباہ کر رہے ہیں۔ صہیونیوں کے مسلط کردہ قحط سے یوں تو سب ہی جان کی بازی ہار رہے ہیں لیکن اس سے سب سے زیادہ خواتین اور بچے متاثر ہو رہے ہیں۔ اور ہر روز غزہ کے یہ معصوم بچے کبھی بھوک سے اور کبھی صہیونیوں کی گولی کا نشانہ بن کر موت کی آغوش میں چلے جاتے ہیں۔ یونیسف کے مطابق ۲۸ بچے ہر روز لقمہ اجل بن جاتے ہیں۔ قریب دو سال کی اس مسلط کردہ جنگ نے بچوں سے ان کا بچپن چھین لیا۔ رپورٹ کے مطابق غزہ میں شہید ہونے والے اکثر بچوں کے سر اور سینے میں گولیاں مار کر صہیونی انہیں شہید کر رہے ہیں۔ اور اب تک کے اعداد و شمار کے مطابق اٹھارہ ہزار بچے شہید اور اس سے کہیں زیادہ زخمی و معذور ہوئے ہیں۔

روزنامہ نئی بات میں محمد عرفان ندیم لکھتے ہیں:

غزہ کے بچے|محمد عرفان ندیم

”اقوام متحدہ کے انسانی امور کے کوآرڈینیشن آفس نے جون کے آخری ہفتے میں رپورٹ جاری کی تھی جس کے مطابق غزہ کی ستر فیصد آبادی خوراک کی شدید قلت کا شکار ہے اور دو لاکھ سے زائد بچے ایسے ہیں جو روزانہ بھوکے سوتے ہیں۔ رپورٹ میں خبردار کیا گیا ہے کہ اگر امداد کا راستہ نہ کھولا گیا تو صرف چند ہفتوں میں غذائی قلت سے مرنے والے بچوں کی تعداد ہزار سے تجاوز کر سکتی ہے۔ اے ایف پی کی جون کی رپورٹ میں بتایا گیا تھا کہ ہسپتالوں کے بچوں کے وارڈز بھر چکے ہیں۔ رپورٹ کے مطابق کچھ بچوں کا وزن دو ماہ کے بچے کے برابر ہے حالانکہ ان کی عمر چھ ماہ سے زیادہ ہے۔

......یہ محض رپورٹس نہیں یہ آٹھ ارب انسانوں کی بے حسی کی اجتماعی داستان ہے۔ یہ محض اعداد و شمار نہیں ہیں ان کے پیچھے ان ماؤں کی چیخیں ہیں جو پانچ پانچ دن سے بھوکی پیاسی اپنے بچوں کو بانہوں میں لیے بیٹھی ہیں اور ان کے لیے ایک گھونٹ دودھ تک میسر نہیں۔ ان کے

پیچھے ان باپوں کی ٹوٹتی ہوئی امیدیں ہیں جو روزانہ کسی معجزے کی آس میں ہسپتالوں کے دروازوں پر کھڑے رہتے ہیں مگر خالی ہاتھ گھر لوٹتے ہیں۔ یہ صرف اخبار کے صفحات پر لکھے ہوئے ہندسے نہیں ہیں بلکہ یہ ان بچوں کی رکی ہوئے سانسوں کی گنتی ہے جو دودھ اور دوا کے انتظار میں ماؤں کی بانہوں میں سسک سسک کر جان دے رہے ہیں۔ یہ ان قبروں کے اعداد و شمار ہیں جو غزہ کی زمین پر ہر روز تازہ کھودی جا رہی ہیں اور ان میں پھول جیسے معصوم بچوں کو دفن کیا جا رہا ہے۔ یہ اعداد و شمار وہ ننگی حقیقت ہیں جو چیخ چیخ کر بتا رہے ہیں کہ انسانیت کا زوال کتابوں میں لکھی ہوئی کوئی کہانی نہیں رہا بلکہ یہ غزہ کی گلیوں میں کھلی آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے اور یہ اعداد و شمار خبر دار کر رہے ہیں اگر آٹھ ارب انسانوں کے ضمیر نہ جاگے تو عنقریب یہ زمینی سیارہ کسی بہت بڑے حادثے کا شکار ہو سکتا ہے۔"

[روزنامہ جسارت]

اپریل و مئی ۲۰۲۵ء کے شمارے میں ہم نے ایک کالم "غزہ مجھے معاف کر دو" سے ایک اقتباس پیش کیا تھا۔ وہی کالم نگار جمال کنج مڈل ایسٹ مانیٹر میں لکھتے ہیں:

Forgive them not, Gaza…|Jamal Kanj

"عرب دنیا؟ مکمل اور سراسر شرم کا مقام ہے۔ غزہ قحط میں ڈوب گیا اور حکمران تماشائی بنے کھڑے رہے گویا کسی افسانوی ڈرامے کے غیر متحرک ناظر ہوں، لاتعلق اور بے حس۔ یمن کے سوا عرب، حکمران ہوں یا عوام، یا تو شرمناک خاموشی اختیار کیے رہے یا پھر اسرائیل کے ساتھ معمول کے کاروبار میں مصروف رہے، حالانکہ غزہ بھوک سے مر رہا ہے۔

......اسی دوران، یہ تشویش بڑھ رہی ہے کہ قحط میں دی گئی حالیہ محدود نرمی ایک وسیع تر حکمت عملی کا حصہ ہے، غزہ میں یرغمالیوں کو آزاد کروانے کی کوشش کی خاطر، ٹرمپ کی مستقبل میں غزہ میں مشترکہ فوجی کاروائی کی حمایت کے بدلے نیتن یاہو کی جانب سے محدود امداد کی اجازت۔ بھوک کے بدترین مناظر کو عارضی طور پر دبا دینے سے، ٹرمپ کے لیے امریکی فوجیوں کو ایک اور اسرائیل کے لیے گھڑی گئی جنگ میں بھیجنا آسان ہو جائے گا۔

......دریں اثناء، آبادی کا سب سے کمزور حصہ، ایک ملین بچے، آہستہ آہستہ نڈھال ہو رہے ہیں، جو بچ جائیں گے وہ صحت کے ناقابلِ بحالی مسائل اور گہرے نفسیاتی زخموں کا بوجھ اٹھائیں گے، جو کبھی نہیں بھریں گے۔ اپنے بچپن سے محروم وہ اپنے جسمانی اور جذباتی صدمات کو ہمیشہ کے لیے اٹھائیں گے۔ وہ نہ بھولیں گے اور نہ کبھی معاف کریں گے۔

انہیں کبھی معاف نہ کرنا، غزہ!

نہ اس یورپ کو جو تمہارے بچوں کو کھانا دینے سے انکار کرتا ہے،

نہ ان عربوں کو جو نظریں پھیر لیتے ہیں،

نہ ٹرمپ انتظامیہ کو جو تمہاری قحط کو فنڈ فراہم کر رہی ہے،

نہ ہی اس دنیا کو جو تمہیں بے سود تکلیف میں مبتلا دیکھتی رہتی ہے۔"

[Middle East Monitor]

اہلِ غزہ اور عربوں کی بے حسی

عرب ممالک کا جہاں ذکر چھڑا ہے تو ذکر ہو جائے سعودی عرب اور فرانس کے توسط سے غزہ کے حالات پر ہوئی کانفرنس کا جو ۲۸ جولائی ۲۰۲۵ء کو نیویارک میں منعقد ہوئی۔ جس میں سعودی عرب، قطر، مصر، اردن، ترکیہ سمیت ۲۲ عرب لیگ کے ممالک، یورپی یونین، اور مزید ۱۷ ممالک نے ایک اعلامیہ جاری کیا۔ جس میں نہ صرف ۷ اکتوبر کے طوفان الاقصیٰ کے حملوں کی مذمت کی گئی بلکہ پہلی مرتبہ مسلم ممالک نے مشترکہ طور پر حماس سے ہتھیار ڈالنے اور حکومت فلسطینی اتھارٹی کے حوالے کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔ ساتھ ہی امید ظاہر کی ہے کہ اس طرح نہ صرف جنگ کا خاتمہ ہو گا بلکہ دو ریاستی حل کی طرف معاملہ بڑھے گا۔ قطر نے حماس کے راہنماؤں کو ملک بدر کرنے کی دھمکی بھی دی ہے۔ کس قدر بے غیرتی اور ڈھٹائی سے یہ مسلمان حکمران ہتھیار ڈالنے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ یہی حکمران ہیں جنہیں مخاطب کر کے حماس کے ترجمان ابو عبیدہ نے کہا:

"اے مسلم اور عرب اقوام کے رہنماؤ! اور اس کے اشرافیہ، اس کی بڑی جماعتیں اور اس کے علماء: آپ خدا کے سامنے ہمارے مدمقابل (حریف) ہیں۔ آپ ہر یتیم بچے، ہر بیوہ عورت، ہر بے گھر، بے سہارہ، غمگین، زخمی اور بھوکے شخص کے مدمقابل ہیں۔ آپ کی گردنوں پر ہزاروں بے گناہوں کا خون ہے جنہیں آپ کی خاموشی نے مایوس کیا۔ یہ مجرم نازی دشمن آپ کی موجودگی اور نظروں کے سامنے یہ نسل کشی نہ کرتا اگر اسے سزا سے تحفظ، خاموشی کی ضمانت اور غداری کی خریداری نہ ملتی۔ ہم اس بہتے خون کے کسی ذمہ دار کو معاف نہیں کرتے اور نہ ہی ایسے شخص کو مستثنیٰ ٹھہراتے ہیں جو اپنی صلاحیت اور اثر و رسوخ کے مطابق عمل کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔"

لیکن یہ وہ آستین کے سانپ ہیں جن کے گلے میں انہی صہیونی طاقتوں کا پٹہ ہے۔ اب وقت آ گیا ہے کہ ایک ایک کر کے ان کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے، کیونکہ ان کے ہاتھ بھی غزہ کے مسلمانوں کے خون سے رنگے ہوئے ہیں اور یہ بھی فلسطینیوں کی نسل کشی میں برابر کے شریک ہیں۔

Gaza is starving and the world looks away | Adnan Hmidan

”اقوام متحدہ کی ایجنسیوں کے مطابق:

- غزائی بحران تباہ کن سطح پر پہنچ چکا ہے۔
- غزہ کے ۹۰ فیصد سے زیادہ بچے غزائی قلت کا شکار ہیں۔
- بھوک اور پانی کی کمی سے شیر خوار بچوں کی اموات اب روزمرہ کا معمول ہیں۔

پھر بھی دنیا خاموش ہے!

اس سے بھی بدتر یہ ہے کہ بعض حکومتیں اسرائیل کے اقدامات کو ”ذاتی دفاع“ کا نام دے کر جواز پیش کرتی ہیں، جیسے بھوک کو بطور ہتھیار استعمال کرنا بالکل جائز ہو۔

لیکن ذمہ داری صرف مغرب پر عائد نہیں ہوتی!

مصر کو بھی اپنے کردار پر جواب دہ ہونا پڑے گا۔ رفح کراسنگ، غزہ کا واحد راستہ جو اسرائیل کے کنٹرول میں نہیں، مہینوں سے بند ہے۔ قاہرہ امداد اندر بھیجنے یا مریضوں کو باہر نکالنے کے لیے اجازت تل ابیب سے طلب کرتا ہے۔ ہم کب تک یہ بہانہ تراشتے رہیں گے کہ یہ غیر جانبداری ہے؟

یہ جرم میں شرکت ہے!

اور ان عرب حکومتوں کا کیا جنہوں نے اسرائیل کے ساتھ تعلقات بحال کیے؟ کچھ خاموش رہیں، کچھ اس سے بھی دو ہاتھ آگے بڑھیں اور اس وقت جب غزہ بھوک سے مر رہا تھا انہوں نے اسرائیل کے ساتھ تعلقات مزید مضبوط کیے۔ کم از کم مغرب (اہل غزہ سے) تعلق کا دعویٰ تو نہیں کرتا۔ لیکن یہ حکومتیں کرتی ہیں، لیکن اپنے فلسطینی بھائیوں کے دکھ کا مداوا کرنے کے لیے کچھ نہیں کرتیں۔

......تو غزہ کے ساتھ پھر درحقیقت کون کھڑا ہے؟

کوئی حکومت نہیں، کوئی ادارہ نہیں، بلکہ عام لوگ۔ مظاہرین، عام شہری۔ وہ جو اب بھی ضمیر رکھتے ہیں اور آنکھیں پھیر لینے سے انکاری ہیں۔

غزہ کو کسی کے ترس کی ضرورت نہیں، اسے انصاف چاہیے۔ یہ نسل کشی کے خاتمے کا مطالبہ کرتا ہے، اور ان کے احتساب کا جنہوں نے اسے ممکن بنایا ہے۔

اب سوال یہ نہیں رہا کہ: ہو کیا رہا ہے؟

ہم اچھی طرح جانتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ: عمل کون کرے گا؟

اور جب تاریخ لکھی جائے گی، تو کون اپنی خاموشی کی وجہ سے جانا جائے گا۔

کیونکہ خاموشی، اس بھوک کے سامنے، غیر جانبداری نہیں!

یہ جرم میں شرکت ہے!“

[Middle East Monitor]

غربِ اردن کے کنارے بڑھتا ہوا صہیونی قبضہ

اکتوبر ۲۰۲۳ء میں ہونے والے معرکہ طوفان الاقصیٰ کے بعد مغربی کنارے پر اسرائیل کی فلسطینیوں کے خلاف کارروائیاں بھی تیزی سے بڑھیں، اور صہیونی انتہا پسندوں نے قابض فوج کی سرپرستی میں تیزی سے فلسطینیوں کے گھروں اور املاک کو نشانہ بنانا اور ان پر قبضہ کرنا شروع کر دیا اور ۷ اکتوبر کے حملوں سے اب تک ۱۸۵۰۰ سے زائد فلسطینیوں کو گرفتار کر کے اسرائیلی جیلوں میں ڈال دیا گیا۔ حال ہی میں مزید ۳ ہزار ایکڑ فلسطینی زمین پر حکومتی قبضے کی منظوری دی گئی ہے۔ اسی طرح مشرقی یروشلم میں بھی قبضہ بڑھایا جا رہا ہے۔ وسعت اللہ خان نے بھی، جن کی فلسطینی قضیہ پر بہت گہری نظر ہے، اپنی تحریر میں اس حوالے سے بہت اچھے طریقے سے توجہ دلائی ہے:

غزہ سے پہلے مغربی کنارہ ہڑپ ہو رہا ہے | وسعت اللہ خان

”غزہ کے المیے نے نہ صرف وہاں کی پوری آبادی کو غذائی و عسکری نسل کشی کے دہانے تک پہنچا دیا ہے بلکہ مغربی کنارے کی قسمت بھی سربمہر کر دی ہے۔ اس بحران کے شروع ہونے کے بعد سے اب تک مغربی کنارے پر اکتیس نئی یہودی بستیوں کی آبادکاری کی منظوری دی جا چکی ہے۔ مزید چالیس ہزار سے زائد فلسطینی خاندان بے گھر ہو گئے ہیں۔

سیکڑوں ایکڑ فصلیں اور باغات نذرِ آتش ہو چکے ہیں یا اجاڑے جا رہے ہیں، لگ بھگ ایک ہزار فلسطینی شہید اور چار گنا زخمی ہو چکے ہیں۔

۱۹۹۴ء کے نام نہاد اوسلو سمجھوتے کے تحت مغربی کنارے کا ساٹھ فیصد علاقہ ایریا سی کے نام پر اسرائیل کی دفاعی ضروریات کے لیے مختص ہے۔ یہاں کوئی فلسطینی باشندہ کچھ بھی تعمیر نہیں کر سکتا۔ اکیس فیصد علاقہ ایریا بی کے نام سے اگرچہ اسرائیل اور فلسطینی اتھارٹی کے مشترکہ کنٹرول میں ہے۔ عملاً اسرائیلی فوج مسلح آبادکاروں کو آگے رکھ کے ایریا بی کو بھی مقامی آبادی سے صاف کر رہی ہے۔

اب رہ جاتا ہے انیس فیصد ایریا اے۔ کہنے کو یہاں فلسطینی اتھارٹی کی اتھارٹی چلنی چاہیے۔ مگر اسرائیلی فوج دہشت گردوں کے قلع قمع کے نام پر ایریا اے کے شہروں اور قصبوں میں جس وقت جہاں اور جب چاہے گھس جاتی ہے، ناکہ بندی کرتی ہے اور برسوں سے قائم پناہ گزین کیمپوں کو بھی مکمل منہدم کر رہی ہے۔

مسجدِ اقصیٰ کا احاطہ اگرچہ قانوناً غیر مسلموں پر بند ہے اور اس احاطے کی علامتی نگرانی اردن کے ہاتھ میں ہے۔ مگر کوئی ہفتہ ایسا نہیں جاتا کہ کوئی نہ کوئی صیہونی جتھہ اس احاطے میں نہ گھسے اور نمازیوں کو بے دخل نہ ہونا پڑے۔

مسجد مسلسل فوج اور پولیس کے محاصرے میں رہتی ہے۔ یعنی یروشلم سمیت مغربی کنارہ عملاً اسرائیل میں ضم ہو چکا ہے۔ بس باضابطہ اعلان کی کسر ہے تاکہ عرب ممالک، او آئی سی، اقوام متحدہ اور کچھ غیر عرب ریاستیں بین الاقوامی قوانین کا علم اٹھائے پہلے کی طرح کچھ ہفتے ماتم کر سکیں۔"

[روزنامہ ایکسپریس]

اسی طرح ایک انسانی حقوق کے ایک کارکن (جن کا، لب کشائی کرنے کی پاداش میں، ویزا کینسل کر دیا گیا) اپنا آنکھوں دیکھا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

I saw many atrocities as a senior aid official in Gaza. Now Israeli authorities are trying to silence us | Jonathan Whittall

" یہ انتقامی کارروائیاں اس حقیقت کو مٹا نہیں سکتیں جو ہم نے روزانہ دیکھی ہے، نہ صرف غزہ میں بلکہ مغربی کنارے میں بھی۔ جو میں نے وہاں دیکھا وہ غزہ میں ہونے والے واقعات سے مختلف نظر آتا ہے، لیکن اسک کا ایک متحدہ مقصد ہے: علاقائی تسلسل کو توڑنا اور فلسطینیوں کو مسلسل سکڑتے ہوئے محصور لاقوں میں دھکیلنا۔ مغربی کنارے کے فلسطینیوں کو روزانہ جبر و استبداد کا سامنا ہے، انہیں آبادکاروں کے تشدد اور املاک کو مسمار کرنے کے ذریعے ان علاقوں سے باہر دھکیلا جا رہا ہے جہاں بستیاں پھیل رہی ہیں اور نقل و حرکت پر پابندیوں کے جال کے ذریعے انہیں منقطع شدہ اور خصوصی تعمیر کردہ علاقوں میں دھکیلا جا رہا ہے جہاں فوجی آپریشنز بڑھ رہے ہیں۔

غزہ کو بھی ٹکڑوں میں تقسیم کیا جا رہا ہے۔ اس کے ۲۱ لاکھ لوگوں کو اب پٹی کے صرف ۱۲ فیصد رقبے میں دھکیلا جا رہا ہے۔ مجھے ۱۳ اکتوبر ۲۰۲۳ء کو وہ خوفناک کال موصول ہونا یاد ہے جس میں شمالی غزہ کی مکمل جبری نقل مکانی کا اعلان کیا گیا تھا۔ اس ظالمانہ ابتدائی عمل کے بعد سے، غزہ کے تقریباً تمام لوگوں کو، ایک بار نہیں بلکہ بار بار، بغیر مناسب پناہ، خوراک یا تحفظ کے جبری طور پر بے گھر کیا گیا ہے۔ میں نے خود دیکھا کہ کہ فلسطینی زندگی کو برقرار رکھنے کے وسائل کو منظم طور پر تباہ کیا جا رہا ہے۔

ہم نے دیگر ہسپتالوں کے صحنوں میں موجود اجتماعی قبروں کو کھولنے میں مدد کی جہاں خاندان بکھرے ہوئے کپڑوں میں اپنے پیاروں کی شناخت کرنے کی کوشش کر رہے تھے جنہیں مارنے یا غائب کرنے سے پہلے برہنہ کیا گیا تھا۔ ہم نے فوجیوں سے بحث کی جو ایک چیختے ہوئے ریڑھ کی ہڈی کے زخمی مریض کو زبردستی ایمبولینس سے ہٹانے کی کوشش کر رہے تھے، جب اسے ہسپتال سے نکالا جا رہا تھا۔ ہم نے ڈرون حملوں اور ٹینک کے گولوں سے ہلاک ہونے والے امدادی کارکنوں کی لاشوں کو واپس بھیجا جو امداد فراہم کرنے کی کوشش کر رہے تھے، اور این جی اوز کے کارکنوں کے خاندان کے افراد کی لاشیں جمع کیں جو ان مقامات پر ہلاک ہوئے جنہیں اسرائیلی فوج نے 'انسانی' مقامات کے طور پر تسلیم کیا تھا۔"

[The Guardian]

آزاد فلسطینی ریاست کے قیام اور فلسطینی ریاست کو تسلیم کرنے کے دعوے ایک ایسا سراب ہیں جو کبھی حقیقت نہیں بن سکتا۔ ایک طرف یہ مغربی طاقتیں نام نہاد "تشویش" کے کھوکھلے بیانات جاری کرتی ہیں، اسرائیل کو فلسطینی ریاست "تسلیم" کرنے کی دھمکی دیتی ہیں تو پس پردہ اس بات کا خاص خیال رکھتی ہیں کہ اسرائیل کو خفیہ معلومات، ہتھیاروں اور تجارتی اشیاء کی ترسیل میں کوئی رکاوٹ حائل نہ ہو۔ امریکہ اور یہ یورپی اقوام فلسطینیوں کی اس نسل کشی میں پوری طرح شریک جرم ہیں۔ اور نہ ان سے اور نہ ہی ان کے کٹھ پتلی

غدار مسلم حکمرانوں سے کسی بھی قسم کی خیر کی توقع کی جاسکتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کی خدائی اور اس کا اختیار ان تمام طاقتوں پر بھاری ہے۔

اللہ تعالیٰ نے غزہ میں بے سروسامانی کے عالم میں لڑنے والے ان مٹھی بھر جوانوں کا ایسا رعب اور ایسی ہیبت دشمن پر طاری کی ہے کہ اس کا اندازہ اس رپورٹ سے لگائیں جو اسرائیلی نشریاتی ادارہ کان (KAN) نے شائع کی ہے۔

رپورٹ کے مطابق ۲۰۲۵ء کے شروع سے اب تک ۱۶ فوجیوں نے خودکشی کی جبکہ یہ تعداد ۲۰۲۴ء میں ۲۱ اور ۲۰۲۳ء میں ۱۷ تھی۔ دوسری طرف انیس ہزار فوجی جو اب تک زخمی ہوئے ہیں ان میں سے دس ہزار اب بھی نفسیاتی علاج کے اداروں میں ٹریٹمنٹ لے رہے ہیں۔ بے شک یہ تعداد حقیقت میں اس سے بھی بڑھ کر ہوگی۔ اور دشمن کے ”ناقابل شکست“ ہونے کے مفروضے کی بھی نفی کرتی ہے۔ بے شک اللہ کے لیے کوئی مشکل نہیں ہے کہ وہ ان گنتی کے چند لٹے پٹے بندوں کے سامنے کھڑے دشمن کو شکست کی دھول چٹا دے۔ نیتن یاہو نے جو پورے غزہ پر قبضے کا اعلان کیا ہے، یہ اپنے ہی پاؤں پر کلہاڑا مارا ہے۔ کیونکہ قابض فوج اس قدر بزدل ہے کہ بچوں بوڑھوں اور خواتین کو تو تاک تاک کر نشانہ بنا سکتی ہے لیکن فلسطینی بہادر نوجوانوں سے دو بدو لڑائی کی سکت نہیں رکھتی۔ ایسے میں ہمیں، جو دین و جہاد کے علمبردار کہلاتے ہیں، غزہ اور قبلہ اول کو بچانے کے لیے تدبیر کر لینی چاہیے اور اللہ کے اس حکم کو یاد رکھنا چاہیے:

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ○

”اور (اے مسلمانو) تمہارے پاس کیا جواز ہے کہ اللہ کے راستے میں اور ان بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو یہ دعا کر رہے ہیں کہ: اے ہمارے پروردگار! ہمیں اس بستی سے نکال لائیے جس کے باشندے ظلم توڑ رہے ہیں، اور ہمارے لیے اپنی طرف سے کوئی حامی پیدا کر دیجیے، اور ہمار لیے اپنی طرف سے کوئی مددگار کھڑا کر دیجیے۔“

☆☆☆☆☆

بقیہ: کیا ریاست اسلامی ہو سکتی ہے؟

اسلامی نقطۂ نگاہ سے سے ریاست اور اسلامی حاکمیت (یعنی خلافت یا امارت) میں ایک اساسی فرق یہ بھی ہے کہ ریاست اپنی حاکمیت کا نفاذ ارادۂ حاکمیت کے اظہار کے طور پر کرتی ہے جبکہ خلافت، نیابتِ رسول ﷺ کے طور پر شریعت کے تحت مسلمانوں کے دینی و دنیوی امور کی نگہبانی ہے۔ نیز ریاست اپنا تسلط بیوروکریسی کے منظم نظام کے تحت ہمہ گیر و بے لچک قوانین کے تحت نافذ کرتی ہے۔[1] جبکہ اسلامی حکومت شریعت مطہرہ کی پابند اور احکام شریعت میں اختلاف و تنوع کی رعایت کرتی ہے۔ ریاستی نظم کے تحت شہریت (Citizenship) کی اجتماعی ذات (Subjectivity) پروان چڑھتی ہے اور دیگر سماجی اکائیاں، یعنی خاندان، برادری و قبیلے کی شناختیں مٹ جاتی ہیں یا کمزور ہو جاتی ہیں۔ اس طرح ایک انفرادیت پسند و لادین معاشرے کی بنا پڑتی ہے جو اسلامی طرز معاشرت کے یکسر متضاد ہوتا ہے۔

ریاست اپنی فکری بنیادوں، ساخت، ادارہ جاتی انتظام اور اثرات، الغرض ہر لحاظ سے اسلامی حکومت کے یکسر متضاد سیاسی صف بندی کی شکل ہے جو غلبۂ دین کے داعیان تو کجا، عام دینی فہم رکھنے والے مسلمان کے لیے بھی ناقابل قبول ہونا چاہیے۔ تاہم بدقسمتی یہ ہے کہ جدید مغربی تہذیب اپنے تمام تر سیاسی، سماجی و معاشی اداروں اور تصورات کو انسانی تہذیبی 'ارتقاء' کے طور پر پیش کر کے دھوکہ دیتی ہے جس سے عام ذہن تو کیا بڑے بڑے صاحب فکر حضرات تک مغالطے میں پڑ سکتے ہیں۔ انہی مغالطوں کا نتیجہ ہے کہ سیاسی اجتماعیت یا حکومت کا تصور کرتے ہی آج ہمارے ذہن فی الفور 'ریاست' نامی اجتماعیت کا ہی تخیل کرتے ہیں جبکہ خلافت، امارت اور ان کی ما قبل از جدید دور کی حکومتی شکلیں قصہ پارینہ بن چکی ہیں۔ ستم یہ ہے کہ غلبۂ اسلام اور اقامتِ دین کا درد رکھنے والے حضرات بھی ریاست کی ماہیت، فکری بنیادوں اور اثرات پر غور کرنے اور خلافت و امارت کے تصورات کا حقیقی معنوں میں احیا کر کے حقیقی اسلامی حکومت اور معاشرت کا احیاء کرنے کی بجائے دین پسند عوام میں 'اسلامی ریاست' کے خواب سجانے پر تُلے ہیں۔

آخر میں قارئین کرام سے دست بستہ گزارش ہے کہ اس ٹوٹی پھوٹی تحریر کی کمی بیشی سے صرفِ نظر کرتے ہوئے اسے فقط غلبۂ دین کے داعی حضرات کے لیے ریاستی تحکیم پر دعوتِ فکر سمجھیں۔ جس سے مقصود محض بارش کا پہلا قطرہ بنتے ہوئے اس موضوع پر سنجیدہ مطالعے کی طرف توجہ مبذول کروانا ہے۔

☆☆☆☆☆

[1] شریعت و قانون (Law) ہر لحاظ سے دو علیحدہ تصورات ہیں۔ شریعت (یا فقہ) اگر نصوص کا فہم ہے تو قانون ریاست (بالفاظِ دیگر انسان) کے ارادۂ حاکمیت کی علامت ہے۔ قانون انسانی ذہن کی پیداوار، یکساں اور غیر مقدس ہوتا ہے جس کا اخلاقی ہونا ضروری نہیں۔ جب کہ اس کے برعکس، شرعی احکام کا ماخذ وحی الٰہی ہے، جو مقدس اور انسانی حالات کی رعایت کے ساتھ ہمہ وقت اخلاقی ہوتے ہیں۔ قانون و اخلاق کی اسی دوئی کی وجہ سے ریاست اخلاقی جواز سے محروم ہوتی ہے، نتیجتاً ریاستی حکمرانی ادارہ جاتی نفوذ اور طاقت کی محتاج ہوتی ہے۔ اس کے برعکس شریعت کا نفاذ تاریخی طور پر طاقت سے زیادہ اصلاح نفس کے ذریعے فرد اور معاشرے کی اخلاقی اصلاح کے ذریعے ہوتا آیا ہے۔ قانون و اخلاق کی اس دوئی اور اصلاح نفس (Technologies of the Self) کی تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: ”Impossible State“

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے!

قاضی ابو احمد

بھوک، ایک ایسی قطعی حقیقت ہے کہ جس کا تجربہ ہر ذی روح کو ہے۔ یہ بڑی ظالم شے ہے اور انسان کو انسانیت کے درجے سے گرا دینے کا ایک بڑا محرک بھی بن سکتی ہے۔ حدیث میں اس سے پناہ مانگی گئی ہے اور اسے بہت برا ہم نشین قرار دیا گیا ہے۔ لیکن اگر نگاہ بلند ہو تو بلند کردار انسان اس بھوک کا سامنا پامردی سے کرتے ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ انہیں اس کی شدت تکلیف نہیں دیتی یا انہیں اپنے پیاروں کے مرجھائے ہوئے چہروں کی پروا نہیں ہوتی، مگر ان کے سامنے ایک بلند مقصد سر اٹھا کر کھڑا ہوتا ہے جو ان کے قدموں کو رکنے نہیں دیتا۔ ان کو متحرک رکھنے والی چیز ان کے رب کی رضا اور اس رضا کے نتیجے میں ملنے والا دائمی امن و آسودگی ہے۔ اسلام کے اس سنہرے دور میں، جب نبوت کا سورج اپنی روشن کرنیں ہر جانب بکھیر رہا تھا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خود بھوکے رہ کر یا کم درجے کی چیز پر گزارا کر کے اپنے کافر قیدیوں کو پیٹ بھر کر بہتر سے بہتر میسر خوراک مہیا کرتے تھے۔ پھر انہی صحابہ کرام نے کئی کئی غزوات و سرایا کے لیے سفر بھوکے پیٹ کیے۔ نبی کریم ﷺ نے خود غزوۂ خندق کے دوران بھوک کی شدت سے دو دو پتھر پیٹ پر باندھے۔ کیوں؟ کیونکہ انہیں اللہ کے وعدوں پر یقین تھا، ان وعدوں پر کہ جن پر کفار نے آپ ﷺ کو طنز کا نشانہ بنایا کہ کھانے کو کچھ ہے نہیں، بھوک سے پیٹ پر پتھر باندھ رکھے ہیں اور بشارت دے رہے ہیں قیصر و کسریٰ کے محل فتح کرنے کی۔ اور دنیا نے جاگتی آنکھوں سے اللہ کے وعدوں کو چند سالوں کے اندر اندر پورا ہوتے پایا۔ آج اہل غزہ اپنے پیارے نبی ﷺ اور ان کے مانند نجوم صحابہ کی سنت زندہ کر رہے ہیں۔ کٹ رہے ہیں، مر رہے ہیں، بھوک سے نڈھال ہیں، اپنے بچوں کو بھوک اور پیاس سے ایڑیاں رگڑتے دیکھنے پر مجبور ہیں مگر باذن اللہ ثابت قدم ہیں۔ کیوں؟ کیونکہ انہیں اللہ کے وعدوں پر یقین ہے۔ کیا ان کے لیے اس آزمائش سے گزرنا آسان ہے جو دو سال سے اپنی پوری شدت کے ساتھ ان پر مسلط ہے؟ نہیں! ہم ان کے عزم و استقلال اور صبر و ہمت کی داد دیتے ہیں مگر کیا یہ داد ان کی دادرسی کے لیے کافی ہے؟ وہ دادرسی جو ہم پر واجب ہے! ۔ایک معصوم بچی نے کہا Stop romanticizing Gaza، غزہ کی حقیقت کو مسخ کرنا بند کر دو، اہل غزہ کے حالات کو ایک دیومالائی غیر حقیقی داستان کی طرح پیش کرنا بند کر دو۔ حقیقت ہے کہ ہمارا یہی حال ہے کہ ہم ان کے صبر و ثبات کی شان میں قلابے ملاتے یہ بھول جاتے ہیں کہ وہ جس آزمائش سے گزر رہے ہیں وہ حقیقی ہے، خیالی نہیں اور اس آزمائش میں انہیں تعریف و توصیف کی نہیں بلکہ حقیقی اور فوری مدد کی ضرورت ہے، اور یہ مدد ان پر امت کا احسان نہیں کہ کریں تو احسان اور نہ کریں تو کوئی مواخذہ نہیں...... بلکہ اہل غزہ کی یہ مدد امت پر واجب ہے۔ آج زمین کو ٹکڑوں میں تقسیم کر کے ہر ٹکڑے کا ایک الگ حاکم بن بیٹھا ہے اور وہ اپنے اوپر ان لوگوں کی خدمت بھی واجب نہیں سمجھتا جن پر وہ حاکم بنا بیٹھا ہے کجا کہ اس کے پڑوس میں بنیادی انسانی ضروریات کے لیے ترستے بلکتے کروڑوں لوگ ہوں اور وہ ان کی پروا کرے۔ عوام کی پروا کا خاصہ تو خاصانِ خدا میں ہی ہوتا ہے کہ فرات کنارے ایک بکری کا بچہ بھی بھوکا مر جائے تو وہ اس کی جوابدہی کی فکر کریں۔ دنیا میں کوئی جوابدہ ہو یا نہ ہو مگر حقیقت یہ ہے کہ اہل غزہ کے قتل میں پوری امت کا ہر وہ فرد شریک ہے جو کچھ کرنے کی استطاعت رکھتا تھا مگر اس نے نہ کیا اور اس کے لیے وہ اپنے رب کے سامنے اس روز جوابدہ ہوگا جب اہل غزہ اس کا گریبان پکڑ کر سوال کریں گے کہ ہمارے بچے بھوک سے مر رہے تھے تو تم کہاں تھے۔

غزہ سینے میں سلگتا وہ زخم ہے جو ہر لحہ تڑپاتا ہے لہٰذا نوک زبان پر کوئی بات آتی ہی نہیں مگر غزہ کا ذکر کیے بغیر۔ اگست کا مہینہ ہے، اہل اسلام سے منسوب دو پڑوسی ممالک کی آزادی دہائیوں کے فرق سے اسی مہینے کے ایک ہی عشرے میں عمل میں آئی۔ ایک پر شریعت حاکم ہے اور دوسرے پر جرنیلیت۔ جہاں شریعت حاکم ہے وہاں نصف صدی کی جنگ اور مغربی پابندیوں کے صدقے غربت اور پسماندگی ہے مگر وہ مادی صورت حال ہے، یہ قوم ذہنی پسماندگی اور غیر کی نقالی اور مغرب سے مرعوبیت کے امراض میں مبتلا نہیں۔ اس پر جو حکمران ہیں ان پر ان کے عوام کا اطمینان ہے کہ وہ چور نہیں ہیں، منافع خور نہیں ہیں، کرپٹ نہیں ہیں اور وہ ان کے خیر خواہ ہیں۔ وہ تنگی اور کشادگی ہر حالت میں ان کے ساتھ ہیں۔ عوام کو یقین ہے کہ وہ عوام کے مال پر شاہانہ زندگیاں بسر نہیں کرتے اور نہ ہی مشکلات دیکھ کر عوام کو بے یار و مددگار چھوڑ کر مغربی ممالک کا رخ کرنے والے ہیں۔ اور جہاں جرنیلیت غالب ہے وہاں تو آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے۔ مقصد و منشا صرف اور صرف اپنے پیٹ، اپنے بینک اکاؤنٹ بھرنا اور حاکمیت جتانا ہے۔ انسانی جان کی سرے سے کوئی اہمیت نہیں ہے الا یہ کہ وہ جرنیلوں کے منظور نظر کی ہو یا فوج کی گڈ بک میں موجود سیاست دانوں، صنعت کاروں، بیوروکریٹ وغیرہ کی ہو۔ رہ گئے عوام تو وہ تو کسی کھاتے شمار میں ہی نہیں ہیں کیونکہ وہ تو صرف اعداد و شمار ہیں جن کی ضرورت ووٹوں کی گنتی کے وقت پڑتی ہے۔ رہ گئی معیشت تو ملکی معیشت کا گراف نیچے سے نیچے، عوام کی معاشی حالت خط غربت کے قریب یا اس سے بھی نیچے اور حکمران طبقے اور فوج کی معیشت کا گراف دن دوگنی رات چوگنی ترقی دکھا رہا ہے۔ ایک ایسا ملک کہ جسے اللہ رب العزت نے بیش بہا وسائل سے نوازا ہے، اگر درست ڈگر پر چلایا جائے تو امت کی رہنمائی کا فریضہ انجام دے سکتا ہے مگر اس کے اخلاقی انحطاط کا حال یہ ہے کہ اس کی ایک بیٹی پردیس میں جرم ناکردہ کی سزا بھگت رہی ہے، ہر طرح کا تشدد اور اذیت برداشت کر رہی ہے اور اس ملک کے حکمران کہتے ہیں کہ جو جرم کرے گا وہ سزا بھگتے گا! اگر یہی اصول ہے تو سب سے پہلے انہی حکمرانوں اور فوجی قیادت کا گریبان پکڑ کر کٹہرے میں کھڑا کرنا چاہیے کہ ان سے بڑھ کر مجرم اس ملک میں

اور کون ہے۔ چور یہ ہیں، غاصب یہ ہیں، قاتل یہ ہیں، دین دشمن یہ ہیں اور ملک و ملت و عزت فروش بھی یہی ہیں، پس سب سے پہلے پھر انہی کو اپنے اعمال کی سزا بھگتنی چاہیے۔

۱۹۷۱ء میں پاکستان دولخت ہوا۔ ہمیشہ یہ دیکھا ہے کہ اقلیت اکثریت سے جدا ہوتی ہے مگر پاکستان کے معاملے میں اکثریت اقلیت سے جدا ہوئی اس ظلم و ناانصافی کی وجہ سے جو ان کے ساتھ روا رکھی گئی۔ وہی ظلم اور وہی ناانصافی آج بلوچستان کے عوام سہہ رہے ہیں۔ پاکستان اپنی غلط پالیسیوں اور مفاد کی سیاست کی بنا پر بلوچستان کو اپنا دشمن تو بنا ہی چکا ہے مگر حالات نہ سدھارے گئے تو بعید نہیں کہ پاکستان کو اپنے اس بازو سے بھی ہاتھ دھونے پڑیں۔ لاپتہ افراد کے لواحقین، خواہ وہ لاپتہ افراد مجاہدین ہوں، اسلام سے محبت رکھنے والے ہوں یا قوم پرست بلوچ و دیگر، نہ زندوں میں ہیں نہ مردوں میں۔ سالہا سال سے اپنے پیاروں کی تصاویر اٹھائے اسلام آباد کی سڑکوں کی خاک چھان رہے ہیں۔ یہی خاک چھانتے چھانتے معصوم بچے جوان ہو گئے مگر ان کے باپوں کی کوئی خیر خبر نہ ملی۔ بوڑھے ماں باپ اپنے بیٹوں کی خبر پانے کی امید لیے لیے ہی قبر کو جا پہنچے اور بیویاں سالہا سال سے بیواؤں اور بچے یتیموں کی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ وہ ریاست کہ جس کی رٹ بات بات پر چیلنج ہو جاتی ہے، کیا اس ریاست کے کچھ فرائض بھی ہیں؟ اس ریاست کے مجاور صرف اپنے دامن بھرنے کے لیے ہی مجاوری کرتے ہیں، کسی کی ضرورت و حاجت پوری ہو نہ ہو انہیں پروا نہیں ہے۔

ایک طرف غزہ ہے کہ جہاں اس قدر مشکل حالات میں بھی لوگ انسانیت سے عاری نہیں ہوئے۔ وہ نہتے ہاتھوں سے بغیر کسی مشینری کے ملبے تلے دبے انسانوں کو نکالنے اور بچانے کی کوشش کرتے ہیں اس حال میں کہ جو ملبے تلے دبے ہیں وہ بھی بھوک سے بے تاب ہیں، جو انہیں نکال رہے ہیں وہ بھی بھوکے ہیں، جو ان کی خبر دے رہے ہیں وہ بھی بھوکے ہیں، جو انہیں ہسپتال لے جا رہے ہیں وہ بھی بھوکے ہیں اور جو ان کا علاج کر رہے ہیں وہ بھی بھوکے ہیں اور جو انہیں دفنا رہے ہیں وہ بھی بھوکے ہیں، مگر پھر بھی ان کے اندر انسانیت زندہ ہے اور وہ ملبے تلے دبے بلیوں اور کتوں تک کو نکالنے کے لیے وقت اور محنت صرف کرتے ہیں اور ایک جانور کی جان بچا کر بھی تسکین پاتے ہیں۔ دوسری طرف یہ جرنیلیت زدہ ملک ہے جس میں بلڈی سویلین کی زندگی کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ تمام تر وسائل کے ہوتے ہوئے بھی درسیوں انسان سیلاب کی نذر ہو جاتے ہیں اور کسی کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔ انسان کی زندگی اس قدر ارزاں ہو گئی اور نفسا نفسی اس قدر غالب ہو گئی کہ لوگوں کو مرے مہینوں گزر جاتے ہیں اور پڑوسیوں کو خبر نہیں ہوتی کہ ہمارے پڑوسی زندہ بھی ہیں یا نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اگست کا مہینہ اہلِ پاکستان کے لیے جشن کا مہینہ نہیں ہے، کس بات کا جشن منائے کوئی؟ کیا پایا ہے قریباً اسّی سالہ زندگی میں اس کے عوام نے؟ ہاں البتہ اسے سود و زیاں کے حساب کا مہینہ بنا لیا جائے تو کچھ فائدہ ہو۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ قریباً اسّی سالہ تاریخِ پاکستان زیاں ہی زیاں سے عبارت ہے، پاکستان کا مطلب کیا آج وہ سوال ہے جو اس کے ایک ایک شہری کے لب و ذہن میں گونج رہا ہے۔ گر پاکستان کا مطلب لا الہ الا اللہ ہوتا تو پاکستان اسی کی تفسیر ہوتا۔ لا الہ الا اللہ کی رسی تھام کر وہ چلتا تو آج امت کی سیادت اس کے ہاتھ میں ہوتی مگر اس نے اللہ سے بڑھ کر مضبوط سہارے ڈھونڈنا چاہے، نتیجتاً وہ اللہ کی مدد و نصرت سے محروم کر دیا گیا اور اس پر وہ طبقہ مسلط کر دیا گیا جس کا اللہ اور اس کے رسول سے دور دور کا واسطہ بھی نہیں ہے۔ اس قوم و ملک کی فلاح کا ضامن آج بھی لا الہ الا اللہ ہے، خواہ وہ فرد کی زندگی میں ہو یا معاشرے و قوم کی۔ یہی لا الہ الا اللہ نجات کی کنجی ہے، کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے؟

☆☆☆☆☆

آؤ سچ بولیں!

کھلا ہے جھوٹ کا بازار، آؤ سچ بولیں
نہ ہو بلا سے خریدار، آؤ سچ بولیں

سکوت چھایا ہے انسانیت کی قدروں پر
یہی ہے موقعۂ اظہار، آؤ سچ بولیں

ہمیں گواہ بنایا ہے وقت نے اپنا
بنامِ عظمتِ کردار، آؤ سچ بولیں

سنا ہے وقت کا حاکم بڑا ہی منصف ہے
پکار کر سرِ دربار، آؤ سچ بولیں

جو وصف ہم میں نہیں کیوں کریں کسی میں تلاش
اگر ضمیر ہے بیدار، آؤ سچ بولیں

چھپائے سے کہیں چھپتے ہیں داغ چہروں کے
نظر ہے آئینہ بردار، آؤ سچ بولیں

قتیلؔ جن پہ سدا پتھروں کو پیار آیا
کدھر گئے وہ گنہ گار، آؤ سچ بولیں

(قتیلؔ شفائی)

علاج نیست!

محترمہ عامرہ احسان صاحبہ

آج دنیا تہذیبی اعتبار سے دیوانگی کی حدوں کو چھو رہی ہے۔ ظلم و جور جس پیمانے پر برپا ہے غزہ اس کی ہولناک مثال ہے۔ بے شمار ممالک میں (بھارت، کشمیر کی طرح) انسان بھنبھوڑے جا رہے ہیں۔ دیکھ کر برداشت کرنے والے بھی کچھ کم پاگل نہیں کہ ۸ ارب انسان اور الیس منکم رجلٌ رشید کا سوال چلا چلا کر پوچھتا ہے۔ ظلم کا ہاتھ توڑنے والا کوئی ایک بھی نہیں؟ یقیناً مغربی نوجوان، طلباء بالخصوص آواز اٹھانے کی حد تک غزہ پر دیوانہ وار متحرک رہے ہیں۔ اب بھی لندن تھرا رہا ہے مظاہرین کے قدموں تلے۔ ایڈنبرا یونیورسٹی کے میڈیکل گریجویٹ طلباء نے اپنی سالہا سال کی محنت کا ثمر سمیٹنے کا دن، کانووکیشن کو فلسطین کی نذر کیا۔ جھنڈے لہراتے، کفیہ اوڑھے، نعرے لگاتے پوری انتظامیہ، مہمانوں کے سامنے سٹیج پر سے احتجاج کرتے نکل گئے۔ پروگرام درہم برہم۔ نہ مستقبل کی پروا، نہ ڈگریوں کا غم۔ مگر یہ اتمام حجت ہے پورے نظام کے ہلاکت خیز، بے رحم، بے انصاف ہونے پر۔ عملی تبدیلی دو سال میں نہ آسکی دنیا بھر کے باضمیر افراد کی کوششوں کے باوجود۔ ہر دن ظلم کی وہ تاریخ رقم ہو رہی ہے کہ جہنم کا غضبناک ہو کر دھاڑنا، شدتِ غضب سے پھٹ پڑنا سمجھ آتا ہے۔ (الملک:۸،۷) حاملہ ماں کو غزہ میں شہید کر کے چاک پیٹ میں بچے کا سر قلم کرنا، یہ امریکہ، اسرائیل اور یورپ چمکتی دمکتی دنیا کا کریہہ چہرہ ہے۔ جس فلسطینی صحافی نے یہ خبر بیان کر کے دنیائے صحافت سے سوال کیا ہے، وہ (خاکم بدہن) نشانہ قرار پائے گا! یہ ہے شاندار میڈیا کہ یہ ہولناک خبر کہیں رپورٹ نہیں ہوئی!

غزہ آزمائش کی آخری انتہاؤں پر ہے۔ اعداد و شمار، اموات کے آنکھوں میں دھول جھونکتے ۶۰ ہزار تک سسک سسک کر پہنچے ہیں۔ ورنہ ۲۳ لاکھ آبادی ۲ سال میں مسلسل بمباریوں کا لقمہ بنی ہے۔ حقیقی تعداد ۴ لاکھ ہے! رہے مسلمان تو وہ بھی باقی دنیا کی طرح چھٹائی، صفائی کے عمل سے گزر رہے ہیں۔ ’اللہ اہل ایمان کو اس حالت میں ہرگز نہ رہنے دے گا جس میں تم لوگ اس وقت پائے جاتے ہو۔ وہ پاک لوگوں کو ناپاک سے الگ کر کے رہے گا۔‘ (آل عمران:۱۷۹) جنت کے آباد کار ہر انسانی کھیپ (Batch) میں سے چھانٹے جاتے ہیں ان کی کارکردگی رعمل، ایمان کی بنیاد پر۔ وہ قبر میں اتر جاتے ہیں اور بغرضِ امتحان اگلی کھیپ ان کی جگہ لیتی ہے۔ امتحان کی نصابی کتابیں (صحائف)، اساتذہ (انبیاء و رسل) آتے رہے، اور یہ آخری نبی ﷺ کی آخری امت ہے۔ غزہ نے حق واضح کر دیا۔ باضمیروں نے دنیا بھر میں لبیک کہا۔ مسلمان حسب قرآن و سنت ہوتا ہے۔ مکمل بے نیازی برتے تو منافق۔ ہمیں اپنی فکر کرنی ہے۔ پیمانہ واضح ہے!

غزہ بھوک سے ختم ہو رہا ہے۔ اب پانی پر سسکانے کی باری ہے۔ پانی کے نظام پر میزائل مار دیا۔ پانی لینے والے ۴۰ شہید ہو گئے۔ زیادہ تر بچے تھے۔ اور چاروں طرف ۲ ارب مسلمانوں کی آبادی تماش بین ہے۔ بے حس و حرکت یا درپردہ شریکِ جرم! پناہ بخدا!! اہل غزہ کے لیے اللہ نے غزوۂ احد (پورا نبویؐ دور ہی!) کی صورت عظیم مدرسہ تربیت عطا کیا جسے سورۃ آلِ عمران نے صبر و استقامت کے اسباق اور عظیم کرداروں کی تشکیل کا نصاب بنا دیا۔ احد واحزاب میں آزمائشوں کی شدتیں، مسلمانوں کو روم و ایران کی فتوحات اور پھر، تھمتا نہ تھا کسی سے سیلِ رواں ہمارا، کے لائق بنا گئیں۔

فَاَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰي مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۝ (سورۃ آل عمران:۱۵۳)

”اللہ نے تم کو غم پر غم پہنچایا تاکہ جو چیز تمھارے ہاتھ سے جاتی رہے یا جو مصیبت تم پر واقع ہو تم اس پر ملول، اندوہ زدہ نہ ہو۔ اور اللہ تمھارے سب اعمال سے باخبر ہے۔“

سفر جو اپنا قدم قدم پر صعوبتوں سے بھرا ہوا ہے
یہی تو جنت کا راستہ ہے، یہی تو جنت کا راستہ ہے!

گریٹر اسرائیل کی تیاری پورے زور و شور سے جاری ہے۔ امریکہ، یورپ سرپرستِ اعلیٰ اور مسلم ممالک فدوی ہیں۔ شام بشار الاسد کے شکنجے سے تو آزاد ہو گیا ہے، مگر سر جھکائے بڑے عرب ممالک اور امریکہ کی معیت میں انہی کے ہم قدم ہے۔ اللہ کی امان ہو!

یہ تو جنگلوں کی دنیا تھی جس میں بین الاقوامی سطح کا لینڈ مافیا، ہمہ نوع اسلحے سے لیس دندناتا پھرتا ہے۔ اخلاقی، تہذیبی، ثقافتی سطح پر بھی اسفل السافلین ہونے کی انتہا دنیا کو متعفن کر رہی ہے۔ اس کا بدترین پہلو دنیا کی قیادت، حکمران، بڑی سرمایہ دار سیاسی شخصیات کے کردار کی گراوٹ ہے۔ امریکہ کے ایپسٹین سکینڈل کی شرمناک کہانیاں ایک ایکسرے ہے جس کا۔ ابلیس کے وعدے کے مطابق بدترین گناہ نہایت مزین، خوبصورت اصطلاحات میں ملفوف، میڈیا کی چکا چوند اور کالی ہمہ نوع سکرینوں سے کورونا کی طرح امڈتی وبائیں ہیں یہ۔ وہ بگاڑ جو نظر بھی نہ آئے اور اندر ہی اندر روحانی موت واقع ہو جائے۔ نہایت متعدی اخلاقی امراض جس سے آبادیوں کی آبادیاں روحانی سطح پر کھوکھلی ہو کر فنا ہو جائیں۔ سیکولرازم، لبرلزم، روحانی نظامِ حیات نگل گیا۔ اللہ، رسول، آخرت پر ایمان نہایت دھندلا پڑ گیا یا جاتا رہا۔ مغرب کی طرح ہمارے ہاں بھی (کالی سکرینوں، سوشل میڈیا، لنڈے کا نظامِ تعلیم و تہذیب کے ہاتھوں) خاندانی نظام کمزور پڑ گیا۔ ان کی بدبودار اصطلاحوں نے محبت، ایثار، شفقت، رفاقت، تحفظ عطا کرنے والے سبھی رشتوں کو ’پدرسری‘، پدرشاہی نظام کا نام دے کر باپ، بھائی، ماموں، چچا، دادا، نانا، کو جلاد صورت بنا کر نفرت بھر دی۔ آزادی کی نیلم پری رنگ برنگی، حسن جوانی، خود اختیاری جیسی پرکشش پکاریں، جو ظاہر میں تو آزادی ہے باطن میں گرفتاری۔ امریکہ میں ۴ لاکھ ۶۳ ہزار لڑکیاں اور عورتیں ’ریپ‘ ہوئیں جنہوں

نے ۲۰۲۴ء میں رپورٹ کیا۔ رپورٹ نہ کرنے والی تعداد مزید! (بحوالہ RAINN) نیز ۲۰ لاکھ خواتین (گھریلو) تشدد کا شکار۔ ۱۰ لاکھ جنسی تشدد کا شکار انگلینڈ اور ویلز میں۔ ماڈلنگ، شوبز، فیشن کی دنیا، فلمیں، ڈرامے، برانڈز میں سپر ماڈلنگ کی چکا چوند! اگر آخرت پر بات نہ بھی ہو تو صرف دنیاوی نکتۂ نگاہ سے یہ بہت تیز رفتاری سے 'ترقی'، 'مقبولیت' 'فولورز (کا دھوکا) لے کر آتی ہے۔ رولر کوسٹر پر چڑھی بہت کم وقتی Thrill، سنسنی خیزی کے ساتھ بہت سے حادثات، ناگواریاں، چاہنے والے (بد معاشوں کے) ہجوم، مال دولت (ہوائی حرام روزی) کی بنا پر بہت سے دھوکے اور پھر ٹائیں ٹائیں فش۔ یہ طے شدہ امر ہے کہ نارمل، باشعور، خاندانی والدین بہن بھائی اسے قبول نہیں کرتے۔ لڑکی اپنے نارمل حلقوں، خاندان میں اچھوت بن جاتی ہے۔ برہنگی اس راہ کے سفر کا یونیفارم ہے۔ جسے بہر طور میلی آنکھ ہی سے دیکھا جاتا ہے یا للچائی نگاہ سے۔ 'ہے دیکھنے کی چیز اسے بار بار دیکھ'۔ احترام، تقدس، وقار، عزت جاتی رہتی ہے، 'فولونگ' بڑھ جاتی ہے خواہ آوارہ لڑکوں کا سڑکوں پر 'فولو' پیچھا کرنا یا سوشل میڈیا پر۔ دجالی دور کا سب سے بڑا فتنہ پیسے دولت شہرت کی چاہ ہے جو بھوکے بھیڑیوں والی تباہی لڑکیوں، لڑکوں کے ریوڑوں میں پھر رہی ہے۔ ملک میں تعلیم کا زوال، لڑکوں کی عدم سنجیدگی، غیر ذمہ داری، کند ذہنی، منشیات کی طرف جانا، بلا سبب نہیں ہے۔ ڈاکٹر ذاکر نائیک نے کہا تھا کہ اگر ایک نوجوان دس منٹ تک ایک سجی سنوری لڑکی کو دیکھتا رہے اور اس پر اس کا جسمانی رد عمل نہ ہو تو اسے ڈاکٹر کو دکھانا چاہیے۔

اسلام کے سبھی ضابطے اور قوانین خالقِ انسان اللہ جو العلیم، الخبیر، اللطیف، الحکیم ہے، نے بنائے ہیں۔ وہی مرد وزن کی نفسیات کا خالق ہے۔ اس نے ان کے اندر بے پناہ باہمی کشش کا ہارمونی نظام تخلیق کیا ہے۔ نظامِ زندگی کو زبردست ضابطوں میں جکڑا ہے تاکہ مضبوط پر سکینت، اعلیٰ کردار سازی کی فضا معاشرے کے بنیادی یونٹ، 'گھر' کی بن سکے۔ مرد کو قوی محافظ، غیرت مند، صالح اور عورت کے لیے کریم وشفیق بنایا ہے جس نظام میں اسفل کردار چوہے، سانپ، بچھو کی طرح پنپنے ہی نہیں دیا جاتا۔ عورت اللہ نے انسانیت کی ماں بنائی ہے۔ (حرافہ، قتالہ، حسن بیچنے والی نہیں!) عظمت کا مقام تو یہ ہے پہلی وحی کا عظیم ذمہ دارانہ منصب / بوجھ لے کر نبی کریم ﷺ، اس پر فکر بانٹنے، راز دان بنانے، سکینت پانے سب سے پہلے خاندان، دوست، کسی مرد کے پاس نہیں، ہماری ماں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے۔ سکینت، یقین، اعتماد سے مالا مال ہو گئے۔ یہ ہے مسلمان عورت۔ ہمارا رول ماڈل۔ اس پر بچیوں کی تربیت کیجیے۔ اللہ ہماری بیٹیوں کو ایمان کا فخر اور کردار کی پاکیزگی و مضبوطی عطا فرمائے۔ (آمین) باقی سب بھیانک المیے ہیں اسلام سے دوری اور باپ بھائی جیسے کریم مضبوط رشتوں سے محرومی کی بنا پر! پے در پے لڑکیوں کے ہوتے المناک حادثے، نہ اُگلے بن پڑے نہ نگلے، والے واقعات! بر وقت باراتیں نہ اٹھیں تو بعد از خرابیٔ بسیار جنازے اٹھانا پڑتے ہیں۔ ۱۷ سالہ بھی بالغ جوان لڑکی ہوتی ہے بچی نہیں جیسے میڈیا لکھتا رہا۔

خود کردہ را علاجے نیست!

☆☆☆☆☆

جو لوگ فلسطین کے بارے میں بات کرتے ہیں انہوں نے فلسطین کے لیے کیا کیا ہے؟ ہر گزرتے دن کے ساتھ ہمارے دلوں پر غفلت مزید چھا جاتی ہے۔ (زندگی گزرتی رہتی ہے، پھر) ہم شادیاں کر لیتے ہیں، پھر ہماری اولاد میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ (الغرض) زمین کے ساتھ ہمارا تعلق گہرا ہوتا جاتا ہے اور ہم پر زندگی کی ذمہ داریوں کا بوجھ بڑھتا جاتا ہے۔ پھر دن پر دن گزرتے ہیں اور ہم اپنی ہی جگہ پر ساکت و جامد رہ جاتے ہیں، نہ ہم اپنے لیے کچھ کر پاتے ہیں، نہ اپنے دین کے لیے اور نہ ہی اپنے رب کی رضا کے لیے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم زمین پر انسانی فطرت کے ساتھ انسانیت کی لگام تھام کر قدم بڑھائیں، اِعداد (جہاد کی تیاری) سے ہجرت تک، ہجرت سے رِباط (سرحدوں پر پہرہ دینے) تک اور پھر جہاد کے میدان تک۔ اس کے بعد جب اللہ ہمیں اپنے دعووں میں سچا پا لے، تو پھر اُس کی مدد اور فتح آن پہنچتی ہے اور لوگ جوق در جوق اللہ کے دین میں داخل ہونے لگتے ہیں۔

شیخ عبد اللہ عزام شہید رحمہ اللہ

بڑھو خدا کے راستے میں کس کا انتظار ہے؟!

ہیئۃ علماء فلسطین کی جانب سے مجاہد ابو عبیدہ حفظہ اللہ کی دلخراش تقریر کے بعد بیان و پکار!

هيئة علماء فلسطين

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ (سورة الأنفال: ٧٢)

”اگر وہ (مسلمان) تم سے دین کے معاملے میں مدد طلب کریں تو تم پر ان کی مدد کرنا فرض ہے۔“

تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے اس امت کو نصرت کی ذمہ داری سے مشرف فرمایا، اور مظلوموں کی مدد کو عزت، عہد اور مسئولیت قرار دیا اور درود و سلام ہو مجاہدوں کے امام صلی اللہ علیہ وسلم پر جنھوں نے فرمایا:

الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ، لَا يَظْلِمُهُ، وَلَا يَخْذُلُهُ، وَلَا يُسْلِمُهُ۔ (صحيح البخاري)

”مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرتا ہے، نہ اسے بے یار و مددگار چھوڑتا ہے، نہ دشمن کے حوالے کرتا ہے۔“

امابعد!

جس طرح تمام مسلمانانِ عالم نے سنا، ہم نے بھی کتائبِ قسام کے ترجمان مجاہد ابو عبیدہ کی وہ درد بھری تقریر سنی، جو انہوں نے زخمی غزہ کے حوالے سے کی، اور انہوں نے غیرت مندوں کی سی پکار بلند کی، جب اُنہوں نے اُن حکمرانوں، علماء اور اشرافیہ سے کھلی برأت کا اعلان کیا، جنہوں نے تنگی کی اس گھڑی میں مظلوم فلسطینی بھائیوں کو تنہا چھوڑ دیا۔

ہیئۃ علماء فلسطین یہ گواہی دیتی ہے کہ یہ شکوہ محض کسی جذباتی ردِّ عمل کا نتیجہ نہیں، بلکہ صدق دل سے کی گئی بار بار کی اپیلوں، تمام دروازوں پر دستک، طویل صبر اور زخمی دل سے اٹھنے والی درد بھری پکار کے بعد کیا گیا، جس کا جواب لوگوں نے مُردوں کی سی خاموشی اور تماشائیوں کی طرح دیا، یہاں تک کہ غزہ کے بچوں کا خون، منہدم گھر، اور کٹے پھٹے جسم دن رات ان سے ان کے دین، غیرت، اور وفا کے بارے میں سوال کرتے رہتے ہیں۔

ہم اس موقف کی سنگینی کو یاد دلاتے ہوئے، جو اللہ کے ہاں اس دن نہایت اہم ہو گا جب سب اس کی بارگاہ کھڑے ہوں گے، یہ درد بھرا پیغام اُن سب کو بھیج رہے ہیں جن کے دل میں زندگی، غیرت اور ایمان کی کچھ رمق باقی ہے:

۱۔ امت کے تمام علمائے کرام کے نام

اے انبیاء کے وارثو! اے اہلِ صدق و وفا!

یہ آپ کے لیے آخری موقع ہے، روزِ حشر شہداء کو اپنے خلاف کھڑا نہ ہونے دیں۔

اگر آپ آج پیچھے ہٹ گئے تو کل غزہ آپ کو معاف نہیں کرے گا۔ اگر آج آپ نے اس زخم کو تنہا رہنے دیا تو کل اللہ کے حضور کوئی آپ کے حق میں سفارش کرنے والا نہ ہو گا۔

لہٰذا اٹھیں، بیدار ہو جائیں، خاموشی کا کفن اتار پھینکیں اور خوف کی زنجیروں کو توڑ ڈالیں۔

۲۔ ترکی کے تمام علمائے کرام کے نام

اے امت کے مسائل کی نصرت میں سبقت لینے والو! اے عثمانی عدل کے وارثین!

یہ موقع ہے آپ کے لیے، یہ آپ کی مسئولیت ہے۔

ہم آپ سے پر زور اپیل کرتے ہیں کہ فوری اور ہنگامی اجلاس بلائیں، جس میں غزہ کے ہمارے لوگوں کی نصرت کے لیے سنجیدہ اور عملی اقدامات طے کیے جائیں، تاکہ باتوں سے نکل کر عمل کے میدان میں قدم رکھا جائے۔

صدر اردوغان کے دروازے پر ایسی نصیحت اور اصرار کے ساتھ دستک دیں جس کا موجودہ صورتحال تقاضا کرتی ہے، اسے ہر قیمت پر آمادہ کریں کہ ترکی وہ کردار ادا کرے جو شہداء کے خون اور عزت مند خواتین کی آہوں کے شایانِ شان ہو۔

۳۔ پاکستان کے علمائے کرام بالخصوص مفتی تقی عثمانی صاحب کے نام:

اے راسخ عقیدے اور سجدہ گزار جبینوں کے حاملین! اے اہلِ شہداء و مجاہدین!

ہم اللہ کے واسطے آپ سے اپیل کرتے ہیں کہ غزہ کے لیے میدان میں ڈٹ جائیں، شہروں، چوکوں، چوراہوں میں دھرنے دیں، گلی کوچوں اور سڑکوں پر کیمپ لگائیں، یہاں تک کہ آپ کی حکومت مجبور ہو کر اس قتل عام کو رکنے کے لیے عملی اقدام کرے اور امت کی ساکھ کو بحال کر دے۔

۴۔ مصر کے غیور عوام

اے غزہ کے پڑوسیو! اے آلِ کنانہ جن کی رگوں میں نیل کی سخاوت بہتی ہے اور جن کے دل صلاح الدین ایوبی کے خون سے دھڑکتے ہیں!

تم پر لازم ہے کہ تم اس نظام کے سامنے ڈٹ جاؤ جو رفح بارڈر بند کر کے اور امداد روک کر غزہ کو بھوکا مارنے میں شریک ہے۔

تم پر لازم ہے کہ تم رفح بارڈر کی طرف اس طرح بڑھو جیسے لشکر نکلتے ہیں، اس کے تالے توڑ ڈالو، اس کے دروازے کھول دو تاکہ خوراک، ادویات، اور جواں مرد شدید ضرورت کے اس وقت میں غزہ پہنچ سکیں۔ اگر آج تم نے دیر کر دی تو اللہ روزِ قیامت تم سے اس کا سوال کرے گا۔ اگر تم نے آج عورتوں، بچوں، بوڑھوں، بیواؤں اور زخمیوں کو یہ نسل کشی اور جبری قحط اکیلے ہی سہنے دیا تو کل اللہ کے حضور تمہاری شفاعت کرنے والا کوئی نہ ہوگا۔

لہٰذا اپنی مجالس کو بیداری کے مراکز بنادو، اور لوگوں کو اس گھڑی کے فرض سے آگاہ کرو، تاکہ وہ مجاہدین اور اہلِ غزہ کے حوالے سے خود پر لگے لاتعلقی کے الزام کو دور کر سکیں۔ پوری امت تمہاری منتظر ہے کہ تم مصر کو اُس کے تاریخی کردار اور عزت و وقار کی راہ پر واپس لاؤ اور مظلوموں کی مدد، اور ظالموں کی زنجیریں توڑنے کے فریضے میں اپنا حصہ ادا کرو۔

۵. تمام مسلمانوں کے نام

ہیئۃ علماء فلسطین غزہ کو بھوکا مارنے کے خلاف عالمی مہم میں وسیع پیمانے پر شرکت کی دعوت دیتی ہے، جو کل بروز اتوار ان محصور لوگوں کی حمایت میں منعقد کی جائے گی جنہیں جبری اور منظم قحط کا سامنا ہے۔

ہم علماء، دعاۃ، خطباء، ادیبوں، اور احرارِ امت سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ اس مہم میں شرکت اور اس کی سرپرستی کریں، اور اس کو کامیاب بنانے کے لیے عوامی، میڈیا اور سیاسی قوتیں اس میں لگادیں، تاکہ یہ مہم ظالموں اور مجرموں کے چہروں پر زوردار طمانچہ ثابت ہو، اور دنیا کو پیغام ملے کہ غزہ تنہا نہیں، بلکہ پوری امت اس کی ناکہ بندی اور نسل کشی کے خلاف اس کے ساتھ کھڑی ہے۔

اے احرارِ امت، اے حریت پسندو!

یاد رکھیں! خاموشی خیانت ہے، وہ باتیں جو عمل میں نہ ڈھلیں، خیانت ہیں۔

اور غزہ کو نسل کشی کے لیے تنہا چھوڑ دینا سب سے بڑی خیانت ہے۔

اے اہلِ ایمان!

اللہ کے لیے، اپنے دین کے ساتھ مخلص ہو جاؤ!

اللہ کے لیے، ضرورت کی گھڑی میں اپنی امت کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ!

اللہ کے لیے، غزہ، اہلِ غزہ، ان کے شہداء اور ان کے دکھوں کی حرمت کا خیال رکھو!

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

إِن تَنصُرُوا اللَّهَ يَنصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ (سورة محمد: ۷)

”اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔“

هيئة علماء فلسطين

۲۴ محرم ۱۴۴۷ھ

بمطابق ۱۹ جولائی ۲۰۲۵ء

☆☆☆☆☆

پس یہی ہے اصل راستہ!

میرے محبوب مجاہدین اسلام! یہی ہے راہِ حق، یہ انبیا و رسل کا رستہ ہے، انبیا کے ساتھیوں کا رستہ ہے اور قیامت تک ان کے رستے پر چلنے والوں کی راہ ہے، یہ راہ ہے آزمائشوں اور مصائب کی، وہن سے بچتے ہوئے ثابت قدم رہنے کی، استغفار و دعاؤں کی کثرت کی، پھر ان سب کے بدلے میں دنیا میں عزت وعفت اور آخرت میں اللہ کے احسان سے ثواب و فلاح تمہاری منتظر ہے، یہ قافلہ ایک مستقل دعوت اور کبھی نہ رکنے والے جہاد میں مصروف ہے اس وقت سے مصروف ہے جب سے اللہ نے اس زمین کو تخلیق فرمایا اور اس وقت تک مصروف رہے گا جب تک اللہ اس زمین اور اس پر رہنے والوں کی بساط لپیٹ نہ دے۔

یہ قافلہ کسی قائد کی شہادت یا کسی رہنما کو کھو دینے سے نہیں تھمتا، کسی تکلیف و آزمائش کے سبب سے پیچھے نہیں ہٹتا، وسائل و افراد کی قلت یا وقتی ہزیمت کے سبب واپسی کی راہ نہیں لیتا بلکہ ان سب رکاوٹوں کو عبور کرتا ہوا ہر آزمائش سے مزید ہمت، قوی تر عزم اور پختہ تر ارادے لے کر مسلسل بڑھتا چلا جاتا ہے بالکل اسی طرح جیسے ہمارے محبوب نبی ﷺ کے صحابہؓ نے آپؐ کے ہمراہ احد کے دن عملاً کر کے دکھایا۔

(حکیم الامت فضیلۃ الشیخ ایمن الظواہری)

اہلیانِ غزہ کی فوری مدد کے لیے ہنگامی اپیل

شیخ ابراہیم البنّا
تنظیم قاعدۃ الجہاد فی جزیرۃ العرب

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

تمام تعریفیں اُس اللہ کے لیے ہیں جس نے فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ تَنۡصُرُوا اللّٰهَ يَنۡصُرۡكُمۡ وَيُثَبِّتۡ اَقۡدَامَكُمۡ۝ (سورۃ محمد: ۷)

”اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔“

اور درود و سلام ہو اللہ کے رسول ﷺ پر جنھوں نے فرمایا:

ما من امرئٍ يخذُلُ مسلمًا في موطنٍ يُنتقصُ فيه من عِرضِه ويُنتَهكُ فيه من حُرمتِه إلا خذَله اللهُ في موطنٍ يُحبُّ فيه نُصرتَه

”جو شخص کسی مسلمان کو ایسے مقام پر بے یار و مددگار چھوڑے، جہاں اُس کی عزت پامال کی جارہی ہو اور اس کی حرمت کو روندا جارہا ہو، تو اللہ تعالیٰ اسے اُس وقت تنہا چھوڑ دے گا جب وہ اُس کی مدد کا سب سے زیادہ محتاج ہو گا۔“

امابعد:

جو کچھ آج کل ہمارے بھائیوں کے ساتھ غزہ میں ہو رہا ہے، قتل و غارت گری اور روزانہ کی بنیاد پر فاقہ کشی کے ہولناک واقعات، وہ اس حد تک بڑھ چکے ہیں کہ دنیا ہر روز بچوں، بوڑھوں، عورتوں اور شیر خوار بچوں میں سے درجنوں اور بعض اوقات سینکڑوں افراد کے قتل کی خبر سننے کی عادی ہو چکی ہے۔

یہ صورتحال ایک کھلی تنبیہ ہے کہ اگر عالمِ اسلام بیدار نہ ہوا تو پوری امتِ مسلمہ پر خدا کا قہر و عذاب نازل ہو سکتا ہے سوائے ان لوگوں کے جن پر اللہ رحم فرمائے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَاتَّقُوۡا فِتۡنَةً لَّا تُصِيۡبَنَّ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡكُمۡ خَآصَّةً‌ ۚ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيۡدُ الۡعِقَابِ۝ (سورۃ الانفال: ۲۵)

”اور اس فتنے (آزمائش و عذاب) سے بچو جو صرف ظالموں ہی کو نہیں پہنچے گا، بلکہ تم سب کو گھیر لے گا، اور جان لو کہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔“

جو کچھ ہمارے بھائیوں کے ساتھ غزہ میں ہو رہا ہے، اس پر خاموشی اختیار کرنا درحقیقت امتِ مسلمہ کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ اور رسوائی کا باعث ہے۔ تاریخ اسے کبھی فراموش نہیں کرے گی، نہ ہی اسے خاموشی سے گزرنے دے گی، بلکہ آنے والی نسلیں اسے یاد رکھیں گی۔ وہ تمنا کریں گے کاش وہ ہمارے درمیان موجود ہوتے، تاکہ ہم اس شرمناک خاموشی کا کفارہ ادا کرتے، اور عزت و غیرت کا علم بلند کرتے ہوئے اپنی تمام تر توانائیاں جمع کر کے غزہ کے مظلوم بھائیوں کی مدد کے لیے اپنا فرض ادا کرتے۔

اور ہم اس موقع پر اپنے مصری بھائیوں سے عمومی طور پر اور اپنے غیرت و حمیت کے حامل قبائلِ سینا سے خصوصی طور پر ہنگامی اپیل کرتے ہیں کہ:

اے اہلِ مصر! اپنے ان بھائیوں کی جانب قدم بڑھاؤ، جو غزہ میں فاقہ کشی اور پیاس سے دم توڑ رہے ہیں، ان خود ساختہ دیواروں اور فرضی سرحدوں کے اُس پار، جو تمہارے اور اُن کے درمیان حائل کر دی گئی ہیں۔ اللہ کے واسطے بتاؤ، تم کیسے سکون سے جی سکتے ہو جبکہ تمہارے ہی بھائی بدترین حالت میں زندگی کے دن کاٹ رہے ہیں؟ کس طرح ممکن ہے کہ تم میں سے کوئی آرام سے لقمہ اپنے منہ میں ڈالے، جبکہ تمہارے پڑوس میں رہنے والے غزہ کے بوڑھے اور بچے بھوک سے مر رہے ہوں؟ اور کیسے ممکن ہے کہ تمہارے ہمسائے پیاس سے جان دے دیں، جبکہ تمہارے بیچوں بیچ دریائے نیل بہہ رہا ہے؟ کیا تم میں غیرت و حمیت رکھنے والے لوگ مر چکے ہیں؟!

دخلت على المروءة وهي تبكي
فقلت على ما تنتحب الفتاة
فقالت كيف لا أبكي وأهلي
جميعاً دون خلق الله ماتوا

میں نے بہادری کے گھر میں قدم رکھا، وہ رو رہی تھی،
میں نے پوچھا: اے پاکیزہ صفت، تم کیوں آہ و زاری کر رہی ہو؟
اس نے کہا: میں کیسے نہ روؤں، جب میرے سارے اہل و عیال
تمام انسانوں سے پہلے مر چکے ہیں!

ان فرضی اور مصنوعی سرحدوں کو پامال کر ڈالیے، اللہ آپ پر رحم فرمائے، اور اپنے مظلوم بھائیوں کی مدد کو پہنچیے، انہیں کھانا، پانی اور دوا فراہم کیجیے۔ کیونکہ آپ پر ان کی مدد و نصرت کا فریضہ دیگر لوگوں کی بنسبت زیادہ ہے۔ خبردار! کہیں کوئی ایسا صہیونی تمہیں اُن کی مدد سے نہ روک دے جو تمہاری ہی زبان بولتا ہو، تمہارے ہی لباس میں ملبوس ہو اور تمہارے ساتھ ہی تمہارے وطن میں رہتا ہو۔ یاد رکھو! اصل معیار عملِ (صالح) ہے، زبان یا قومیت نہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک عورت محض اس وجہ سے جہنم میں داخل ہوئی کہ

اُس نے ایک بلی کو قید کر دیا تھا، نہ اسے خود کھلایا، نہ اسے زمین سے کچھ کھانے کے لیے چھوڑا۔ تو سوچیں! آج مصر پر مسلط سیسی کا ظالم نظام تو محض بلی کو نہیں روک رہا، بلکہ پورے غزہ کو، اُس کے باسیوں سمیت، قید کیے بیٹھا ہے!

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

ما آمن بي مَن بات شبعانًا وجاره جائعٌ إلى جنبه وهو يعلم به».

”وہ شخص مجھ پر ایمان نہیں لایا، جو خود تو پیٹ بھر کر سوئے اور اس کا پڑوسی بھوکا ہو، اور اُسے اس کا علم بھی ہو۔“

آج وہ لوگ جو یورپ سے قافلہ صمود میں شریک ہو رہے ہیں، اور جو اسلام کے پیروکار بھی نہیں، کیا وہ اہلِ غزہ کے بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کے لیے تم سے زیادہ غیرت مند، ہمدرد اور غم خوار ہیں؟!

اگر تم نے حائل رکاوٹیں ختم نہ کیں، سرحدیں عبور نہ کیں، اور اپنے بھائیوں کو یہودیوں کے ظلم اور بھوک سے نہ بچایا، تو پھر تم میں کوئی خیر باقی نہیں!

ہم فلسطین کی مظلوم سرزمین سے متصل اپنے اہلِ اردن، شام اور لبنان کو بھی پکار رہے ہیں کہ وہ اپنے بھائیوں کی مدد کے لیے اٹھ کھڑے ہوں۔ پس دوسروں کی بنسبت تم پر اور اہلِ مصر پر یہ فرض کہیں زیادہ بڑھ کر ہے، تم پر لازم ہے کہ اپنی پوری طاقت و قوت صرف کر دو، خواہ اس کی کتنی ہی قیمت کیوں نہ چکانی پڑے، حتیٰ کہ اگر اس راہ میں تمہاری جانیں بھی قربان ہو جائیں۔ اگر ان بھوکے جسموں کی پسلیاں اور اس سخت گرمی کے موسم میں پیاس سے بے ہوش ہوتے مسلمان بوڑھے اور بچے بھی تمہارے ضمیر کو نہ جگا سکیں تو پھر آخر کب جاگیں گے؟

ہم اس بیان کے اختتام پر اہلِ ثروت اور مال داروں کو بھی یاد دہانی کراتے ہیں کہ قیامت کے دن کی اس ہولناک وعید سے خبر دار رہیں، ایسی وعید جس کی شدت کا تصور بھی انسان کو اس پر آمادہ کرتا ہے کہ کاش وہ دنیا میں مفلس اور نادار ہی ہوتا۔ پس خبر دار! اپنے مال میں اللہ کے حق سے غافل نہ ہو جانا، اپنے ذمے عائد اس بڑی ذمہ داری کو پہچانیں جو اس مال کے حوالے سے تمہارے کندھوں پر رکھی گئی ہے۔ مال خرچ کرنے میں جلدی کریں، قبل اس کے کہ یہی مال آپ کے ماتھوں پر داغ دیا جائے! یہ مال یا تو اپنے مالک کے لیے نجات کا ذریعہ بنے گا، دوزخ سے بچاؤ اور جنت میں بلند درجات کا سبب، اور یہی وہ خوش نصیب انسان ہو گا جو ربِ رحمان کی رضا پائے گا۔ یا پھر یہی مال اس کے لیے ربِ جبار کے غضب اور عذابِ جہنم کا سبب بنے گا۔ اور کیسا بدبخت ہے وہ گھاٹے کا سودا کرنے والا تاجر، جو اپنے آپ کو ہلاکت کا مستحق ٹھہرا دے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ۭ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝ (سورۃ التوبۃ: ۳۴، ۳۵)

”اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اسے اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے، انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو۔ جس دن اس (مال) کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر اسی سے ان کی پیشانیاں، پہلو اور پیٹھیں داغی جائیں گی (اور کہا جائے گا): یہ وہی ہے جو تم اپنے لیے جمع کرتے تھے، سو اب چکھو اسے جو تم جمع کیا کرتے تھے۔“

اے اللہ! ہمارے غزہ کے کمزور و مظلوم بھائیوں کی مدد و نصرت فرما۔

اے اللہ! ان سے یہ اندھیری مصیبت دور فرما دے، اور ان پر سے یہ بلا ہٹا دے۔

اے اللہ! اپنے فضل سے انہیں بے نیاز فرما دے۔

اے اللہ! انہیں بھوک میں سیر ابی عطا فرما، اور خوف میں امن نصیب فرما۔

اے جلال و عزت والے، اور بزرگی و کرم والے رب!

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

☆☆☆☆☆

بقیہ: موت و مابعد الموت

”اے محمد! اپنا سر اٹھائیں اور سوال کریں آپ کو عطا کیا جائے گا، آپ سفارش کریں آپ کی سفارش قبول کی جائے گی“۔

آپ ﷺ فرمائیں گے: امتی امتی! میری امت! میری امت!

یہ آپ ﷺ کی شفاعت ہو گی اپنی امت کے لیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ قَدْ دَعَا بِهَا فَاسْتُجِيبَ فَجَعَلْتُ دَعْوَتِي شَفَاعَةً لِأُمَّتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ (صحیح بخاری)

”ہر نبی کی ایک دعا قبول ہوتی ہے، چنانچہ انہوں نے دعا کی اور مقبول بھی ہو گئی (لیکن) میں نے اپنی دعا قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت کے لیے محفوظ کر لی ہے“۔

کل انسانیت کے حق میں اس شفاعت کا حق صرف آپ ﷺ ہی کو عطا کیا گیا اور آپ ﷺ کی یہ شفاعت، شفاعت عظمیٰ کہلاتی ہے جس کے بعد حساب کتاب شروع ہو گا اور اس کے بعد ہی لوگوں کو ان کے اعمال نامے عطا کیے جائیں گے اور ہر فرد اپنے اعمال کا جواب دہ ہو گا۔ اس کے علاوہ بہت سی دیگر شفاعتیں ہیں جنہیں شفاعتِ صغریٰ کہا جاتا ہے۔

وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقه محمد وعلی صحبه وسلم

فلسطینی صحافی انس الشریف رحمۃ اللہ علیہ کی وصیت

انس الشریف ایک فلسطینی صحافی اور غزہ میں الجزیرہ کے نمائندہ تھے۔ وہ ۱۹۹۶ء میں غزہ میں جبالیا کیمپ میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے جامعہ الاقصیٰ سے ماس کمیونیکیشن میں بیچلرز کی ڈگری حاصل کی، اور ابتدائی طور پر الشمال میڈیا نیٹ ورک سے بطور رضاکار جڑنے کے بعد الجزیرہ میں شمالی غزہ کے نمائندے، ویڈیو گرافر اور رپورٹر کے خدمات انجام دیں۔

انس الشریف نے اکتوبر ۲۰۲۳ء سے غزہ جنگ کے دوران مشرقی غزہ میں رہتے ہوئے خطرناک حالات میں رپورٹنگ جاری رکھی۔ ان کی بہادری اور بے باک رپورٹنگ نے انہیں غزہ کا ایک معروف اور نمایاں چہرہ بنا دیا۔ ۲۸ سالہ انس الشریف نے شمالی غزہ سے زمینی صورتحال کو عالمی سطح پر اجاگر کیا اور اسرائیلی بمباریوں، جنگی جرائم اور ان کے نتیجے میں پیدا ہونے والے انسانی بحران کی وسیع کوریج کی، جس کی وجہ سے انہیں اسرائیل کی طرف سے متعدد بار نشانہ بنانے کی دھمکیاں دی گئیں اور اسرائیلی فوج نے ان کی کردار کشی کرنے کی بھی بھرپور کوشش کی۔ ان کے والد کو دسمبر ۲۰۲۳ء میں ایک فضائی حملے میں شہید کر دیا گیا تھا۔

۱۰ اگست اور ۱۱ اگست ۲۰۲۵ء کی درمیانی رات اسرائیلی جہازوں نے الشفاء ہسپتال کے باہر صحافیوں کے خیمے کو ہدف بنا کر بمباری کی، جس کے نتیجے میں انس الشریف اپنے دیگر چار صحافی ساتھیوں سمیت شہید ہو گئے۔ اسرائیل نے پوری ہٹ دھرمی سے انس الشریف کو ہدف بنانے کی ذمہ داری قبول کی اور جھوٹا دعویٰ کیا کہ انس حماس کا ایک یونٹ چلا رہے تھے جو راکٹ حملوں میں ملوث تھا۔

شہادت سے چند لمحے قبل ہی وہ غزہ شہر پر اسرائیل کی شدید بمباری کی کوریج کر رہے تھے۔

اللہ تعالیٰ انس الشریف کی مغفرت فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے اور ان کا شمار شہداء و صالحین میں فرمائے، آمین۔

ذیل میں انس الشریف کی وصیت کا اردو ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے جو انہوں نے اپریل ۲۰۲۵ء میں لکھی، جسے ان کے ادارے نے ان کی شہادت کے بعد ان کے ٹوئٹر اکاؤنٹ پر نشر کیا۔

(ادارہ)

یہ میری وصیت اور میرا آخری پیغام ہے۔ اگر یہ الفاظ آپ تک پہنچیں تو جان لیجیے کہ اسرائیل مجھے قتل کرنے اور میری آواز خاموش کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔

سب سے پہلے، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

اللہ جانتا ہے کہ جب سے میں نے جبالیہ پناہ گزین کیمپ کی سڑکوں اور گلیوں میں آنکھ کھولی، میں نے اپنی قوم کا سہارا اور آواز بننے کے لیے اپنی ہر ممکن کوشش اور پوری طاقت لگا دی۔ میری خواہش تھی کہ اللہ میری عمر بڑھا دے تاکہ میں اپنے گھر والوں اور عزیزوں کے ساتھ اپنے اصل قصبے مقبوضہ عسقلان (المجدل) واپس جا سکوں۔ لیکن اللہ کی مشیت پہلے آ گئی، اور اس کا فیصلہ اٹل ہے۔ میں نے درد کو اس کی تمام تفصیلات کے ساتھ جیا ہے، کئی بار دکھ اور نقصان کا ذائقہ چکھا ہے، لیکن کبھی ایک لمحہ کے لیے بھی سچ کو، بلا کسی تحریف یا بگاڑ کے، جیسا ہے ویسا ہی پہنچانے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی، تاکہ اللہ ان پر گواہ بن جائے جو خاموش رہے، جو ہمارے قتل کو قبول کر گئے، جنہوں نے ہماری سانسیں گھونٹ دیں، جن کے دل ہماری عورتوں اور بچوں کے بکھرے جسموں کو دیکھ کر بھی نہ پگھلے اور جنہوں نے اس قتلِ عام کو روکنے کے لیے کچھ نہ کیا جو ڈیڑھ سال سے زیادہ عرصے سے ہماری قوم کو سہنا پڑ رہا ہے۔

میں فلسطین کو آپ کے سپرد کرتا ہوں، جو عالمِ اسلام کا تاج ہے، دنیا کے ہر آزاد انسان کے دل کی دھڑکن ہے۔ میں اس کے لوگوں کو آپ کے سپرد کرتا ہوں، اس کے مظلوم اور معصوم بچوں کو، جنہیں خواب دیکھنے یا امن و سکون میں جینے کا وقت ہی نہ مل سکا، ان کے پاکیزہ جسم ہزاروں ٹن اسرائیلی بموں اور میزائلوں تلے کچلے گئے، چیر دیے گئے اور دیواروں پر بکھر گئے۔

میں آپ کو وصیت کرتا ہوں کہ نہ تو زنجیریں آپ کو خاموش کروا سکیں اور نہ ہی سرحدیں آپ کو روک سکیں۔ آپ اس زمین اور اس کے باسیوں کی آزادی کے لیے پل بن جائیں، یہاں تک کہ عزت اور آزادی کا سورج ہمارے چرائے گئے وطن پر طلوع ہو۔

میں اپنے گھر والوں کو آپ کی امانت میں دیتا ہوں کہ ان کا خیال رکھیں۔ میں اپنی پیاری بیٹی شام کو آپ کی امانت میں دیتا ہوں، جو میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، جسے میں اس طرح بڑا ہوتا نہ دیکھ سکا جیسا میں نے خواب دیکھا تھا۔

میں اپنے پیارے بیٹے صلاح کو آپ کی امانت میں دیتا ہوں، جسے میں زندگی میں سہارا دینا اور اس کا ساتھ دینا چاہتا تھا، یہاں تک کہ وہ اتنا مضبوط ہو جاتا کہ میرا بوجھ اٹھا کر میرا مشن جاری رکھ سکتا۔

میں اپنی پیاری ماں کو آپ کی امانت میں دیتا ہوں، جن کی بابرکت دعاؤں نے مجھے یہاں تک پہنچایا، جن کی دعائیں میرا قلعہ تھیں اور جن کا نور میری رہنمائی کرتا رہا۔ میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ انہیں ہمت دے اور میری طرف سے بہترین جزا عطا فرمائے۔

میں اپنی شریکِ حیات، اپنی پیاری بیوی ام صلاح (بیان) کو آپ کی امانت میں دیتا ہوں، جس سے جنگ نے مجھے طویل دنوں اور مہینوں تک جدا رکھا، لیکن وہ ہمارے رشتے سے وفادار رہی، زیتون کے اس تنے کی مانند جو کبھی نہیں جھکتا۔ صابرہ، اللہ پر بھروسہ رکھنے والی، اور میری غیر موجودگی میں تمام ذمہ داری اپنے ایمان اور ہمت سے اٹھانے والی۔

میں آپ کو وصیت کرتا ہوں کہ ان کے ساتھ کھڑے رہیں، اللہ تعالیٰ کے بعد ان کا سہارا بنیں۔ اگر میں مر جاؤں تو اپنے اصولوں پر ثابت قدم ہو کر مروں گا۔

(بقیہ صفحہ نمبر 89 پر)

قبلۂ اوّل سے خیانت کی داستان

(مراکش)

نعمان حجازی

مراکش (المغرب)

المملكة المغربية جسے عرفِ عام میں المغرب جبکہ اردو میں مراکش کے نام سے جانا جاتا ہے، اردن کے بعد وہ دوسرا عرب ملک تھا جس نے اسرائیل کے ساتھ تعلقات اور روابط استوار کر کے عالم اسلام کی تاریخ میں ایک اور شرمناک باب رقم کیا۔ اگرچہ مراکش کی مسئلۂ فلسطین سے غداری سنگین نوعیت کی تھی لیکن شمالی افریقہ کے مغربی کنارے پر موجود ایک دور دراز افریقی ملک ہونے کے سبب مراکشی حکمرانوں کے شرمناک کرتوت میڈیا پر اس طرح اجاگر نہیں ہوئے جتنا ان کی سنگینی کے لحاظ سے ان کا اجاگر ہونا ضروری تھا۔

پس منظر

اسرائیل اور مراکش کے درمیان زمینی طور پر بہت زیادہ فاصلہ ہونے کے باوجود مراکش کے اسرائیل کے ساتھ ابتدائی عرصے میں ہی تعلقات استوار کرنے کے پیچھے کچھ محرکات تھے:

- مراکش میں صدیوں سے یہودی آباد ہیں۔ ان میں ایک اقلیتی طبقہ جسے 'توشاف (Toshavim)' یہودی کہا جاتا ہے، دو ہزار سال سے بھی زیادہ عرصے سے مراکش میں آباد ہیں۔ جبکہ مراکش میں یہودی آبادی کی اکثریت کا تعلق ان یہودیوں سے ہے جنہیں ۱۴۹۲ء میں سقوطِ غرناطہ کے بعد وہاں کی عیسائی سلطنت نے بڑی تعداد میں ملک بدر کر دیا تھا اور وہ سب مراکش آ کر آباد ہو گئے تھے۔ ان یہودیوں کو سفاردی یہودی (Sephardic Jews) کہا جاتا ہے[1]۔ فلسطین میں ناجائز اسرائیلی ریاست کے قیام کے بعد ۱۹۵۰ء کے اعداد و شمار کے مطابق مراکش میں کل یہودی آبادی تقریباً ساڑھے تین لاکھ کے قریب تھی جو مراکش کی کل آبادی کا دس فیصد بنتی ہے[2]۔ یہودیوں کی اتنی بڑی تعداد کی موجودگی نے صہیونی تحریک کی توجہ مراکش کی جانب مبذول کروائی اور آنے والے سالوں میں مراکش صہیونی تحریک کا ایک اہم گڑھ بن گیا۔
- ۱۹۱۲ء سے ۱۹۵۶ء تک مراکش فرانس کی کالونی رہا اور اس ۴۴ سالہ استعماری غلامی نے بھی مراکش پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ ۱۹۵۶ء میں جب مراکش نے فرانسیسی استعمار سے آزادی حاصل کی تو استعمار کی غلامی میں رہنے والے دیگر اسلامی ممالک کی طرح مراکش بھی عملی غلامی سے نکل کر سیاسی و ذہنی غلامی میں چلا گیا اور فرانس سے آزادی حاصل کرنے کے فوراً بعد ہی مراکش کی سیاسی اشرافیہ نے فرانس سمیت مغربی ممالک سے مضبوط تعلقات استوار کرنے کی پالیسی اپنائی۔ چونکہ اسرائیل مغرب کی لاڈلی (اگرچہ ناجائز) اولاد تھی اس لیے مغربی طاقتوں کے ہی فرمان پر مراکشی حکمرانوں نے اسرائیل کے ساتھ بھی تعلقات استوار کرنا شروع کر دیے۔

سلطان محمد پنجم (۱۹۲۷ء تا ۱۹۶۱ء)

مراکش میں یہودیوں اور بعد میں اسرائیل کے ساتھ تعاون کا آغاز محمد پنجم کے دور سے ہوتا ہے۔ محمد پنجم ۱۹۲۷ء میں مراکش کا سلطان بنا۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران اس نے اتحادی افواج کا ساتھ دیا۔ لیکن ۱۹۴۰ء میں مراکش نازی نظریات رکھنے والی 'وچی' (Vichi) فرانسیسی حکومت[3] کے زیر تسلط چلا گیا۔ اس دور میں سلطان محمد پنجم نے وچی حکومت کی یہود مخالف پالیسیوں کی مخالفت کی اور انہیں مراکش میں پوری طرح سے لاگو ہونے سے روکا[4]۔ جس کی وجہ سے اس کی مراکش کی یہودی برادری اور عالمی یہودی تنظیموں میں قدر میں اضافہ ہوا۔ ۱۹۴۲ء میں 'وچی' فرانسیسی حکومت کو شکست ہوئی اور مراکش اتحادی افواج کے قبضے میں اور اس کے ذریعے اتحادی فرانسیسی حکومت کے قبضے میں چلا گیا۔

۲۲ جنوری ۱۹۴۳ء کو سلطان محمد پنجم کاسابلانکا میں منعقد ہونے والی انفا کانفرنس کے دوران نجی طور پر امریکی صدر فرینکلن روزویلٹ (Franklin Roosevelt) اور برطانوی وزیر اعظم ونسٹن چرچل (Winston Churchill) سے ملا۔ اس ملاقات میں روزویلٹ نے سلطان کو یقین دہانی کروائی کہ مراکش اب سے دس سال بعد آزاد ہو جائے گا[5]۔

۱۹۴۸ء میں جب اسرائیلی ناجائز ریاست کا قیام عمل میں آیا تو پوری دنیا سے یہودیوں کو اسرائیل لا کر آباد کرنے میں کارفرما ایجنسیاں، یہودی ایجنسی (Jewish Agency)،

---

[1] Jewish Morocco: A History from Pre-Islamic to Post-Colonial Times by Emily Gottereich (2020)

[2] Morocco film searches out Jews who left for Israel – Al Arabiya (27 February 2013)

[3] وچی حکومت ۱۹۴۰ء میں نازی جرمنی کے ہاتھوں فرانس کی شکست کے بعد بچے ہوئے علاقے میں قائم فرانسیسی حکومت کو کہتے ہیں جس کا دارالحکومت 'وچی' شہر تھا۔ اس حکومت نے نازی جرمنی کے ساتھ معاہدہ کیا اور اگلے دو سال، اتحادی افواج کے ہاتھوں شکست کھانے تک، نازی جرمنی کی ہی پالیسیوں کے مطابق حکومت چلائی۔

[4] A History of Modern Morocco by Susan Gilson Miller (2013)

[5] Ibid.

موساد لعلیہ بیت (Mossad LeAliyah Bet) اور ان کی زیر سرپرستی مراکش سے یہودیوں کو اسرائیل ہجرت کروانے کے عمل کو منظم کرنے والی تنظیم کاڈیما (Cadima) مراکش میں کسی درجے میں خفیہ طور پر اور کسی درجے میں کھل کر کام کر رہی تھیں[6]۔ کسی درجے میں خفیہ طور پر اس لیے کہ ۱۹۴۸ء میں اسرائیل کے قیام کے بعد عرب لیگ کی طرف سے اسرائیل کا بائیکاٹ کیا گیا تھا اور مراکش سرکاری طور پر اس میں شامل تھا اس لیے سرکاری طور پر مراکش کے یہودیوں کو اسرائیل ہجرت کرنے کی اجازت نہیں تھی، اس کے ساتھ کسی درجے میں کھل کر اس لیے کہ یہودیوں کو ہجرت کرنے کے لیے سہولت فراہم کرنے والی ایجنسیوں کا کام ایسا ڈھکا چھپا بھی نہیں تھا کہ سلطان کو اس کی خبر نہ ہوتی۔ اگر وہ ان کے کاموں کو روکنا چاہتا، تو روک سکتا تھا، لیکن سلطان نے ان کے کاموں کو نظر انداز کرتے ہوئے ایک طرح سے انہیں اپنے کام کرنے کی کھلی چھوٹ دیے رکھی[7]۔ اس کی وجہ سے آنے والے سالوں میں مراکش کی چالیس فیصد یہودی آبادی اسرائیل ہجرت کر گئی۔

شاہ حسن ثانی (۱۹۶۱ء تا ۱۹۹۹ء)

شاہ محمد پنجم کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا شاہ حسن ثانی تخت نشین ہوا۔ مراکشی یہودیوں کی اسرائیل ہجرت کے معاملے میں جہاں شاہ محمد پنجم کا کردار نظر انداز کرنے کی حد تک ہی تھا، شاہ حسن ثانی نے اس معاملے کو کہیں زیادہ آگے بڑھایا، یہی وجہ ہے کہ تاریخ مراکش سے اسرائیل کے تعلقات کا آغاز شاہ محمد پنجم سے نہیں بلکہ شاہ حسن ثانی سے ہی بتاتی ہے۔

آپریشن یاخین

اسرائیلی خفیہ ایجنسی موساد کی جانب سے شاہ حسن ثانی کی قیادت میں مراکشی حکومت کے تعاون کے ساتھ شروع کیے اس آپریشن یاخین کا مقصد خفیہ طور پر مراکشی یہودیوں کو اسرائیل ہجرت کروانا تھا۔ مراکشی حکومت کی حمایت کے باوجود یہ آپریشن خفیہ اس لیے رکھا گیا کہ ایک طرف تو عرب لیگ کی طرف سے اس پر پابندی تھی کہ مراکش سے یہودیوں کو اسرائیل ہجرت کی اجازت دی جائے، دوسرا مراکش کے اندر عوامی جذبات بھی اس کے مخالف تھے، اگر یہ کام کھل کر کیا جاتا تو مراکشی حکومت کو عوام کی جانب سے سخت ردّ عمل کا سامنا کرنا پڑتا۔ یہ آپریشن نومبر ۱۹۶۱ء میں شروع ہوا اور ۱۹۶۴ء کی بہار تک جاری رہا۔ اس آپریشن سے قبل اسرائیلی خفیہ ادارے موساد، مراکشی حکومت، ایک امریکی تنظیم “Hebrew Immigrant Aid Society” (HIAS) کے درمیان ایک خفیہ معاہدہ طے پایا۔ اس معاہدے کو اسرائیلی وزیر اعظم ڈیوڈ بن گوریان اور مراکشی شاہ حسن ثانی کی منظوری حاصل تھی۔ اس معاہدے کے تحت شاہ حسن ثانی کو پانچ لاکھ امریکی ڈالر ایڈوانس، اس کے علاوہ پہلے پچاس ہزار یہودیوں کی ہجرت کے لیے ہر یہودی کے بدلے ۱۰۰ ڈالر (کل ۵۰ لاکھ ڈالر) اور اس کے بعد ہر یہودی، جن کی تعداد ۴۷ ہزار کے قریب تھی، کی ہجرت کے بدلے ۲۵۰ ڈالر (کل ۱۱ کروڑ ۷۵ لاکھ ڈالر) کی ادائیگی کی جانی تھی[8]۔ شاہ حسن ثانی کو یہ تمام ادائیگیاں امریکی تنظیم HIAS نے کیں جو ہجرت کے اس سارے عمل کا خرچہ برداشت کر رہی تھی۔ اس تنظیم نے مراکشی یہودیوں کی اسرائیل ہجرت کی مد میں پانچ کروڑ ڈالر فراہم کیے تھے۔ اس عرصے میں تقریباً ۹۷ ہزار یہودیوں نے مراکش سے اسرائیل ہجرت کی۔[9]

اسرائیل سے اسلحے کی خریداری، فوجی تربیت اور انٹیلی جنس شیئرنگ

شاہ حسن ثانی مصری صدر جمال عبد الناصر کے عرب قوم پرستانہ اور اشتراکیت پسند نظریات سے خائف تھا اس کے علاوہ مراکش کے الجزائر کے ساتھ تعلقات بھی کشیدہ چل رہے تھے۔ دوسری طرف اسرائیل اپنی پیری فیری ڈاکٹرائن (Periphery Doctrine) کے تحت ان تمام ممالک سے اسٹریٹیجک شراکت داری چاہتا تھا جن کے جمال عبد الناصر کے ساتھ اچھے تعلقات نہیں تھے۔ ان مشترکہ مفادات نے مراکش اور اسرائیل کے درمیان تعاون کی راہ ہموار کی۔

شاہ حسن ثانی کے اقتدار میں آنے کے فوری بعد مراکش نے شاہِ ایران کے تعاون سے اسرائیل سے خفیہ طور پر ہتھیار خریدے۔ ان میں چھوٹے ہتھیار اور جاسوسی آلات شامل تھے۔

اس کے علاوہ اسرائیل نے اسی عرصے میں مراکشی فوج کو تربیت بھی فراہم کی۔ اس مقصد کے لیے اسرائیل نے موساد اور آئی ڈی ایف کے مشیر فراہم کیے جنہوں نے مراکشی فوج کو

---

[6] Immigrants, by period of Immigration, Country of Birth and Last Country of Residence. CBS, Statistical Abstract of Israel, Government of Israel. 2009

[7] یہاں کسی کو یہ شبہہ ہو سکتا ہے کہ شاہ محمد پنجم کی جانب سے مراکش سے یہودیوں کی ہجرت کو نہ روکنے کا سبب اپنے ملک کو یہودی وجود سے پاک کرنا بھی ہو سکتا ہے، لیکن اس بات کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ ان اقدامات سے مراکش تو یہودیوں سے پاک نہیں ہوا لیکن ناجائز اسرائیلی ریاست کو خوب تقویت ملی۔ یہ بات ہمیشہ ذہن نشین رہنی چاہیے کہ پوری دنیا سے کسی ایک بھی یہودی کی اسرائیل کی جانب ہجرت، مزید فلسطینی سرزمین اسرائیلی قبضے میں جانے، کسی فلسطینی کے بے گھر ہونے اور اپنی زمین سے بے دخل ہونے اور ناجائز صہیونی ریاست کی مضبوطی کا باعث ہوتی ہے اور مراکش کے شاہ محمد پنجم کے یہ اقدامات انہیں چیزوں کا سبب بن رہے تھے۔

[8] ۱۹۶۱ء میں ایک گرام سونا 1.125 امریکی ڈالر کا تھا، جبکہ آج ایک گرام سونا 108 امریکی ڈالر کا ہے، یعنی آج کے حساب سے سمجھا جا سکتا ہے کہ شاہ حسن نے 4 کروڑ 80 لاکھ ڈالر ایڈوانس، پھر پہلے پچاس ہزار یہودیوں کی ہجرت کے لیے ہر ایک یہودی کے بدلے 9600 امریکی ڈالر (کل 48 کروڑ ڈالر) جبکہ اس کے بعد باقی یہودیوں کی ہجرت کے لیے ہر ایک یہودی کے بدلے 24,000 امریکی ڈالر (کل 1 ارب 12 کروڑ 80 لاکھ ڈالر، اگلے 47 ہزار یہودیوں کی ہجرت کے لیے) وصول کیے۔

[9] In Ishmael's House: A History of Jews in Muslim Lands by Martin Gilbert.

بغاوت کچلنے، ٹیکٹیکل آپریشنز اور انٹیلی جنس کی بنیاد پر کی جانے والی کارروائیوں پر تربیت فراہم کی۔[۱۰]

اسی عرصے میں اسرائیل اور مراکش کے درمیان الجزائر اور مصر کے خلاف انٹیلی جنس معلومات کے تبادلے کا بھی آغاز ہوا۔ شاہ حسن ثانی نے موساد کو مراکش میں خفیہ اڈے بنانے کی بھی منظوری دی۔ اس انٹیلی جنس معلومات کے تبادلے میں سب سے مشہور معاملہ شاہ حسن ثانی کی طرف سے اسرائیل کو عرب لیگ کے اجلاس کی خفیہ ریکارڈنگز فراہم کرنے کا تھا۔

عرب لیگ کا خفیہ اجلاس اور شاہ حسن ثانی کی خیانت

۱۹۶۵ء میں مراکش کے شہر کاسابلانکا میں عرب لیگ کا خفیہ اجلاس ۱۳ ستمبر سے ۱۷ ستمبر تک منعقد ہوا۔ اس اجلاس کا مقصد اس بات کا فیصلہ کرنا تھا کہ کیا عرب ممالک اسرائیل کے خلاف جنگ کے لیے تیار ہیں اور کیا اس مقصد کے لیے ایک متحدہ عرب فوجی کمان بنانے کی ضرورت ہے؟

شاہ حسن ثانی نے اسرائیلی انٹیلی جنس ایجنسیز موساد اور شین بیت کو اس اجلاس کی جاسوسی کرنے کی اجازت دے دی۔ اس اجازت کے تحت موساد اور شین بیت کے ایک مشترکہ یونٹ 'دی برڈ' (The Bird) کو کاسابلانکا ہوٹل، جس میں یہ اجلاس ہونا تھا، کی ایک مکمل منزل حوالے کر دی گئی۔ اس یونٹ نے ہوٹل میں جاسوسی آلات نصب کیے تاکہ عرب رہنماؤں اور ان کے انٹیلی جنس سربراہان کے درمیان ہونے والی گفتگو کو ریکارڈ کیا جا سکے۔

لیکن اجلاس سے ایک دن قبل شاہ حسن نے راز افشا ہو جانے کے خوف سے اس یونٹ کو ہوٹل سے چلے جانے کا کہہ دیا اور اجلاس کے اختتام پر خود تمام ریکارڈنگز اسرائیل کے حوالے کر دیں۔[۱۱]

اسی اجلاس سے حاصل ہونے والی معلومات کا نتیجہ تھا کہ ۱۹۶۷ء میں دوسری عرب اسرائیل جنگ کے آغاز پر عرب ممالک کی جانب سے کسی حملے سے پہلے ہی اسرائیل نے مصر اور اردن کی مکمل اور شام کی آدھی فضائی طاقت کا خاتمہ کر دیا اور دوسری عرب اسرائیل جنگ میں اسرائیل کی فتح کو یقینی بنا لیا جس کے نتیجے میں مصر سے صحرائے سینا اور غزہ، اردن سے مغربی کنارہ اور مشرقی بیت المقدس جبکہ شام سے گولان کی پہاڑیاں اسرائیل کے قبضے میں آ گئیں۔

شاہ حسن ثانی نے اس تعاون کے بدلے میں موساد سے مراکشی حزب اختلاف کے رہنما مہدی بن برکہ کے قتل میں مدد مانگی تھی۔ اس اجلاس کے چند ہفتے بعد اکتوبر ۱۹۶۵ء میں موساد نے مہدی بن برکہ کو پیرس سے اغوا کر کے لاپتہ کر دیا جس کا اس کے بعد کبھی سراغ نہ مل سکا۔ بعض ذرائع کے مطابق موساد نے اس کو قتل کرنے کے بعد اس کے جسم کو تیزاب میں ڈال کر ختم کر دیا تھا۔[۱۲]

۱۹۷۳ء کی عرب اسرائیل جنگ (یوم کپور جنگ) میں مراکش کی شمولیت

۱۹۷۳ء میں مصر اور شام کی طرف سے اسرائیل کے خلاف جنگ شروع کیے جانے پر مراکش کے لیے اپنی ظاہری اور عوامی ساکھ، جس میں وہ عرب لیگ کے ساتھ، فلسطینی کاز کا حامی اور اسرائیل کا مخالف تھا، اور اسرائیل کے ساتھ اپنے خفیہ تعلقات کے درمیان توازن قائم کرنا مشکل ہو گیا۔ اس لیے عرب لیگ میں اپنی ساکھ اور مراکشی عوام کے درمیان اپنی عزت بچانے کے لیے شاہ حسن ثانی نے دو سے تین ہزار فوجیوں پر مشتمل اپنا فوجی دستہ شامی افواج کی مدد کے لیے گولان کی پہاڑیوں کی جانب روانہ کیا۔

اس جنگ کے دوران مراکشی فوجی دستہ کسی بڑی کارروائی میں شریک نہیں ہوا، اور اس کا کردار زیادہ تر دفاعی نوعیت کا ہی تھا۔ اس طرح سے مراکش نے عرب افواج کے ساتھ اظہارِ یکجہتی بھی کر لیا اور عرب لیگ اور مقامی عوام کو راضی بھی کر لیا اور اسرائیل کے ساتھ اپنے خفیہ تعلقات خراب بھی نہیں ہونے دیے۔ اسرائیل بھی جانتا تھا کہ مراکش کے فوجی دستے کی شمولیت سے جنگ کے نتائج پر کوئی اثر نہیں پڑنے والا اور بعض ذرائع کے مطابق دونوں ملکوں کے درمیان اتفاق موجود تھا کہ یہ اقدام مراکش کے لیے عالمِ عرب میں اپنا مقام قائم رکھنے کی خاطر ضروری ہے۔

القدس کمیٹی کا قیام اور سربراہی

جولائی ۱۹۷۵ء میں جدہ میں اسلامی تعاون تنظیم کے وزرائے خارجہ کے چھٹے اجلاس میں القدس کمیٹی تشکیل دی گئی۔ جسے اسرائیل فلسطین تنازع کے نتیجے میں بیت المقدس میں پیدا ہونے والے ثقافتی، سیاسی، سماجی، مذہبی اور انسانی حقوق سے متعلق مسائل کے حل کے لیے ایک قائمہ کمیٹی کی حیثیت دی گئی۔ اس کمیٹی کے مقاصد درج ذیل ہیں:

- بیت المقدس میں مقدس مقامات بالخصوص مسجد اقصیٰ کی صورتحال پر نظر رکھنا۔
- بیت المقدس کی ثقافتی اور تہذیبی شناخت کی حفاظت کے لیے کوششوں کو منظم کرنا۔
- عرب اسرائیل تنازع کے حوالے سے قراردادوں پر عمل درآمد کروانا اور فلسطینیوں کے حقوق کی حمایت کرنا۔
- بیت المقدس کے جنگ زدہ علاقوں کی بحالی، رہائش، تعلیم اور صحت کے معاملات میں انسانی و سماجی بنیادوں پر کوششوں کی وکالت کرنا۔

[۱۰] Israel-Morocco Deal Follows History of Cooperation on Arms and Spying by Ronen Bergman – The New York Times

[۱۱] Morocco tipped off Israeli intelligence, 'helped Israel win Six Day War', by Sue Surkes – The Times of Israel

[۱۲] History: 1965, when the Mossad helped Morocco murder Ben Barka by Mohammed Jaabouk – YaBiladi

اس القدس کمیٹی کی چیئر مین شپ شاہ حسن ثانی کی سربراہی میں مراکش کو دی گئی۔ اور یہ فیصلہ ۱۹۷۹ء میں مراکش میں منعقد ہونے والے اسلامی تعاون تنظیم کے وزرائے خارجہ کے دسویں اجلاس میں کیا گیا۔

کیسا المیہ اور کیسی منافقت ہے کہ جس نے ۱۹۶۵ء میں عرب لیگ کے اجلاس کی جاسوسی کر کے اسرائیل کو ۱۹۶۷ء کی جنگ جیتنے میں اور بیت المقدس، اور دیگر فلسطینی علاقوں کو اسرائیل کے قبضے میں جانے میں، ہزاروں مسلمانوں کی شہادت اور لاکھوں فلسطینیوں کی جلا وطنی میں براہ راست مدد کی وہی مسجدِ اقصیٰ کا پاسبان اور فلسطینیوں کے حقوق کا علمبر دار ٹھہرا۔

مصر اسرائیل تعلقات قائم کرنے میں مراکش کا کردار

اکتوبر ۱۹۷۶ء میں اسرائیلی وزیر اعظم اسحاق رابین نے مراکش کا خفیہ دورہ کیا۔ خود کو خفیہ رکھنے کے لیے اسرائیلی وزیر اعظم سر پر 'وِگ'، بڑی بڑی نقلی مونچھیں، اور نظر کی نقلی عینک پہن کر گیا۔ مراکش میں اسرائیلی وزیر اعظم نے شاہ حسن ثانی سے ملاقات کی اور اسرائیل کے عرب ریاستوں کے ساتھ ممکنہ امن عمل اور مراکش کی جانب سے اس عمل میں سہولت کاری کے حوالے سے بات کی۔ اس ملاقات نے آنے والے وقت میں اسرائیل اور مصر کے درمیان تعلقات قائم کرنے کے لیے زمین ہموار کی۔[۱۳]

اس ملاقات کے بعد شاہ حسن ثانی نے اسرائیل اور مصر کے درمیان خفیہ رابطہ کاری قائم کرنے کے لیے سہولت کاری فراہم کی۔ اگست ۱۹۷۷ء میں موساد کے سربراہ اسحاق حوفی نے مراکش کا دورہ کیا اور شاہ حسن ثانی سے ملاقات کی۔ اس دورے کے دوران شاہ حسن ثانی نے اسرائیلی وزیر اعظم کو مصری صدر انور سادات کی جانب سے خفیہ پیغام دیا جس میں مصر کی جانب سے مراکش کی ثالثی میں اسرائیل کے ساتھ امن مذاکرات کے لیے رضامندی کا اظہار کیا گیا تھا۔[۱۴]

۱۶ ستمبر ۱۹۷۷ء کو اسرائیلی وزیر خارجہ موشے دیان اور مصر کے نائب صدر حسن التہامی کے درمیان مراکش کے دار الحکومت رباط میں ملاقات ہوئی۔ اس ملاقات کو اس قدر خفیہ رکھا گیا تھا کہ مصر میں صرف تین لوگ، صدر انور سادات، نائب صدر حسن تہامی اور وزیر خارجہ اسماعیل فہمی، اس ملاقات سے واقف تھے۔ حتیٰ کہ کہا جاتا ہے کہ امریکہ کو بھی اس ملاقات کا علم نہیں تھا۔ اس ملاقات میں حسن التہامی نے اسرائیلی وزیر اعظم میناخم بیگن سے انور سادات کی ملاقات کی رائے پیش کی اور ساتھ میں مطالبہ رکھا کہ اسرائیل جزیرہ نما سینا سے انخلا پر رضامندی ظاہر کرے۔ اس ملاقات میں اسرائیل اور مصر کے تعلقات کی بحالی پر بات ہوئی اور حسن تہامی نے سینا سے اسرائیل کے مکمل انخلاء کے پانچ سال کے اندر مصر اسرائیل تعلقات مکمل طور پر بحال کرنے کا وعدہ کیا۔

اسرائیلی وزیر خارجہ موشے دیان نے اسرائیلی وزیر اعظم بیگن اور مصری صدر سادات کی ملاقات پر تو رضامندی کا اظہار کیا لیکن سینا سے انخلا کے حوالے سے کوئی مثبت جواب نہیں دیا۔[۱۵]

شاہ حسن ثانی نے حسن التہامی پر تنقید کی کہ وہ 'لچک' کا مظاہرہ نہیں کر رہا اور مذاکرات میں رکاوٹیں کھڑی کر رہا ہے۔ اس کے نزدیک جزیرہ نما سینا سے انخلاء کی شرط میں تہامی کو نرمی اختیار کرنی چاہیے۔ یہ ملاقات بغیر کسی نتیجے کے ختم ہوگئی۔ اس کے دو ماہ بعد انور سادات نے یروشلم کا دورہ کیا اور میناخم بیگن سے ملاقات کی اور مصر اسرائیل مذاکرات کا آغاز ہوا جس کے نتیجے میں ۱۹۷۹ء میں اسرائیل اور مصر کے درمیان باقاعدہ سفارتی تعلقات قائم ہو گئے۔

اسرائیلی وزیر اعظم کی جانب سے مراکش کا پہلا سرکاری دورہ

۲۱ جولائی ۱۹۸۶ء کو اسرائیلی وزیر اعظم شمعون پریز نے مراکش کا پہلا سرکاری دورہ کیا اور وہاں شاہ حسن ثانی سے ملاقات کی۔ یہ کسی بھی اسرائیلی وزیر اعظم کا کسی مسلم ملک کا دوسرا سرکاری دورہ تھا۔ اس سے قبل مینخم بیگن نومبر ۱۹۷۷ء میں مصر کا دورہ کر چکا تھا اور بالواسطہ طور پر اس کا سہرا بھی شاہ حسن ثانی کو ہی جاتا ہے کہ جس کی ثالثی میں اسرائیل اور مصر کے تعلقات قائم ہوئے۔

اس دورے کا مقصد کسی موضوع پر مذاکرات کرنا نہیں تھا بلکہ یہ ایک علامتی اور تجرباتی دورہ تھا جس کا مقصد اس طرح کھلے تعلقات پر مقامی سطح پر اور عالم اسلام کا ردِ عمل دیکھنا تھا۔

علامتی طور پر ہی اس دورے میں شاہ حسن ثانی نے فلسطینی ریاست کے قیام اور پی ایل او سے مذاکرات کا مطالبہ رکھا جسے شمعون پریز نے رد کر دیا۔ اس کے علاوہ اس موضوع پر کوئی بات نہ ہوئی۔

مراکش میں مقامی سطح پر سرکاری میڈیا کی جانب سے اسرائیلی وزیر اعظم کے دورے کا اعلان نہیں کیا گیا تھا لیکن پھر بھی اس دورے کی اطلاع ہر طرف پھیل چکی تھی۔ لیکن مقامی آبادی کی طرف سے اس پر کوئی خاص احتجاج سامنے نہیں آیا۔ عالم عرب میں شام نے اس دورے کو مراکش کی غداری قرار دیا اور مراکش سے تمام سفارتی تعلقات منقطع کر لیے۔ اس کے علاوہ الجزائر، لیبیا اور عراق نے صرف اس پر تنقید کرنے پر اکتفا کیا جبکہ اردن اور سعودی عرب نے اس پر کوئی ردِ عمل ظاہر نہیں کیا۔

---

[۱۳] Morocco-Israel normalization: Rabat's latest political betrayal by Abdelkader Abderrahmane, Middle East Eye

[۱۴] The Moroccan connection – The Jerusalem Post

[۱۵] September 16, 1977 – Moshe Dayan – Hassan Tuhami Secret Morocco Meeting about Direct Israel-Egyptian Negotiations – The Institute for Intelligence and Special Operations – Center for Israel Education

اگرچہ اس دورے میں کیے جانے والے مذاکرات میں کسی بھی چیز پر اتفاق نہیں ہوا پھر بھی اس دورے کو ایک کامیاب دورہ تصور کیا گیا کیونکہ دورے کا اصل مقصد اسرائیل کے عرب ممالک کے ساتھ تعلقات کی بحالی کے عمل کو آگے بڑھانا تھا اور مقامی اور عالم اسلام کی سطح پر دیے جانے والے ردعمل کو دیکھتے ہوئے یہ دورہ اسرائیل کے لیے کافی امید افزا ثابت ہوا۔

اوسلو معاہدے کے بعد اسرائیلی وزیر اعظم اسحاق رابین کا مراکش کا دورہ

۱۳ ستمبر ۱۹۹۳ء کو واشنگٹن ڈی سی میں اسرائیل اور فلسطینی اتھارٹی (PLO) کے درمیان اوسلو اوّل معاہدہ طے پایا جس میں دونوں فریقوں نے ایک دوسرے کی حیثیت کو تسلیم کیا، اور مغربی کنارے کے کچھ حصوں اور غزہ کو ملا کر ایک فلسطینی ریاست کے قیام پر اتفاق ہوا۔ اسرائیلی وزیر اعظم اسحاق رابین نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عرب ممالک کے ساتھ تعلقات کی بحالی کے لیے 'معتدل' عرب ریاستوں کی حمایت کی کوشش شروع کی اور اس سلسلے میں سب سے پہلے امریکہ سے یروشلم واپسی پر مراکش کا دورہ کیا۔ اس دورے میں وزیر اعظم اسحاق رابین کے ساتھ وزیر خارجہ شمعون پریز بھی شامل تھا۔

شاہ حسن ثانی نے اسحاق رابین کا گرم جوشی سے استقبال کیا، اسے عبرانی زبان میں نئے یہودی سال کی مبارکباد دی اور اسے وہ تمام پروٹوکول دیے جو کسی بھی ملک کے سربراہ کے سرکاری دورے پر اسے دیے جاتے ہیں اور اس طرح اشارہ دیا کہ اب مراکش کھل کر اسرائیل سے تعامل کر سکتا ہے۔ اس دورے کے دوران اسرائیلی وفد نے کاسابلانکا میں ایک سیناگاگ (یہودی عبادت گاہ) کا اور پھر جامعہ مسجد حسن ثانی کا بھی دورہ کیا۔ یہ دورہ بہت محدود وقت کے لیے تھا۔ چند گھنٹے قیام کے بعد یہ وفد اسرائیل روانہ ہو گیا۔[16]

اسرائیل واپس پہنچنے کے بعد اسحاق رابین نے اپنے دو مشیر شاہ حسن ثانی سے ملاقات کے لیے مراکش روانہ کیے، جس کا مقصد شاہ حسن ثانی کو اوسلو معاہدے کی تازہ صورتحال سے آگاہ کرنا تھا کیونکہ فلسطینی اتھارٹی کے ساتھ سکیورٹی انتظامات کے معاملے میں اختلاف پیدا ہو گیا تھا اور اسرائیل شاہ حسن ثانی کی حمایت حاصل کرنا چاہتا تھا۔

وفد سے ملاقات میں شاہ حسن ثانی نے فلسطینی اتھارٹی کے رہنما یاسر عرفات پر سخت تنقید کی اور کہا کہ اس کی محمود عباس سے ملاقات ہوئی تھی اور محمود عباس یاسر عرفات سے شدید خائف تھا۔ شاہ حسن ثانی کے بقول محمود عباس نے اسے کہا:

> "اسرائیلیوں کا مؤقف درست ہے اور ہمارا غلط ہے۔ عرفات ایسی پوزیشن سے بات کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ جیسے یہ ایک 'فلسطینی ریاست' ہے، جبکہ ہم، جو اس کے قریبی ہیں، اسے واضح طور پر بتاتے ہیں کہ یہ صرف ایک عبوری مرحلہ ہے۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں، بنیادی مسئلہ راہداریوں کا ہے۔ اور اس معاملے میں آپ کہہ سکتے ہیں کہ اسرائیلیوں کا مؤقف درست ہے۔ جس کے پاس بھی راہداریوں کا کنٹرول ہوگا اس کے پاس سکیورٹی کا کنٹرول ہوگا۔ جو کوئی راہداری سے داخل ہوتا ہے وہ گویا تل ابیب میں داخل ہو رہا ہوتا ہے۔"

پھر شاہ حسن ثانی نے کہا کہ "عرفات ان سب کے لیے ایک آمر ہے اور وہ کسی بھی پیش رفت کی اجازت نہیں دیتا۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ شخص شدید دماغی خلل کا شکار اور خود پسند بن چکا ہے۔ وہ ہر وقت دوسروں پر چیختا ہے۔ اس نے اپنے تمام وفاداروں، حنان اشراوی، فیصل حسینی، حیدر عبد الشافی اور محمود عباس، کو خود سے دور کر دیا ہے"۔ اس نے مزید کہا کہ "عرفات کو پی ایل او سے الگ کرنا چاہیے" اور یہ کہ "اسحاق رابین اور عرفات کے درمیان ملاقات مقررہ وقت پر نہیں ہونی چاہیے، اس معاملے کو تھوڑا کھینچیں، اس پر دباؤ ڈالیں، بغیر (پی ایل او) سے تعلقات خراب کیے"۔ شاہ حسن ثانی نے یہ بھی کہا کہ اگر اسرائیل چاہے تو وہ (شاہ حسن ثانی) یاسر عرفات کے "کان کھینچنے" کے لیے اپنا پیغام رساں بھیج سکتا ہے۔

اس کے بعد شاہ حسن ثانی نے وفد کی ملاقات محمود عباس سے کروائی۔ اس ملاقات میں شاہ حسن سمیت مراکش کا کوئی بھی نمائندہ موجود نہیں تھا، اسرائیلی وفد نے محمود عباس سے اکیلے میں ملاقات کی۔ محمود عباس نے شاہ حسن کی بتائی گئی باتوں کی تصدیق کی اور یاسر عرفات کے اقدامات سے اپنی ناراضگی کا اظہار کیا۔ اس نے کہا کہ یاسر عرفات نے اوسلو معاہدے کو غلط انداز میں سمجھا ہے۔ محمود عباس نے مزید کہا کہ یاسر عرفات نے اسے اوسلو جانے کا کہا ہے لیکن وہ نہیں جائے گا کیونکہ اس کے پاس مکمل اختیار نہیں ہے۔ وہ پس پردہ رہ کر کام کرے گا۔ اس نے مزید کہا کہ اسحاق رابین اور یاسر عرفات کے درمیان ابھی ملاقات نہیں ہونی چاہیے کیونکہ اوسلو معاہدے کے بعد سے کچھ سکون کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔ اگر تناؤ کی صورتحال پیدا ہو جائے تو یاسر عرفات پر دباؤ پڑ سکتا ہے اور اسرائیل اس سے اپنے مطالبات منوا سکتا ہے۔[17]

مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ کا معاشی سربراہی اجلاس (MENA Summit)

اوسلو معاہدے کے بعد جب اکتوبر ۱۹۹۴ء میں اسرائیل اور اردن کے درمیان بھی امن معاہدہ ہو گیا تو اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے شاہ حسن ثانی نے امریکہ اور روس کے تعاون سے ۳۰ اکتوبر ۱۹۹۴ء کو مراکش کے شہر کاسابلانکا میں ایک سربراہی اجلاس منعقد کیا۔ اس اجلاس میں امریکہ، روس، اسرائیل، اردن، مصر، تیونس، مراکش سمیت ۶۱ ممالک سے آنے والے دو ہزار سے زائد نمائندوں نے شرکت کی، جن میں امریکی صدر بل

---

[16] Rabin Makes Surprise Visit to Morocco: Diplomacy: Israeli officials say recognition is virtually certain in wake of symbolic meeting with King Hassan, by Michael Parks, 15 September 1993 – Los Angeles Times

[17] An Israeli Official's Meeting with Moroccan King Hassan II in 1993 by Col (ret.) Dr. Jacques Neriah – Jerusalem Center for Security and Foreign Affairs

کلنٹن، اسرائیلی وزیر اعظم اسحاق رابین، اور فلسطینی اتھارٹی کے رہنما یاسر عرفات بھی شامل تھے۔

اس سربراہی اجلاس کو ایک سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے کیونکہ یہ پہلا موقع تھا کہ اسرائیلی اور عرب راہنما کسی عوامی فورم پر اکٹھے ہوئے تھے۔ اس اجلاس کا مقصد اوسلو معاہدے اور اردن اسرائیل امن معاہدے کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسرائیل اور دیگر مسلم ممالک کے درمیان معاشی تعلقات کو فروغ دینا تھا۔[۱۸]

اسرائیل کے قیام سے ہی عرب لیگ نے اپنے رکن ممالک پر اسرائیل سے براہ راست تجارتی تعلقات قائم کرنے پر پابندی لگا رکھی تھی اور ۱۹۵۰ء کی دہائی میں عرب لیگ نے یہ پابندی بڑھاتے ہوئے ان تمام کمپنیوں کا بائیکاٹ بھی شامل کر دیا تھا جو اسرائیل کے ساتھ تجارتی تعلقات رکھتی ہیں۔ اس سربراہی اجلاس میں یہ موضوع بھی زیر بحث رہا اور خلیج تعاون تنظیم کے ممالک بحرین، کویت، قطر، سعودی عرب اور متحدہ عرب امارات نے اجلاس کے آغاز سے قبل ہی ان کمپنیوں کا بائیکاٹ ختم کر دیا جو اسرائیل کے ساتھ تجارتی تعلقات رکھتی ہیں[۱۹]۔ سربراہی اجلاس کے اختتام پر ۱۹۹۵ء میں عمان میں اگلا سربراہی اجلاس منعقد کرنا طے پایا۔

مراکش اور اسرائیل کے درمیان جزوی سفارتی تعلقات کا آغاز

اس سربراہی اجلاس کے اختتام پر مراکش اور اسرائیل جزوی سفارتی تعلقات قائم کرنے پر متفق ہو گئے[۲۰]۔ مراکش نے اپنا سفارتی رابطہ دفتر یروشلم میں کھولا جسے کچھ عرصے بعد تل ابیب منتقل کر دیا گیا جبکہ اسرائیل نے اپنا سفارتی رابطہ دفتر رباط میں کھول لیا۔ ان دفاتر کا مقصد دونوں ممالک کے درمیان تجارت، سیاحت اور ثقافتی سرگرمیوں کا فروغ تھا۔ مصر اور اردن کے بعد مراکش تیسرا ملک تھا جس نے اسرائیل کے ساتھ کسی درجے میں سفارتی تعلقات قائم کیے۔ مراکش کے کچھ ہی عرصہ بعد قطر اور تیونس نے بھی اسرائیل کے ساتھ جزوی سفارتی تعلقات قائم کر لیے تھے۔ ان دفاتر کے قیام کی وجہ سے مراکش اور اسرائیل کے اعلیٰ سطحی وفود آزادانہ طور پر ایک دوسرے کے ممالک میں آنے جانے لگے۔ ان سفارتی تعلقات کے نتیجے میں ۱۹۹۹ء تک مراکش میں اسرائیلی سیاحوں کی تعداد پچاس ہزار سالانہ تک پہنچ گئی جبکہ دونوں ملکوں کے درمیان تجارتی تعلقات پانچ کروڑ ڈالر سالانہ تک پہنچ گئے۔[۲۱]

شام اور لبنان کے علاوہ کسی اسلامی ملک نے مراکش کے اسرائیل کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم کرنے کی مخالفت نہیں کی۔

۲۲ جولائی ۱۹۹۹ء کو شاہ حسن ثانی کی نمونیہ کی وجہ سے موت واقع ہو گئی۔ اس کے جنازے میں پوری دنیا سے سربراہان مملکت اور دیگر رہنماؤں نے شرکت کی جن میں اسرائیل سے وزیر اعظم ایہود بارک، سابق وزیر اعظم شمعون پیریز اور وزیر خارجہ ڈیوڈ لیوی بھی شامل تھے۔

شاہ محمد ششم (۱۹۹۹ء تا حال)

شاہ حسن ثانی کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے شاہ محمد ششم نے مراکش کا اقتدار سنبھالا اور اسرائیل کے حوالے سے اپنے باپ کی پالیسیوں کو ہی جاری رکھا۔

دوسرا انتفاضہ اور سفارتی تعلقات کا خاتمہ

جولائی ۲۰۰۰ء میں امریکہ میں کیمپ ڈیوڈ سربراہی اجلاس ہوا جس میں فلسطینی ریاست کے قیام کے حوالے سے حتمی فیصلہ ہونا تھا۔ لیکن یہ مذاکرات ناکام ہو گئے اور اجلاس کسی نتیجے پر پہنچے بغیر ختم ہو گیا۔ اس کی وجہ سے بیت المقدس اور اسرائیلی علاقوں میں بڑے پیمانے پر فلسطینی مظاہرین نے احتجاج شروع کیا جس پر اسرائیلی سیکیورٹی فورسز نے کھلی فائرنگ کر کے سو سے زائد مظاہرین کو شہید کر دیا۔ اسی عرصے میں اسرائیلی وزیر اعظم ایریل شیرون نے مسجد اقصیٰ کا دورہ کیا جس نے فلسطینیوں کو مشتعل کر دیا یہ واقعات دوسرے انتفاضہ کا نقطۂ آغاز بن گئے[۲۲]۔ فلسطینی مسلمانوں اور اسرائیل کے درمیان کشیدگی میں اضافے نے ان تمام مسلم ممالک کو، جو اسرائیل کے ساتھ اپنے تعلقات بہتر کرنے کی طرف بڑھ رہے تھے، اسرائیل کے ساتھ اپنے تعلقات میں کمی لانے بلکہ ختم کرنے پر مجبور کر دیا۔ مراکش بھی ان ممالک میں شامل تھا۔ مقامی اور عالم عرب کے دباؤ کی وجہ سے مراکش نے اسرائیل کے ساتھ جزوی سفارتی تعلقات منقطع کر دیے۔ مراکش میں اسرائیلی سفارتی رابطہ دفتر اور تل ابیب میں مراکش کا سفارتی رابطہ دفتر بند کر دیا گیا۔[۲۳]

سفارتی تعلقات ختم ہونے کے باوجود دونوں ملکوں کے درمیان غیر رسمی تعلقات جاری رہے۔ اسرائیلی سیاحوں کو مراکش کا سفر کرنے کی مکمل اجازت تھی۔ ۲۰۰۰ء کے بعد کے

---

۱۸ Casablanca Declaration – Mideast/North Africa Economic Summit, Ministry of Foreign Affairs, Government of Israel

۱۹ GCC announces end to boycott of Israel – Middle East business intelligence

۲۰ Israel and Morocco Take Fledgling Step Toward Diplomatic Relations, by Clyde Haberman, 2 September 1994 – The New York Times

۲۱ Morocco, Israel: 6 decades of secret ties, cooperation, by Ahmed bin Taher, 20 December, 2020 – Anadolu Agency Turkey

۲۲ The Second Intafada: Background and Causes of the Israeli-Palestinian Conflict by Jeremy Pressman, 21 February 2006 – Journal of Conflict Studies

۲۳ Morocco's envoy arrives in Israel to reopen Liaison office, 9 February 2021 – The Times of Israel

عرصے میں اوسطاً پچاس ہزار سیاح سالانہ مراکش کا سفر کرتے تھے[۲۴]۔ اس کے علاوہ اس عرصے میں مراکش اور اسرائیل کے درمیان انٹیلی جنس شیئرنگ اور سیکورٹی کے شعبوں میں تعاون بھی جاری رہا۔

ایران اور لبنانی حزب اللہ کے خلاف تعاون

ایران میں خمینی کے انقلاب کے بعد سے مراکش اور ایران کے تعلقات کبھی بھی دوستانہ نہیں رہے۔ ۱۹۸۱ء میں ایران نے مراکش سے تمام سفارتی تعلقات اس وقت منقطع کر لیے جب شاہ حسن ثانی نے جلاوطن کیے گئے شاہ رضا پہلوی کو مراکش میں پناہ دی۔ اس کی ایک دہائی کے بعد سفارتی تعلقات بحال کر دیے گئے[۲۵]۔ پھر مارچ ۲۰۰۹ء میں مراکش نے ایران کے ساتھ تمام سفارتی تعلقات منقطع کر دیے جب ایرانی سپریم لیڈر آیت اللہ علی خامنہ ای نے بیان دیا کہ ایران کو بحرین پر حقِ تسلط حاصل ہے[۲۶]۔ ۲۰۱۴ء میں سفارتی تعلقات پھر بحال کر دیے گئے لیکن ۲۰۱۸ء میں مراکش نے پھر سے تعلقات یہ کہتے ہوئے منقطع کر دیے کہ ایران اور لبنانی حزب اللہ الجزائر کی مدد سے مغربی صحرائے کبریٰ میں علیحدگی پسند تحریک پولیساریو فرنٹ کو تربیت اور اسلحہ فراہم کر رہا ہے۔ یہ تعلقات تاحال بحال نہیں ہوئے۔

اس طرح ایران اور حزب اللہ کے اسرائیل اور مراکش کے مشترکہ دشمن ہونے کی وجہ سے اور الجزائر کے مراکش کے پرانے حریف ہونے اور ایران اور حزب اللہ کے ساتھ مبینہ تعاون کی وجہ سے مراکش اور اسرائیل کے درمیان ان ممالک کے خلاف انٹیلی جنس تعاون مستقل جاری رہا[۲۷]۔

اسرائیل مراکش 'نارملائزیشن'

مئی ۲۰۱۹ء میں اس وقت کے امریکی صدر ڈانلڈ ٹرمپ کے سینئر مشیر جیرڈ کشنر نے ابراہیمی معاہدوں کے لیے زمین ہموار کرنے کی خاطر مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ کا دورہ شروع کیا جس کے تحت اس نے مراکش کا بھی دورہ کیا۔ کشنر کی شاہ محمد ششم سے ملاقات کے دوران شاہ نے اسرائیل کے ساتھ تعلقات 'نارملائز' کرنے کے لیے شرط رکھی کہ اگر امریکہ مغربی صحرائے کبریٰ پر مراکش کا حقِ تسلط تسلیم کر لیتا ہے تو اس کے بدلے مراکشی عوام کو اسرائیل کے ساتھ تعلقات نارملائز کرنے پر قائل کیا جا سکتا ہے۔ اسرائیلی حکومت نے بھی مراکش کے اس مطالبے کی حمایت کی اور امریکہ پر زور دیا کہ وہ اس مطالبے کو تسلیم کرے۔ لیکن جیرڈ کشنر نے فوری طور پر یہ مطالبہ تسلیم نہیں کیا اور پھر یہ معاملہ تعطل کا شکار ہو گیا کیونکہ ٹرمپ کا قومی سلامتی کا مشیر جان بولٹن اور بعض سینیٹر مراکش کے اس مطالبے کے مخالف تھے[۲۸]۔

اس حوالے سے مذاکرات دو سال تک جاری رہے جبکہ ۲۰۲۰ء میں ان میں تیزی دیکھنے میں آئی۔ دسمبر ۲۰۲۰ء میں معاہدے کو ابراہیمی معاہدوں کے ایک حصے کے طور پر حتمی شکل دے دی گئی۔ ۱۰ دسمبر ۲۰۲۰ء کو ٹرمپ نے اعلان کیا کہ امریکہ کی جانب سے مغربی صحرائے کبریٰ پر مراکش کے حقِ تسلط کو تسلیم کرنے کے بدلے مراکش اسرائیل کے ساتھ تعلقات بحال کر رہا ہے۔

۲۲ دسمبر ۲۰۲۰ء کو رباط میں اسرائیلی اور مراکشی حکام کے درمیان نارملائزیشن کے معاہدے پر دستخط ہو گئے۔ اس طرح مراکش باضابطہ طور پر اسرائیل کے ساتھ تعلقات قائم کرنے والا چھٹا عرب ملک بن گیا۔

اس معاہدے کے تحت آغاز میں مراکش اور اسرائیل نے اپنے سفارتی رابطہ دفاتر کو دوبارہ فعال کرنا تھا، پھر بتدریج دونوں ملکوں میں سفارت خانے قائم کیے جانے تھے۔ اس کے بدلے میں امریکہ نے مغربی صحرائے کبریٰ پر مراکش کے حقِ تسلط کا دعویٰ قبول کر لیا اور مغربی صحرائے کبریٰ کو مراکش کی ملکیت قرار دے دیا[۲۹]۔

واضح رہے کہ امریکہ گزشتہ تیس سال سے مغربی صحرائے کبریٰ کے مسئلے کا حل اقوام متحدہ کی زیر نگرانی ریفرنڈم کروانے کو کہتا آیا تھا، اور صرف اسرائیل اور مراکش کے تعلقات کی بحالی کی خاطر امریکہ اپنے تیس سالہ مؤقف سے پیچھے ہٹ گیا۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مراکش اور اسرائیل کے درمیان ہونے والا نارملائزیشن معاہدہ کرتے وقت شاہ محمد ششم کے تحت ایک اسلامی جمہوری پارٹی "حزب العدالة والتنمية" (Justice and Development Party) کے وزیر اعظم سعد الدین عثمانی کی حکومت تھی جو حکومت میں آنے سے قبل مراکش کے اسرائیل کے ساتھ تعلقات پر سخت تنقید کرتی تھی اور ان تعلقات کو ختم کرنے کا مطالبہ کرتی تھی[۳۰]۔

اس نارملائزیشن سے دونوں ملکوں کے درمیان تجارتی تعلقات میں اضافہ ہوا۔ ۲۰۲۳ء تک دونوں ملکوں کے درمیان تجارت ۱۱ کروڑ ۶۷ لاکھ ڈالر سالانہ تک پہنچ چکی تھی۔ اس کے علاوہ سائبر سیکورٹی اور دفاع کے شعبوں میں بھی مزید معاہدے کیے گئے اور اب اسرائیل مراکش کو اسلحہ فراہم کرنے والا سب سے بڑا ملک بن چکا ہے۔

---

[۲۴] Israel, Morocco agree to normalize relations in US-broked deal, 18 December, 2020 – Al Jazeera

[۲۵] Moroccan Premier ends visit to Iran – BBC News

[۲۶] Morocco cuts ties with Iran over Bahrain - Reuters

[۲۷] Morocco security officials: 'Iran, Hezbollah undermining stability with Algeria's help', Middle East Monitor

[۲۸] Inhofe slams Trump administration on Western Sahara policy, 6 February, 2021 – Politico

[۲۹] Morocco, Israel normalize ties as US recognizes Western Sahara, 16 March 2021 – The Jerusalem Post

[۳۰] Morocco: Ruling party okays Israel normalization deal, 24 December 2024 – Anadolu Agency Turkey

طوفان الاقصیٰ کے بعد اسرائیل مراکش تعلقات

طوفان الاقصیٰ اور اس کے بعد غزہ پر اسرائیل کی جانب سے کی جانے والی جنگ کے دوران اگرچہ مراکش میں عوام کی جانب سے سخت احتجاجی مظاہرے کیے گئے اور حکومت سے اسرائیل کے ساتھ تعلقات ختم کرنے کا مطالبہ کیا گیا لیکن مراکش حکومت نے واضح اعلان کیا کہ ۲۰۰۰ء میں دوسرے انتفاضہ کے وقت کے برخلاف اب مراکش اسرائیل سے اپنے تعلقات کسی صورت بھی منقطع نہیں کرے گا۔

تعلقات ختم کرنا تو دور کی بات اس عرصے میں دونوں ملکوں کے درمیان تعلقات میں کہیں زیادہ اضافہ دیکھنے میں آیا۔ ۲۰۲۴ء کی پہلی ششماہی میں دونوں ملکوں کے درمیان پانچ کروڑ ۳۲ لاکھ ڈالر کی تجارت ہوئی جو کہ گزشتہ برس کی نسبت ۶۴ فیصد زیادہ تھی۔ ۲۰۲۴ء میں ہی اسرائیل نے مراکش کے اندر ایک ڈرون بنانے والی فیکٹری کا افتتاح کیا۔ اسی سال مراکش نے اسرائیل سے ایک ارب ڈالر کی مالیت کا جاسوسی سیٹلائٹ ایران کی جاسوسی کے لیے خریدا۔[۳۱]

غزہ جنگ میں مراکش کی طرف سے اسرائیل کو براہ راست مدد

صرف یہی نہیں کہ غزہ میں جاری جنگ کے دوران مراکش نے اسرائیل کے ساتھ باہمی مفادات جاری رکھے بلکہ مراکش نے غزہ کی جنگ میں اسرائیل کی براہ راست مدد بھی کی۔ اس جنگ کے دوران اسرائیل کو جانے والے تمام اسلحے کے بحری جہازوں کو مراکش کی بندر گاہوں پر سہولت فراہم کی جاتی رہی ہے جو کہ اب تک جاری ہے ان میں وہ بحری جہاز بھی شامل ہیں جو اسرائیل کے F-35 لڑاکا جیٹ طیاروں کے پرزے لے کر جاتے ہیں۔[۳۲]

گولانی بریگیڈ جو کہ غزہ کی حالیہ جنگ میں نہتے شہریوں، عورتوں، بچوں اور بڑی تعداد میں طبی عملے کو ہدف بنا کر شہید کرنے کے حوالے سے بدنام ہے، اس بریگیڈ کے سپاہیوں نے مئی ۲۰۲۵ء میں مراکش میں ہونے والی فوجی مشقوں ”African Lion 2025“ میں شرکت کی۔ جہاں ’شہری جنگ‘، ’غیر روایتی جنگ‘، اور ’زیر زمین سرنگوں میں آپریشنز‘ کے لیے مشقیں کروائی گئیں۔ بالفاظِ دیگر مراکش اسرائیلی فوجیوں کو غزہ میں اپنے مظالم اور نسل کشی کو زیادہ بہتر انداز میں جاری رکھنے کے لیے تربیت حاصل کرنے میں سہولت فراہم کر رہا ہے۔[۳۳]

واضح رہے کہ ان مشقوں میں شامل چالیس ممالک میں اسرائیل کے علاوہ مصر، لیبیا، موریطانیہ، مراکش، تیونس، متحدہ عرب امارات، الجزائر، قطر اور ترکی بھی شامل تھے۔[۳۴]

اختتامیہ

مراکش کی قبلۂ اوّل سے خیانت کی یہ داستان دل دہلا دینے والی ہے۔ شاہ حسین ثانی ہو یا شاہ محمد ششم، مراکش کے یہ حکمران ہمیشہ سے اپنے مفادات کے لیے فلسطینیوں کے خون سے ہاتھ رنگتے آ رہے ہیں۔ ڈالروں کے عوض مراکشی یہودیوں کو اسرائیل ہجرت کروانے، عرب لیگ کے اجلاس کی جاسوسی کر کے اسرائیل کو ۱۹۶۷ء کی جنگ میں جتوا کر فلسطینی اور مسلم علاقوں کو اسرائیل کے قبضے میں دینے، مصر کو اسرائیل کے ساتھ تعلقات قائم کرنے پر قائل کرنے، فلسطینی اتھارٹی کو اسرائیلی مطالبات کے آگے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کرنے، اور اسلامی ممالک کے خلاف اسرائیل کے ساتھ سیکیورٹی تعاون اور انٹیلی جنس شیئرنگ کرنے سے لے کر آج غزہ میں جاری نسل کشی کے لیے اسلحے اور فوجی تربیت کے لیے سہولت کاری کرنے تک، مراکش کے ان حکمرانوں نے بارہا ثابت کیا ہے کہ ان کے لیے اقتدار اور دولت مظلوموں کی پکار اور مسجدِ اقصیٰ کی حرمت سے کہیں زیادہ قیمتی ہے۔ آج جب غزہ میں مظلوم بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کا خون بہہ رہا ہے، جب وہ بمباری اور بھوک سے اپنی جانیں دے رہے ہیں، مراکش کی بندر گاہیں اور تربیتی میدان اس ظلم کے آلۂ کار بن رہے ہیں۔ یہ صرف ایک ملک کی خیانت کی نہیں بلکہ پوری امت کی بے حسی کی داستان ہے۔ اس پر مزید منافقت یہ کہ یہی خائن آج تک خود کو مسجد اقصیٰ کے پاسبان اور فلسطینی مسلمانوں کے حقوق کے علمبر دار کہتے ہیں۔ یہ عالم اسلام کے حکمرانوں کی سب سے بڑی منافقت ہے کہ جنہوں نے مسجد اقصیٰ کے ساتھ سب سے بڑی خیانت کی (اردن اور مراکش) انہیں ہی مسجد اقصیٰ کے پاسبان ہونے کا درجہ حاصل ہے۔

کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ ہم اس خیانت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں؟ کیا فلسطین کا درد ہمارا درد نہیں؟ آئیں اس سیاہ تاریخ کو پلٹ دینے کا عزم کریں، ان خائنین کو اور ان کے آقاؤں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کا عزم کریں۔

کیونکہ خیانت کے مقابل یہ خاموشی اور بے عملی بذاتِ خود ایک خیانت ہے!

☆☆☆☆☆

---

[۳۱] How the Gaza war brought Morocco and Israel closer by Sarah Zaaimi, 21 January 2025 – Atlantic Council

[۳۲] Fuelling the 'machinery of genocide': Morocco's backdoor support for Israel's war on Gaza by Caroline Dupuy, 1 July 2025 – Middle East Eye

[۳۳] Golani Brigade in Morocco: How the Rabat Regime is Complicit in Gaza Genocide by Robert Inlakesh, 28 May 2025 – The Palestine Chronicle

[۳۴] African Lion 25: Largest U.S.-led military exercise in Africa begins in four nations, 10 April 2025 – Military Africa

مری ہچکیاں کسی دیس سے کسی مردِ حُر کو نہ لا سکیں!

(اہلِ غزہ جس آزمائش سے گزر رہے ہیں اس کی چند جھلکیاں)

قاضی ابو احمد

غزہ میں ڈاکٹر کی حیثیت سے اپنی خدمات پیش کرنے والے برطانوی ڈاکٹر، Nick Maynard کہتے ہیں کہ میں اور میرے ساتھ کام کرنے والے سب ہی لوگ اس بات کے گواہ ہیں کہ نام نہاد امدادی مراکز (جی ایچ ایف) کی طرف امداد لینے جانے والے نہتے شہریوں کو اسرائیلی فوج باقاعدہ تاک تاک کر نشانہ بنا رہی ہے اور ان افراد میں بھی بالخصوص بچوں، نوجوان لڑکوں کو نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ اس گواہی کی بنیاد ہمارے پاس علاج کے لیے آنے والے زخمیوں کے زخم، ان زخمیوں کے لواحقین کی گفتگو اور ہمارے اپنے ساتھیوں میں سے بھی ان لوگوں کی بتائی گئی باتیں ہیں جو امداد لینے جی ایچ ایف مراکز گئے۔ بیشتر زخمی بندوق کی گولی کھا کر زخمی ہوئے ہوتے ہیں یا پھر کواڈکاپٹر ڈرونز کی مدد سے ان پر فائرنگ کی گئی ہوتی ہے۔ اور ہم سب ساتھیوں نے یہ محسوس کیا ہے کہ ہر روز آنے والے زخمی بچوں میں ایک ہی طرح کے زخم ہوتے ہیں۔ یعنی ایک دن سب کے سر یا گردن میں گولی لگی ہوتی ہے تو اگلے دن سب پیٹ کے زخموں کے ساتھ لائے جاتے ہیں اور اس سے اگلے دن سینے کے زخموں کے ساتھ اور اس سے اگلے دن خصیوں کے زخم کے ساتھ۔ واضح نظر آتا ہے کہ ہر روز انہوں نے ایک خاص ہدف بنایا ہوتا ہے کہ آج اس جگہ مارنا ہے اور کل اس جگہ گویا ان کے لیے معصوم بچوں کے جسم کے مخصوص کردہ حصوں پر نشانہ لگانا ایک ویڈیو گیم کی طرح ہے۔

ایک نہایت دلخراش حکایت امریکی و اسرائیلی حمایت یافتہ جی ایچ ایف مراکز میں کام کرنے والے ایک امریکی ٹھیکیدار (contractor) انتھونی ایگولر (Anthony Aguilar) نے ضمیر کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے ایک معصوم فلسطینی بچے کے حوالے سے بیان کی جو امداد لینے آیا اور قتل ہو گیا۔ اور اسی کی موت نے ایگولر کو اپنی خاموشی توڑنے پر مجبور کیا۔ وہ کہتا ہے:

”۲۸ مئی کو امدادی تقسیم کے مقام پر یہ معصوم چھوٹا سا بچہ کہ جس کا نام عامر تھا میرے پاس آیا، اور اس نے اپنا ہاتھ میری جانب بڑھایا۔ میں سمجھا کہ وہ مزید امداد کا خواہش مند ہے، میں خجل ہو گیا کیونکہ میرے پاس اسے دینے کو مزید کچھ نہیں تھا اور میں نے اسے یہی کہا مگر پھر بھی اس نے میری طرف ہاتھ بڑھایا تو میں نے اسے اپنے پاس بلا لیا۔

اس کے پاس امدادی ڈبہ نہیں تھا بلکہ گرے پڑے سامان میں سے اسے چاولوں کا ایک پھٹا ہوا تھیلا ملا تھا اور دال کا آدھا تھیلا، یہ اس کی کل متاع تھی۔ وہ میرے پاس آیا اور میرے ہاتھ کو چوما اور کہا شکریہ۔ میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور کہا کہ تم انسان ہو، تمہارا کوئی قصور نہیں، دنیا کو تمہاری پرواہ ہے۔ اس پر اس نے اپنے کمزور اور نحیف ہاتھوں میں موجود سامان زمین پر رکھا، میرے چہرے کو اپنے دونوں ہاتھوں سے تھاما اور پھر مجھے پیار کیا اور انگریزی میں کہا شکریہ۔

یہ بچہ ننگے پاؤں تھا۔ اس کے کپڑے اس کے جسم پر بہت کھلے تھے کیونکہ وہ بہت ہی کمزور تھا۔ اسے امدادی ڈبہ بھی نہیں مل سکا تھا، فقط چاولوں کا آدھا تھیلا اور چند دالیں اسے ملی تھیں اور وہ اس کے لیے بھی ہمارا شکریہ ادا کر رہا تھا۔

وہ ننھا معصوم بچہ ننگے پاؤں بارہ کلومیٹر چل کر اس جگہ تک پہنچا تھا۔ امداد کے نام پر اسے گرا پڑا ہی کچھ سامان ملا تھا، پھر بھی اس نے ہمارا شکریہ ادا کیا اور پھر اس نے اپنا سامان اکٹھا کیا اور لوگوں کے ہجوم کی جانب پلٹا اور اسی وقت اس پر مرچوں کے سپرے، آنسو گیس، سٹن گرنیڈ اور گولیاں داغی گئیں، گولیاں ہوا میں اور لوگوں کے پاؤں کی طرف داغی گئیں، عامر ڈر کر بھاگا۔ اسرائیلی فوجی مشین گنوں سے ہجوم کی طرف گولیاں چلا رہے تھے۔ وہ نہتے فلسطینی شہریوں پر گولیاں چلا رہے تھے اور انسان، ہاں انسان تھے جو زمین پر زخمی ہو ہو کر گرتے جا رہے تھے اور انہی گرنے والوں میں عامر بھی تھا۔ عامر نے ننگے پاؤں بارہ کلومیٹر کا سفر خوراک کے حصول کے لیے کیا، خوراک کے نام پر اسے چند ٹکڑے ہی ملے اس کے لیے بھی اس نے ہمارا شکریہ ادا کیا اور پھر وہ قتل کر دیا گیا۔“

یاد رہے کہ انتھونی ایگولر کی گواہی بہت طویل ہے جس میں وہ غزہ میں ہونے والی منظم نسل کشی کا آنکھوں دیکھا حال بیان کرتا ہے۔ یہ واقعہ اس کے بیان میں سے ایک بہت چھوٹا سا حصہ ہے۔

غزہ میں ہمارے بچوں کے خون کے ساتھ کھیلا جا رہا ہے، ان پر نشانہ بازی کی مشق کی جا رہی ہے، انہیں بھوکا مارا جا رہا ہے اور ہم اپنے گھروں میں چین کی بانسری بجا رہے ہیں۔ آج اگر وہ آزمائے جا رہے ہیں تو کل ہم بھی آزمائے جائیں گے، وہ وقت دور نہیں!

☆☆☆☆☆

بقیہ: تیری رہبری کا سوال ہے

آج ہم سب کشمیر کی موجودہ حالت سے بخوبی آگاہ ہیں۔ آپ کے کندھوں پر ایک نہایت عظیم و سنگین ذمہ داری عائد ہوتی ہے، اس بات سے یہ مراد نہیں کہ آپ اپنی جماعتوں سے کنارہ کشی اختیار کر لیں، لیکن اصل اہمیت اس میں مضمر ہے کہ آپ آزاد جہاد کی لو اپنے سینوں میں فروزاں رکھیں اور اسے دوسروں کے قلوب میں بھی منتقل کریں۔ منافقین کے مکروہ حربوں سے اس کی حفاظت کے لیے آپ جانفشانی سے کام لیں، ابو دجانہ اور مفق وقاص جیسے عظیم مجاہدین کے نقش قدم پر چلیں۔ ہماری اشک بار آنکھیں آپ کی راہ تک رہی ہیں، اور دل آپ کے دیدار کے لیے بے تاب ہیں، ہم آپ کی آمد کے منتظر ہیں، مگر اس حالت میں کہ آپ ان خفیہ اداروں کے شکنجے سے آزاد ہو چکے ہوں، جنھوں نے ہمیں اور آپ کو اغیار کے ہاتھوں فروخت کر ڈالا۔

اور یہاں کے مقامی مجاہدین بھائیوں سے بھی عاجزانہ التماس ہے، براہ کرم تاریخ کے اوراق سے ان اسباق کو کشید کریں جو ہم نے سیکھے ہیں۔ یہ یاد رکھیں کہ ہم نے کیا پایا اور کیا کھویا۔ اپنی صفوں کو از سر نو منظم کریں اور خود کو ان غداروں کے شکنجوں میں جکڑنے سے بچائیں جو اپنی ذاتی اغراض کی خاطر آپ کو بیچ ڈالتے ہیں۔

خود سے سوال کریں:

- استاد المجاہدین شہید عادل میر المعروف غازی سرفراز کو زہر کیوں دیا گیا، جب وہاں ہندوستانی فوج کے مخبر کے روابط فاش کرنے والے تھے جو سرحد پار بیٹھے ایجنٹوں کے ساتھ ساز باز کر رہا تھا؟
- شہید برہان وانی کو وہ سیٹلائٹ فون کس نے تحفے میں دیا، جبکہ یہ سب جانتے تھے کہ اس کے ذریعے ان کا سراغ لگانا ممکن ہے؟
- امیر شہید ذاکر موسیٰ کے قافلے پر اتنے سنگین الزامات کیوں لگائے گئے؟ انہیں غدار اور ایجنٹ جیسے القابات سے کیوں نوازا گیا؟

یقیناً آپ کے دل ان سوالات کا جواب ضرور دیں گے۔

تو اِدھر اُدھر کی نہ بات کر، یہ بتا کہ قافلہ کیوں لٹا؟
مجھے رہزنوں سے گلہ نہیں، تیری رہبری کا سوال ہے

دل غم سے بوجھل ہے اور آنکھیں اشکبار ہیں، میں اللہ سے دعا گو ہوں کہ اس تحریر میں موجود خیر آپ کے دلوں کو چھو جائے، اور اگر اس میں مجھ سے کوئی غلطی سرزد ہوئی ہو تو اللہ مجھے معاف فرمائے۔

میں اس وادی کی حالت زار دیکھتا ہوں تو میرا سینہ دکھ سے بھر جاتا ہے اور دل خون کے آنسو روتا ہے۔ مجھے شہداء وقیدیوں کی قربانیاں اور ان کے اہل خانہ کی حالت زار یاد آتی ہے۔ میں گڑگڑا کر آپ سب سے التجا کرتا ہوں کہ ان کے خاندانوں کی مدد کریں، وہ مصیبت میں ہیں، جس قدر ہو سکے ان کی مدد کریں۔

اس گنہگار کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں، کچھ باتیں دل میں ہی رہ جاتی ہیں، باقی پھر کبھی۔

☆☆☆☆☆

کوئی غنڈہ اپنے بل پر غنڈہ نہیں ہوتا

وسعت اللہ خان

مئی ۱۹۴۵ء میں ہٹلر نے خودکشی کر لی۔ لگ بھگ ایک ماہ بعد امریکہ، برطانیہ اور فرانس کو اپنا ہی چو تھا نازی مخالف اتحادی سوویت یونین ''سرخ نظریاتی و عسکری بھوت'' نظر آنے لگا۔ چنانچہ چرچل نے ٹرومین کو جولائی ۱۹۴۵ء میں '' آپریشن ان تھنک ایبل '' (Operation Unthinkable) نامی جنگی منصوبہ پیش کیا۔ یعنی مغربی یورپ کو اسٹالن سے بقائی خطرہ لاحق ہوا تو ماسکو، لینن گراڈ اور کئیف پر ایٹم بم گرا دیا جائے۔

سوویت یونین پر تو بم نہیں گرا البتہ جزیرہ نما کوریا میں اسٹالن کی پیش قدمی روکنے اور سوویت یونین کو ''عسکری اوقات'' میں رکھنے کے لیے امریکہ نے چھ اور نو اگست ۱۹۴۵ء کو علی الترتیب ہیروشیما اور ناگاساکی پر بم گرا دیا۔ یہ عملی دھمکی تھی کہ غیر ایٹمی سوویت یونین یورپ کے بارے میں کچھ برا سوچنے کا بھی نہ سوچے۔

اپریل ۱۹۴۹ء میں امریکی قیادت میں مغربی فوجی اتحاد ناٹو قائم ہوا۔ پینٹا گون نے ''آپریشن ڈراپ شوٹ'' (Operation Drop Shoot) کے نام سے ایک احتیاطی منصوبہ تیار کر لیا جس کے مطابق مغربی یورپ میں سوویت پیش قدمی کی صورت میں ایک سو سوویت شہروں پر تین سو ایٹم بم گرانے سے کمیونسٹ خطرہ جڑ سے مٹ جائے گا۔

مگر یہ ممکنہ منصوبے فورا ًردی کی ٹوکری میں چلے گئے جب سوویت یونین نے ناٹو کی پیدائش کے تقریباً ساڑھے چار ماہ بعد انتیس اگست ۱۹۴۹ء کو اپنا پہلا ایٹمی دھماکا کر دیا اور یوں ان جرمن سائنسدانوں اور ٹیکنیشنز کی مدد سے دوسری بڑی جوہری طاقت بن گیا، جن میں سے کچھ سائنسدانوں اور ٹیکنیشنز کو امریکہ نے بھی اماں دے کر اپنا پہلا جوہری تجربہ کیا تھا۔

۱۹۶۲ء میں جب سوویت یونین نے امریکہ سے ستر میل پرے کیوبا میں جوہری میزائل نصب کرنے شروع کیے تو گیم پلٹنے لگی۔ کشیدگی کو کم کرنے کے لیے امریکہ نے سوویت یونین سے جوہری اسلحے کے کنٹرول اور اس میں تخفیف کی بات چیت بتدریج شروع کی۔ یہ عمل تاریخ میں آگے چل کے ''دیتانت'' کے نام سے محفوظ ہوا۔

اس رام کہانی کا مطلب یہ ہوا کہ جب تک ایٹم بم پر صرف ایک طاقت (امریکہ) کا تسلط تھا تب مغربی پروپیگنڈے کے برعکس امریکہ اور اس کے اتحادیوں کو ''سرخ سوویت خطرہ'' لاحق نہیں تھا۔ درحقیقت سوویت یونین کو امریکہ کی جانب سے ایٹمی حملے کا خطرہ تھا۔ لیکن سوویت یونین کے جوہری طاقت بنتے ہی ایک قدرتی توازنِ دہشت وجود میں آ گیا۔ یعنی اب کسی بھی ایٹمی ملک کو دوسرے پر حملہ کرنے سے پہلے دس بار سوچنا تھا۔ توازنِ طاقت کے اس اصول کے تحت آج کے مشرقِ وسطیٰ کی تصویر ملاحظہ فرمائیے۔ خطے میں جوہری بموں سے لیس واحد غیر اعلانیہ طاقت اسرائیل ہے۔ مغرب نے اسرائیل کی اس باب میں بھی بھرپور براہِ راست یا بلاواسطہ مدد کی۔

اب سے ساٹھ برس پہلے ہی پورے عالمی محلے کو پتہ چل گیا تھا کہ اسرائیل نے اپنے تہہ خانے میں جوہری ہتھیار لے جانے والے میزائیل اور ایٹم بم رکھے ہوئے ہیں۔ تب بھی اسرائیل پر کسی جانب سے دباؤ نہیں آیا کہ اسے بھی مصر، شام، اردن، سعودی عرب، عراق اور ایران کی طرح جوہری عدم پھیلاؤ کے عالمی معاہدے (این پی ٹی) کا رکن بننا چاہیے تاکہ اس کے ''پرامن جوہری پروگرام'' تک بھی جوہری توانائی کے بین الاقوامی ادارے (آئی اے ای اے) کے معائنہ کاروں کی وقتاً فوقتاً رسائی ہو سکے۔

یہ بات تاریخی ریکارڈ کا حصہ ہے کہ اسرائیل ۱۹۶۷ء اور ۱۹۷۳ء کی عرب اسرائیل جنگ کے دوران دشمن کی جانب سے ایک خود ساختہ سرخ بقائی لکیر عبور کرنے کی صورت میں جوہری ہتھیاروں کے ممکنہ استعمال پر غور کر چکا تھا۔ تازہ ترین دھمکی نومبر ۲۰۲۳ء میں اسرائیلی وزیرِ ثقافت امیخائی ایلیاہو نے دی جب اس نے ایک ریڈیو انٹرویو میں کہا کہ ''غزہ پر ایٹم بم گرانے کے بارے میں بھی سوچا جا سکتا ہے''۔ وزیرِ اعظم نیتن یاہو نے اس بیان کے بعد بس اتنا کیا کہ وزیرِ ثقافت کو کابینہ سے معطل کرنے کے بجائے کابینہ کے ایک اجلاس میں شرکت سے روک دیا۔

سوچیے اس سے ملتا جلتا بیان مشرقِ وسطیٰ کے کسی اور ملک سے آتا تو یورپ اور امریکہ کا ردِ عمل کس سطح کا ہوتا؟ پھر بھی مغرب یہ راگ مسلسل الاپتا رہا کہ اسرائیل کو صدام حسین سے ایٹمی خطرہ تھا اور اب ایران کے ایٹمی پروگرام سے خطرہ ہے۔

یعنی یہ حقیقت بارہا ثابت ہو رہی ہے کہ کسی خطے میں صرف ایک ایٹمی ریاست ہو تو وہ ہمسایوں کو جائز ناجائز ہر طرح سے بلیک میل کر سکتی ہے۔ اس دھونس کو روکنے کے دو طریقے ہیں۔ یا تو خطے کے ہر ملک کو جوہری ہتھیار رکھنے کی اجازت ہو تاکہ ایک ''توازنِ دہشت'' قائم ہو سکے۔ یا پورے خطے کو جوہری ہتھیاروں سے پاک قرار دے دیا جائے۔ اس تجویز کے بارے میں سوائے اسرائیل مشرقِ وسطیٰ اور شمالی افریقہ کی تمام ریاستیں متفق ہیں۔

مغرب اسرائیل پر دباؤ ڈال کے یہ کام باآسانی کروا سکتا ہے۔ مگر بقول جرمن چانسلر فریڈرک مرز ''اسرائیل خطے میں ہمارا ڈرٹی ورک کر رہا ہے''۔ پورا مغرب بشمول امریکہ اس نکتے پر متفق ہے کہ مشرقِ وسطیٰ میں اسرائیل عسکری اعتبار سے سب سے طاقتور ملک کے طور پر برقرار رہنا چاہیے۔ فلسطینیوں کے ساتھ وہ جو بھی سلوک کرے یا کسی بھی عرب یا غیر عرب ملک سے جوہری یا غیر جوہری ''وہم'' محسوس کرتے ہوئے کوئی بھی پیشگی کارروائی کر ڈالے۔ یہ سب اسرائیل کے ''حقِ دفاع'' کے جائز دائرے میں آتا ہے۔

(بقیہ صفحہ نمبر 116 پر)

غزہ: خاموشی جرم میں شرکت ہے!

عدنان حمیدان

غزہ میں اب صبح دھماکوں کی آواز سے شروع نہیں ہوتی، بلکہ بھوک کی خاموش اور ہنگامی پکار سے ہوتی ہے۔

ماں جاگتی ہے تو اس کے بچوں کے لیے دودھ نہیں ہوتا۔ بچے خالی پیٹ کی تسکین کی خاطر کچرے میں سے کھانے کے ٹکڑوں کی تلاش میں نکلتے ہیں، اس سے پہلے کہ بم واپس آجائیں اور جو کچھ امید باقی رہ گئی ہے اسے بھی زمیں بوس کر ڈالیں۔

یہ کوئی مبالغہ آرائی نہیں ہے، یہ ایک تاریک اور دستاویزی حقیقت ہے۔ غزہ نہ صرف بمباری تلے ہے، یہ محاصرے میں بھی ہے، اور اب سب سے گہرا زخم دینے والا ہتھیار بھوک ہے۔ کیونکہ بھوک ایک خاموش ہتھیار ہے، دنیا نگاہیں پھیر لیتی ہے، جیسے آہستہ آہستہ آنے والی موت کوئی معنی نہ رکھتی ہو۔

مہینوں سے غزہ کے عوام دوہرے محاصرے کا سامنا کر رہے ہیں۔ ایک طرف روزانہ کی بمباری جبکہ دوسری طرف عالمی لاپرواہی۔ سرحدی گزر گاہیں بند ہیں۔ کھانا ڈھونڈنے والوں کو گولی ماردی جاتی ہے۔ انسانی امداد کی سپلائی لائنیں منظم انداز میں توڑ دی گئی ہیں۔ روٹی ایک فسانہ بن چکی ہے، پانی روزانہ کی ایک جنگ ہے، اور دوا ایک نایاب معجزہ بن چکی ہے۔

جو ہو رہا ہے 'انسانی المیہ' کا لفظ اس کے معنی بیان کرنے سے قاصر ہے۔ اب جو کچھ ہو رہا ہے وہ بھوک سے مارنے کی ایک دانستہ مہم ہے، جو کہ دنیا کی ہر قانونی اور اخلاقی تعریف میں نسل کشی کے زمرے میں ہی آتی ہے۔

غزہ سے خفیہ طور پر نکالی گئی فوٹیج میں روٹی کے لیے قطار میں کھڑے بچوں کو بھوک سے بے ہوش ہوتے دیکھا جاسکتا ہے، خاندان گھاس کھانے پر مجبور ہیں، مائیں ایک ہی روٹی کو چار بھوکے بچوں میں تقسیم کرتی ہیں، یہ بم نہیں ہیں جو انہیں قتل کر رہے ہیں، یہ غذائی قلت کا شکار کمزور ہوتے جسموں کی آہستہ آہستہ جاری تباہی ہے۔

غزہ کے لوگ کچھ ناممکن نہیں مانگ رہے، وہ عالمی ضمیر کا بس ایک چھوٹا سا حصہ مانگ رہے ہیں۔

اس وقت بھوک سے بھی زیادہ تکلیف دہ یہ خاموشی ہے۔

حملے کے ابتدائی ایام میں مغربی راہنماؤں نے محتاط بیانات جاری کیے: تحمل کی اپیل، بین الاقوامی قوانین کی یاد دہانی، تشویش کا اظہار۔ لیکن وہ آوازیں بھی اب ختم ہو چکی ہیں، بھلا دی گئی ہیں، پرانی پریس ریلیزز میں دفن ہو چکی ہیں۔ نہ کوئی عمل ہوا اور نہ ہی کوئی پالیسی بدلی۔

اس کی بجائے اسرائیل کی حمایت میں شدت آئی۔ کچھ حکومتوں نے تو غزہ کی تباہی کے دوران اقوام متحدہ کی مرکزی امدادی ایجنسی UNRWA کے لیے فنڈنگ بھی معطل کر دی۔

کیا آپ نے کبھی سنا ہے کہ کوئی حکومت جب بچے بھوک سے مر رہے ہوں تب کسی انسانی امدادی ایجنسی سے امداد واپس لے لے؟

یہ ہوا، اور یہ بہت خاموشی سے (بغیر کسی ردِّ عمل کے) ہوا۔

جیسے نیلسن منڈیلا نے ایک بار کہا تھا:

> ’’لوگوں سے ان کے انسانی حقوق روک لینا ان کی انسانیت کو چیلنج کرنا ہے۔‘‘

آج غزہ کو نہ صرف بموں سے سزا دی جارہی ہے بلکہ بھوک سے بھی۔ اجتماعی سزا کی ایک ایسی شکل جو ایک ایسے بین الاقوامی اتفاق رائے سے ممکن ہوئی ہے جو اتنا بزدل ہے کہ کچھ کہہ نہیں سکتا۔ آپ کو یہ اتفاق رائے سرکاری بیانات میں نظر نہیں آئے گا، لیکن آپ اسے ہر بند سرحد، ہر خالی پیالے اور ہر اس بچے میں دیکھ سکتے ہیں جو پیاس کی شدت سے روتا ہے۔

اقوام متحدہ کی ایجنسیوں کے مطابق غذائی بحران تباہ کن سطح پر پہنچ چکا ہے۔ غزہ کے ۹۰ فیصد سے زیادہ بچے غذائی قلت کا شکار ہیں۔ بھوک اور پانی کی کمی سے شیر خوار بچوں کی اموات اب روز مرہ کا معمول ہیں۔

پھر بھی دنیا خاموش ہے!

اس سے بھی بدتر یہ ہے کہ بعض حکومتیں اسرائیل کے اقدامات کو ’’ذاتی دفاع‘‘ کا نام دے کر جواز پیش کرتی ہیں، جیسے بھوک کو بطور ہتھیار استعمال کرنا بالکل جائز ہو۔

لیکن ذمہ داری صرف مغرب پر عائد نہیں ہوتی!

مصر کو بھی اپنے کردار پر جواب دہ ہونا پڑے گا۔ رفح کراسنگ، غزہ کا واحد راستہ جو اسرائیل کے کنٹرول میں نہیں، مہینوں سے بند ہے۔ قاہرہ امداد اندر بھیجنے یا مریضوں کو باہر نکالنے کے لیے اجازت تل ابیب سے طلب کرتا ہے۔ ہم کب تک یہ بہانہ تراشتے رہیں گے کہ یہ غیر جانبداری ہے؟ یہ جرم میں شرکت ہے!

اور ان عرب حکومتوں کا کیا جنہوں نے اسرائیل کے ساتھ تعلقات بحال کیے؟ کچھ خاموش رہیں، کچھ اس سے بھی دو ہاتھ آگے بڑھیں اور اس وقت جب غزہ بھوک سے مر رہا تھا انہوں نے اسرائیل کے ساتھ تعلقات مزید مضبوط کیے۔ کم از کم مغرب (اہل غزہ سے) تعلق کا دعویٰ تو نہیں کرتا۔ لیکن یہ حکومتیں کرتی ہیں، لیکن اپنے فلسطینی بھائیوں کے دکھ کا مداوا کرنے کے لیے کچھ نہیں کرتیں۔

جیسا کہ اقوام متحدہ کے سابق سیکریٹری جنرل کوفی عنان نے ایک بار خبردار کیا تھا:

”جب کھانا ہتھیار بن جاتا ہے تو انسانیت خود تباہ ہو جاتی ہے۔“

غزہ اس تباہی کا سامنا کر رہا ہے اور عالمی نظام اسے تباہ ہونے دے رہا ہے۔

پھر بھی، سب کچھ کے باوجود، غزہ ثابت قدم ہے۔ اس کے عوام بھوک کو مزاحمت میں بدل رہے ہیں، وہ مقابلہ کر رہے ہیں حتیٰ کہ جب ان سے سب کچھ چھین لیا گیا ہے تب بھی۔ غزہ میں عزت آرام میں نہیں نظر آتی، یہ بقا میں نظر آتی ہے۔

لیکن ایمانداری سے سوچیں: اسرائیل اکیلے یہ سب جاری نہیں رکھ سکتا۔ اس کا انحصار اس خاموشی پر ہے، غم وغصے کے نیچے تلے اظہار پر ہے، سفارتی پردہ پوشی پر ہے، اور یہی وہ چیز ہے جو اسے ان عالمی طاقتوں سے حاصل ہوتی ہے جو انسانی حقوق کے علمبردار ہونے کا دعویٰ کرتی ہیں، لیکن یہ اپنی مرضی سے منتخب کرتی ہیں کہ کون سے متاثرین اہمیت کے حامل ہیں۔

تو غزہ کے ساتھ پھر درحقیقت کون کھڑا ہے؟

کوئی حکومت نہیں، کوئی ادارہ نہیں، بلکہ عام لوگ۔ مظاہرین، عام شہری۔ وہ جو اب بھی ضمیر رکھتے ہیں اور آنکھیں پھیر لینے سے انکاری ہیں۔

غزہ کو کسی کے ترس کی ضرورت نہیں، اسے انصاف چاہیے۔ یہ نسل کشی کے خاتمے کا مطالبہ کرتا ہے، اور ان کے احتساب کا جنہوں نے اسے ممکن بنایا ہے۔

اب سوال یہ نہیں رہا کہ: ہو کیا رہا ہے؟

ہم اچھی طرح جانتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ: عمل کون کرے گا؟

اور جب تاریخ لکھی جائے گی، تو کون اپنی خاموشی کی وجہ سے جانا جائے گا۔

کیونکہ خاموشی، اس بھوک کے سامنے، غیر جانبداری نہیں!

یہ جرم میں شرکت ہے!

[یہ مضمون ایک معاصر آن لائن جریدے میں شائع ہو چکا ہے۔ مستعار مضامین مجلے کی ادارتی پالیسی کے مطابق شائع کیے جاتے ہیں۔ (ادارہ)]

☆☆☆☆☆

ابو جہاد

ابو جہاد مرا دل لہو لہو ہے مگر
معاف کر کہ ترے دشمنوں کے ساتھ ہیں ہم
ترا جنوں ترا ایثار محترم لیکن
جو سچ کہوں تو ترے قاتلوں کے ساتھ ہیں ہم

ہمی تو ہیں وہ ستم گر کہ مصلحت جن کی
دراز دستیٔ قاتل کا دل بڑھاتی ہے
ہم اس قبیلۂ عشاق سے نہیں کہ جنہیں
ندیم دوست سے خوشبوئے دوست آتی ہے

جو ترے دل میں ٹپکتا تھا آبلے کی طرح
وہی تو دُکھ ہے جو چھالا مری زبان کا ہے
ہم اک سناں کے ہدف کے ایک تیر کے بسمل
اگر ہے فرق تو بس ہاتھ یا کمان کا ہے

تو دشتِ بے وطنی میں لہو لہان ہوا
ہم اپنے گھر میں ہی سینہ فگار پھرتے ہیں
غلام گردشِ زنداں سے صحنِ مقتل تک
ابھی رسن بہ گلو میرے یار پھرتے ہیں

وہ جس نے خون اچھالا ترے شہیدوں کا
اُسی کی تیغ ہمارے سروں پہ چمکی ہے
وہی تو ایک ہے جلّاد جس کے ہاتھوں نے
ہر اک چراغ سے چہرے کی لو قلم کی ہے

ابو جہاد ہمارا جہاد ایک سا ہے
وہ سرزمین تری ہو کہ سرزمیں میری
رہِ وفا میں ترا خوں بہے کہ میرا لہو
دریدہ ہو ترا دامن کہ آستیں میری

چلیں گے ساتھ رفاقت کے پرچموں کے لیے
جہاں جہاں سے بھی ساتھی ہمیں پکاریں گے
اگر ہے دشنہ و خنجر زبان قاتل کی
تو ہم بھی حرفِ وفا کی زرہ سنواریں گے

احمد فراز

”ہم پر لازم ہے کہ ہم صہیونیوں اور ان کی پشت پناہی کرنے والے تمام نظاموں کا بائیکاٹ کریں۔
اس میں وہ تمام امریکی، فرانسیسی، ترک اور عرب مصنوعات شامل ہیں جو صہیونی نظام کو تقویت پہنچاتی ہیں۔“

شیخ نواف التکروری
(صدر، هیئة علماء فلسطین)

عمرِ ثالث

امارت اسلامیہ افغانستان کے مؤسس

عالی قدر امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد رحمہ اللہ کی مستند تاریخ

مصنف: قاری عبدالستار سعید

مترجم: جلال الدین حسن یوسف زئی

مغربی علاقوں میں لڑائیاں اور ہرات کی فتح

۱۹۹۵ء مارچ کے شروع میں افغانستان کے مغرب میں با اثر کماندان تورن اسماعیل خان نے ہزاروں کی تعداد میں جنگجو اکٹھے کیے اور اپنے عسکری کمانڈر علاؤ الدین خان کی قیادت میں انہیں ہلمند کی طرف بھیجا۔

اسماعیل خان کے ایک حمایتی کمانڈر جنرل ظاہر عظیمی کے مطابق اس لشکر کی تعداد پچیس ہزار کے قریب تھی، اور ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ جیسے طالبان کی تحریک کو مکمل ختم کرنے کے لیے روانہ ہوئے ہیں۔ تورن اسماعیل کے لشکر نے ضلع دلارام سے گزرتے ہوئے خاشرود کے جنوب کی جانب صوبہ ہلمند سے بیس کلومیٹر کے فاصلے پر ایک سنگلاخ چوٹی پر پڑاؤ ڈالا۔ اس لشکر کا سامنا ملا محمد اخوند کی قیادت میں طالبان کی قلیل تعداد سے ہوا۔ ۲ مارچ کی رات اتفاقاً طالبان اور تورن اسماعیل کے لشکر کے مابین لڑائی چھڑ گئی، اس لڑائی میں طالبان تورن اسماعیل خان کے لشکر کے وسط میں پہنچ گئے جس وجہ سے اس کے جنگجوؤں کو زیادہ نقصان اٹھانا پڑا۔ لڑائی میں اسماعیل خان کے سینکڑوں جنگجو یا تسلیم ہوگئے یا گرفتار ہوئے۔ جنگ کے دوسرے روز علاؤ الدین خان شدید زخمی ہوا اور اس کے معاون جنرل یلانی نے مجبوراً لشکر کو دوبارہ منظم کرنے کے لیے دلارام سے بیس کلومیٹر پیچھے پسپائی اختیار کی اور دریائے خاشرود کے شمالی کنارے پر خط بنا دیا۔ ملا محمد عمر مجاہد کی ہدایت پر اسماعیل خان کے تمام گرفتار جنگجوؤں کو رہا کر دیا گیا۔ اس اقدام نے طالبان کے بارے میں اسماعیل خان کی جنگجوؤں کے دلوں کو از سر تبدیل کر دیا، ان کی دشمنی میں کمی آئی اور ہر ایک کی یہی کوشش رہی کہ طالبان کے ساتھ لڑائی کی بجائے تسلیم ہوا جائے یا فرار کی راہ اختیار کر لی جائے۔ لشکر میں یہ ماحول بننے کی وجہ سے اسماعیل خان کی عسکری منصوبہ بندی ناکام ہونا شروع ہوگئی۔

افغانستان کے مغرب میں اسماعیل خان، کریم براہوی اور دیگر کمانڈروں کے ساتھ لڑائی سات مہینے تک جاری رہی، اس مرحلے میں فراہ اور نیمروز کے صوبائی مراکز اور اس سے مربوط علاقوں میں جنگ جاری تھی۔ جنگوں کا مرکز قندھار اور ہرات کی شاہراہ پر واقع فرارود کا علاقہ تھا جہاں دونوں فریق آمنے سامنے مورچہ زن تھے۔ اس جنگ میں دونوں فریقوں کو بھاری نقصان اٹھانا پڑا۔ طالبان کے پہلے عسکری مسئول کمانڈر ملا محمد اخوند اور دیگر مسئولین مولوی عبد السلام، مولوی عزت اللہ عارف سمیت کئی قیمتی ساتھی ادھر شہید ہوئے۔ اگست ۱۹۹۵ء کے آغاز میں اسماعیل خان کے جنگجوؤں نے فراہ کی طرف سے طالبان پر بڑا تعارضی حملہ کیا جس کی وجہ سے طالبان نے پسپائی اختیار کی، شوراب کے علاقے میں ملا محمد اخوند کی شہادت کے بعد طالبان کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا اور ضلع گرشک تک پیچھے ہٹنا پڑا۔ اس دوران اسماعیل خان پیش قدمی کر رہا تھا اور قندھار کے سقوط کا خطرہ منڈلا رہا تھا۔ ملا محمد عمر مجاہد جنگ کو قریب سے دیکھ رہے تھے۔ آپ نے جب جنگ کی نازک صورتحال محسوس کی تو چند ساتھیوں کے ساتھ قندھار سے گرشک روانہ ہوئے تاکہ جنگ کی قیادت سنبھالیں۔ آپ کے ہمراہ ساتھیوں میں کمانڈر ملا فاضل اخوند بھی تھے۔ اس سفر میں شامل ایک ہمراہی کے مطابق جب ہم قندھار کے سرپوزی علاقے تک پہنچے، تو ایک بڑی گاڑی ہمارے راستے میں آئی جس میں کئی طالبان سوار تھے جو شہداء اور زخمیوں کو قندھار منتقل کر رہے تھے۔ اس گاڑی کو ہم نے روکا۔ ان طالبان کے ساتھ ملا محمد اخوند کے معاون ملا رحمت اللہ اخوند بھی تھے۔ ملا رحمت اللہ اخوند گاڑی سے اتر گئے، ملا صاحب کو ملا محمد اخوند کی شہادت کی خبر دی اور ہلمند کے جنگی خطوط کے حالات بتائے۔ ملا رحمت اللہ اخوند جن کے چہرے سے سخت تھکاوٹ کے آثار نمایاں تھے اور ملا محمد اخوند کی شہادت پر ملال تھے، آپ نے ملا صاحب کو کہا کہ ہلمند کی طرف صورتحال کافی خراب ہے لہٰذا ایک فوری کارروائی کی منصوبہ بندی کرنی ہوگی۔ ملا صاحب جنگی صورتحال سننے کے بعد قندھار کے فوجی کیمپ کی طرف واپس ہوئے۔ کابل کے جنگی خطوط سے ملا محمد ربانی اور ملا مشر اخوند کو بلایا، ملا فاضل اخوند اور ملا رحمت اللہ سمیت ان سب مسئولین نے فوجی کیمپ میں مشورہ کیا اور اسماعیل خان کے بڑے حملے کو پسپا کرنے کے لیے منصوبہ بنایا۔ ملا رحمت اللہ اخوند کو شہید ملا محمد اخوند کی جگہ مغربی زون کا عمومی مسئول مقرر کیا۔ ملا یار محمد اخوند کو ہدایت دی کہ ان کے ساتھ ٹینک اور ہموی گاڑیاں ہلمند کی جانب روانہ کی جائیں۔ اسی دن ملا رحمت اللہ اخوند، ملا فاضل اخوند کے ہمراہ ہلمند کی طرف واپس ہوئے تاکہ متوقع جنگ میں طالبان کی قیادت کی جا سکے۔

اس لڑائی میں شامل ملا عبد السلام مجروح کہتے ہیں کہ صبح سویرے جنگ کا آغاز ہوا، دشمن نے بھاری اسلحے کا استعمال کیا لیکن پیش قدمی نہ کر سکا اور پیچھے ہٹنے پر مجبور ہوا۔ عصر تک شدید لڑائی جاری رہی اور دشمن کا لشکر واپس حوض خشک علاقے کی طرف پسپا ہوا۔ لڑائی میں طالبان کو کثیر تعداد میں جنگی وسائل، لاجسٹک مواد سے بھرے ٹرک اور قیدی ہاتھ آئے۔ اسماعیل خان کے افراد سے پندرہ بکتر بند گاڑیاں جنگ کے میدان میں پیچھے رہ گئیں۔ اس

روز امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد گاڑی میں ضلع گرشک آئے۔ لڑائی کے پہلے خط پر جنگی مسئولین و مجاہدین سے ملاقات کی لیکن مجاہدین نے انہیں تاکیداً کہا کہ احتیاط کریں کیونکہ دشمن کے طیارے مسلسل بمباری کر رہے تھے۔ لیکن ملا صاحب علاقے میں موجود رہے۔ طالبان نے گرشک کی لڑائی میں اسماعیل خان کے جنگجوؤں کو پیچھے دھکیلا اور ان کا تعاقب جاری رکھتے ہوئے انہیں خاشرود کے دریا سے پیچھے دھکیل دیا اور دلارام کا ضلع فتح ہو گیا۔ دلارام کی فتح کے بعد ملا صاحب کی قیادت میں عسکری مسئولین نے ضلع دلارام کے گلہ میخ کے علاقے میں ایمرجنسی اجلاس منعقد کیا جس میں ملا محمد ربانی، ملا رحمت اللہ، ملا مشر، ملا عبد السلام مجروح اور دیگر مسئولین نے شرکت کی۔

ملا صاحب نے مجاہدین کو دو گروہوں میں تقسیم کر دیا، ایک گروپ کو ججہ کی طرف اور دوسرے گروپ کو آب خرما کے خطوط پر بھجوا دیا۔ ۳۱ اگست کو چکاب کے علاقے میں اسماعیل خان کے جنگجوؤں کو شکست ہوئی جس کے نتیجے میں فراہ رود کے اکثر علاقے طالبان کے ہاتھ میں آئے، لیکن مخالفین کی جانب سے اس علاقے میں مزاحمت اب بھی جاری تھی اور ان کا دفاعی خط موجود تھا۔ اگلے دن طالبان فراہ شہر میں داخل ہوئے اور افغانستان کے مغرب میں اس اہم شہر کا کنٹرول اپنے ہاتھ میں لیا۔

اس سے پہلے کہ اسماعیل خان کے جنگجو دوبارہ منظم ہوتے، ملا محمد عمر مجاہد اسی دن ضلع فرارود چلے گئے اور طالبان کو تعارضی حملہ کرنے کا حکم دے دیا، یہ تعارضی حملہ جس کا آغاز مغرب کے بعد ہوا، اس میں طالبان دو گروپوں میں تقسیم ہو گئے، ایک گروپ نے سامنے عمومی سڑک سے حملہ کیا اور دوسرے گروپ نے جنوبی سمت سے خوست کے جنگی خط سے حملہ کیا۔ اسماعیل خان کے جنگجوؤں کا خط فرارود میں تھا انہوں نے وہاں بہت ساری بارودی سرنگیں بچھا رکھی تھیں۔ بعض طالبان بارودی سرنگوں کی ضد میں آکر شہید یا زخمی ہوئے۔ لیکن بالآخر تعارضی حملہ کامیاب ہوا اور اسماعیل خان کے جنگجوؤں کا خط ٹوٹ گیا۔ اس رات طالبان نے اسماعیل خان کے ساتھیوں کا تعاقب جاری رکھا، یہاں تک کہ صبح طالبان نے شین ڈنڈ کے ہوائی اڈے سمیت اس ضلع کے دیگر علاقے بھی پکڑ لیے اور ہرات شہر کی جانب میر داد تک کے علاقوں تک پیش قدمی کی۔

اس روز ایسی حالت میں جب ہرات کے ہوائی اڈے سے اسماعیل خان کے جنگی طیارے مسلسل اڑ رہے تھے اور سخت بمباری کر رہے تھے، ملا محمد عمر مجاہد شین ڈنڈ پہنچ گئے، وہاں عسکری مسئولین کو ہدایات دیں، مشورہ اس پر ہوا کہ پہلے شین ڈنڈ کو دشمن عناصر سے صاف کیا جائے اور اس کے بعد ہرات شہر کی جانب پیش قدمی کی جائے۔ ملا صاحب عصر کے وقت واپس قندھار کی طرف لوٹے۔

اگلے دنوں میں میر داود آغا کے علاقے اور شہر ہرات کے گردونواح میں بھی اسماعیل خان کے جنگجوؤں کو شکست ہوئی اور ۱۴ ستمبر ۱۹۹۵ء کو ہرات شہر کی فتح کے ساتھ افغانستان کے مغربی صوبے ہرات، فراہ اور نیمروز طالبان کے ہاتھ میں آ گئے۔

ہرات کی فتح کے دوسرے روز ملا محمد عمر مجاہد قندھار سے ہیلی کاپٹر میں ہرات پہنچے، ہرات کی تاریخی جامعہ مسجد میں ایک بڑے اجتماع کا انعقاد ہوا جس میں ملا محمد عمر مجاہد نے بھی شرکت کی۔ اجتماع کے آغاز میں قرآن کریم کی تلاوت کے بعد ملا محمد ربانی نے حاضرین مجلس کو اسلامی تحریک کے امیر ملا محمد عمر مجاہد کا پیغام سنایا:

”محترم علمائے کرام، جہادی مسئولین، بزرگو، قومی عمائدین، دانشورو اور طالب علم بھائیو!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

افغانستان کی گزشتہ ۱۷ سالہ تاریخ میں جو حالات گزرے وہ آپ سب کو معلوم ہیں اور اس پر تبصرہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ حالیہ حالات میں گزری فتوحات کے حوالے سے خصوصاً ہرات کے مومن اور مسلمان عوام کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اسلامی تحریک اور اسلام کے بہادر غازیوں کے سامنے مزاحمت نہیں کی۔ ہماری آپ سے گزارش ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی شریعت کے سائے تلے اپنی قیمتی اور عزت مندانہ زندگی گزاریں۔ آپ سب بغیر کسی ڈر اور خوف کے اپنے معمولات زندگی اور امور جہاں کہیں بھی ہوں سرانجام دیں۔ ہم کسی کے ساتھ بھی ذاتی دشمنی نہیں رکھتے۔ ہم اس لیے اٹھے ہیں کہ دربدر اور مصیبت زدہ افغانوں کو ان بدبختوں سے آزادی دلائیں۔ یتیموں اور بیواؤں کے آنسو پونچھیں۔ تباہ و برباد ملک دوبارہ آباد ہو جائے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اللہ کی زمین پر اللہ تعالیٰ کا نظام قائم ہو جائے۔ آخر میں ایک بار پھر ہرات کے مسلمان عوام کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

ومن اللہ توفیق۔“

اس کے بعد ملا محمد ربانی نے اجتماع میں مفصل گفتگو کی اور اسلامی تحریک کے اہداف پر روشنی ڈالی۔ ملا صاحب نے فتح کے بعد چند دن مزید ہرات میں قیام کیا۔ اور وہاں ہرات میں خانۂ جہاد محل میں ملا صاحب کی قیادت میں امارت کے مسئولین نے مجلس منعقد کی جس میں درج ذیل مسئولین مقرر کیے گئے:

- ملا یار محمد: گورنر
- ملا محمد عباس اخوند: نائب گورنر
- ملا معاذ اللہ: سیکورٹی انچارج
- ملا سراج الدین: زلمی کوٹ کے ۱۷ ڈویژن کے مسئول
- حاجی ملا عبد السلام مجروح: عسکری مسئول

ملا صاحب نے انہی دنوں صوبہ ہرات کے تجارتی اور سٹریٹجک ڈرائی پورٹ تورغنڈی، جو ترکمانستان کی سرحد پر واقع ہے، کا دورہ کیا اور وہاں اسلحہ اور جنگی سازوسامان کے ڈپو جو سوویت یونین کے دور میں ادھر رہ گئے تھے ان کا معائنہ کیا اور ان کی حفاظت کے لیے طالبان مقرر کیے۔ ملا صاحب نے ترکمانستان کے ساتھ لگے بارڈر کو محفوظ بنانے کے بعد واپس قندھار کا رخ کیا۔

ابتدائی اصلاحات اور اقدامات

ملا محمد عمر مجاہد نے اسلامی تحریک کا آغاز فتنہ وفساد کے خاتمے اور اس کی جگہ شرعی نظام کے نفاذ کے مقصد سے کیا تھا۔ جیسا کہ ملا صاحب اپنے ہر بیان اور ہر مجلس میں اس بات کا تذکرہ کرتے تھے کہ ”اللہ کی زمین پر اللہ کا نظام نافذ کرنا ہے“۔ تو عملی طور بھی اس کی کوشش کرتے کہ احکام شریعت کی تطبیق اور اسلامی نظام پر قدم بہ قدم عمل کیا جائے۔

کابل کی فتح سے قبل، امارت اسلامیہ کو ملک گیر نظام میں تبدیل کرنا اور ملک کے تمام حکومتی نظام کو رسماً شرعی بنیادوں پر استوار کرنا، طالبان نے ان سب معاملات میں شریعت کے احکامات کو پھر سے زندہ کرنے کی کوشش کی جن کا انہیں سامنا تھا یا جو ان کے استطاعت میں تھے۔ اسی کے ذیل میں ہم ان شرعی اقدامات اور اصلاحات کا مختصراً ذکر کریں گے۔

فساد کا خاتمہ کرنا اور امن کا قیام

بندوق بردار، ڈاکو، راہزن اور خودسر مسلح افراد فساد کے عامل تھے جو قتل، چوری، غصب، خیانت، زنا، قمار بازی اور دیگر گناہ نہ صرف یہ کہ خود کرتے تھے بلکہ افغان معاشرے میں اسے ترویج اور ترقی دے رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من رأى منكم منكرا فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، وذلك أضعف الإيمان.رواه مسلم.

”تم میں سے جو کوئی برائی دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے ہٹادے اور اگر یہ نہ کر سکتا ہو تو زبان سے دور کرے اور اگر اس پر بھی بس نہ چلے تو دل سے برا جانے اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔“

ملا محمد عمر مجاہد اور ان کے مجاہد ساتھیوں نے اس حدیث کے مطابق منکرات اور مظالم کو ختم کرنے کی خاطر مزاحمت کا آغاز کیا اور اس کی خاطر ہاتھ، زبان اور ہر وسیلے کو بروئے کار لاتے ہوئے مفسدین کو فساد اور منکرات سے روکا۔

اس وقت کے مفسدین میں سے اکثر اپنے مقاصد کے لیے مسلمانوں کا قتل کرتے، ان کی بے عزتی کرتے اور زبردستی ان کا مال غصب کرتے اور اس طرح انہوں نے اللہ تعالیٰ کی زمین پر فساد کا جال بچھا رکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس طرح کے مجرمین کی سزا کی بابت قرآن میں فرماتے ہیں:

إِنَّمَا جَزَٰٓؤُاْ ٱلَّذِينَ يُحَارِبُونَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَيَسۡعَوۡنَ فِي ٱلۡأَرۡضِ فَسَادًا أَن يُقَتَّلُوٓاْ أَوۡ يُصَلَّبُوٓاْ أَوۡ تُقَطَّعَ أَيۡدِيهِمۡ وَأَرۡجُلُهُم مِّنۡ خِلَٰفٍ أَوۡ يُنفَوۡاْ مِنَ ٱلۡأَرۡضِۚ ذَٰلِكَ لَهُمۡ خِزۡيٞ فِي ٱلدُّنۡيَاۖ وَلَهُمۡ فِي ٱلۡأٓخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ○

(سورۃ المائدہ:۳۳)

”جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی کرتے اور زمین میں فساد مچاتے پھرتے ہیں، ان کی سزا یہی ہے کہ انہیں قتل کر دیا جائے، یا سولی پر چڑھا دیا جائے، یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ ڈالے جائیں، یا انھیں جلاوطن کر دیا جائے۔ یہ تو دنیا میں ان کی رسوائی ہے، اور آخرت میں ان کے لیے زبردست عذاب ہے۔“

قرآن عظیم الشان کی یہ آیت اور ان جیسی دیگر آیاتِ کریمہ کی روشنی میں طالبان نے، چوری، ڈاکہ زنی، بلاوجہ پھاٹک لگانا اور فساد پھیلانے کی وجہ سے ان کو مار بھگایا، لڑائی کے دوران ان کو قتل کیا اور بعض ڈاکوؤں کو پھانسی دی اور طالبان جس علاقے کو بھی فتح کرتے تو وہاں سے فتنہ وفساد کا خاتمہ کرتے۔ اس عمل کی وجہ سے وہ صوبے جو طالبان کے ہاتھ میں تھے وہ امن و امان کی وجہ سے مشہور ہوگئے۔ وہاں اسلامی نظام کی برکت سے ایسا امن قائم ہوا کہ کئی مہینے گزر جانے کے باوجود کوئی بھی ناخوشگوار واقعہ، قتل، چوری یا دوسرے کسی جرم کی خبر سننے کو نہ ملتی تھی۔ طالبان کے اس کارنامے کی وجہ سے لوگوں نے ان کو امن والے فرشتوں کا لقب دیا اور افغانستان کے ہر علاقے کے لوگوں کی یہ تمنا تھی کہ یہ نظام اور کا امن وامان ان کے علاقوں کا بھی رخ کرے، تاکہ ان کے علاقوں پر مسلط فتنہ وفساد اور ظلم سے ان کو چھٹکارا مل جائے اور ایک عادلانہ اور امن وامان والے نظام سے ان کی زمین بھی منور ہو جائے۔

لیکن وہ علاقے جو طالبان کے قبضہ میں آئے تھے وہاں امن کے لیے سب سے بڑا خطرہ وہ اسلحہ تھا جو سابقہ سترہ سالہ دورِ انقلاب میں افغانستان لایا گیا تھا جس کی وجہ سے معاشرے میں ہر کوئی اپنی ضرورت سے زیادہ ہلکے اور بھاری اسلحے کا مالک بن گیا تھا۔ سوویت یونین کے انخلا اور کمیونزم کی شکست کے بعد یہ اسلحہ صرف مسلمان ہم وطنوں کے قتل اور ان کو مغلوب کرنے کے لیے استعمال ہوا۔ طالبان نے امن وامان قائم کرنے کے لیے اس اسلحے کو جمع کیا جس کی وجہ سے ان کی جہادی تحریک کو مدد فراہم ہوئی اور باقی اسلحے کو بیت المال کے ڈپو میں محفوظ کر دیا۔

شرعی حدود جاری کرنا

شرعی حدود اور قصاص اسلام کے عظیم احکام میں سے ہیں، باقی دنیا کی مانند افغانستان کے حکمرانوں نے بھی اس فریضے کو بھلا دیا تھا اور مجرمین کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق سزا نہیں دی جاتی تھی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلَكُمۡ فِي الۡقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓأُولِي الۡاَلۡبَابِ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُوۡنَ۝ (سورة البقرة:۱۷۹)

”اور اے عقل رکھنے والو! تمہارے لیے قصاص میں زندگی (کا سامان ہے) امید ہے کہ تم (اس کی خلاف ورزی سے) بچو گے۔“

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقۡطَعُوۡٓا اَيۡدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِؕ وَاللّٰهُ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ۝ (سورۃ المآئدہ:۳۸)

”اور جو مرد چوری کرے اور جو عورت چوری کرے، دونوں کے ہاتھ کاٹ دو، تاکہ ان کو اپنے کیے کا بدلہ ملے، اور اللہ کی طرف سے عبرت ناک سزا ہو۔ اور اللہ صاحب اقتدار بھی ہے، صاحب حکمت بھی۔“

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيۡ فَاجۡلِدُوۡا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنۡهُمَا مِائَةَ جَلۡدَةٍ۪ وَّلَا تَاۡخُذۡكُمۡ بِهِمَا رَاۡفَةٌ فِيۡ دِيۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِۚ وَلۡيَشۡهَدۡ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ۝ (سورۃ النور:۲)

”زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مرد دونوں کو سو سو کوڑے لگائے، اور اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو، تو اللہ کے دین کے معاملے میں ان پر ترس کھانے کا کوئی جذبہ تم پر غالب نہ آئے۔ اور یہ بھی چاہیے کہ مومنوں کا ایک مجمع ان کی سزا کو کھلی آنکھوں دیکھے۔“

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيۡنَ يُحَارِبُوۡنَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ وَيَسۡعَوۡنَ فِي الۡاَرۡضِ فَسَادًا اَنۡ يُّقَتَّلُوۡٓا اَوۡ يُصَلَّبُوۡٓا اَوۡ تُقَطَّعَ اَيۡدِيۡهِمۡ وَاَرۡجُلُهُمۡ مِّنۡ خِلَافٍ اَوۡ يُنۡفَوۡا مِنَ الۡاَرۡضِؕ ذٰلِكَ لَهُمۡ خِزۡيٌ فِي الدُّنۡيَا وَلَهُمۡ فِي الۡاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ۝ (سورۃ المآئدۃ:۳۳)

”جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی کرتے اور زمین میں فساد مچاتے پھرتے ہیں، ان کی سزا یہی ہے کہ انھیں قتل کر دیا جائے، یا سولی پر چڑھا دیا جائے، یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ ڈالے جائیں، یا انھیں زمین سے دور کر دیا جائے یہ تو دنیا میں ان کی رسوائی ہے، اور آخرت میں ان کے لیے زبردست عذاب ہے۔“

عن عمر قال: إن الله عز وجل بعث محمدا صلى الله عليه وسلم بالحق وأنزل عليه الكتاب فكان فيما أنزل عليه آية الرجم، فقرأناها ووعيناها ورجم رسول الله صلى الله عليه وسلم ورجمنا بعده، فأخشى إن طال بالناس زمان أن يقول قائل: لا نجد آية الرجم في كتاب الله فيضلوا بترك فريضة قد أنزلها الله، فالرجم في كتاب الله حق على من زنى إذا أحصن من الرجال والنساء إذا قامت البينة أو الحبل أو الاعتراف۔

”حضرت عمر سے مروی ہے کہ اللہ عزوجل نے محمد ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا اور ان پر کتاب نازل کی۔ اسی کتاب میں آیت رجم بھی تھی۔ ہم نے اس کو پڑھا اور محفوظ کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی رجم کیا اور آپ کے بعد ہم نے بھی رجم کیا۔ مجھے خود خطرہ ہے کہ لوگوں پر طویل زمانہ گزرے گا تو کوئی کہے گا: ہم کتاب اللہ میں آیت رجم نہیں پاتے۔ پس وہ ایسے فریضے کے انکار کے ساتھ گمراہ ہو جائیں گے جو اللہ نے نازل کیا ہے۔ پس رجم کتاب اللہ میں ہے تو زانی پر لازم ہے جبکہ وہ شادی شدہ ہو مرد ہو یا عورت۔ بشرطیکہ گواہ قائم ہوں یا حمل ظاہر ہو (عورت کے لیے) یا زانی خود اعتراف کر لے۔“ (صحیح بخاری)

مذکورہ الٰہی اور نبوی ارشادات کے تحت ملا محمد عمر مجاہد کو دورِ امارت میں یہ سعادت بھی حاصل ہوئی کہ کئی دہائیاں گزر جانے کے باوجود ایک بار پھر شرعی حدود کا احیا ہوا اور قاتل، زناکار، چور، ڈاکوؤں اور دیگر مجرموں پر شرعی عدالت کے حکم سے شرعی حدود نافذ کی گئیں۔

اسلامی تحریک کی طرف سے پہلی شرعی حد ڈاکوؤں پر نافذ ہوئی۔ ۳ مارچ ۱۹۹۵ء کو دو ڈاکو جنہیں طالبان نے صوبہ ہلمند میں عین واردات کے موقع پر پکڑا تھا، شرعی عدالت کے حکم کے مطابق قندھار میں عوام کے سامنے ان کا دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹ دیا گیا۔

نقدی جرمانے طالبان لوگوں سے نہیں لیتے تھے کیونکہ یہ حنفی فقہ کی نظر سے جائز نہیں ہے۔ لیکن وہ جرائم جن پر حد نافذ نہیں ہوتی تھی، اس کے مرتکبین کو تعزیراً سزا دی جاتی تھی، جیسے رشوت لینے والے اور دیگر کو کوڑے مارے جاتے تھے۔

طالبان کی جانب سے شرعی حدود جاری ہونے سے معاشرے میں امن وامان پھیلا اور مظلوم عوام کی جان، مال، عزت اور ہر چیز محفوظ ہو گئی۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

☆☆☆☆☆

بقیہ: اٹھو پاکستان! بیٹی پکار رہی ہے

ہمیں اب اٹھنا ہو گا۔ کل نہیں، آج، تاکہ اپنی بیٹیوں، بہنوں اور ماؤں کو واپس لا سکیں۔ کیونکہ اگر ہم نے اُنہیں کھو دیا، تو ہم صرف اُنہیں نہیں کھوئیں گے، ہم خود کو کھو بیٹھیں گے۔

[یہ مضمون ایک معاصر روزنامے میں شائع ہو چکا ہے۔ اس مضمون میں محترمہ ڈاکٹر فوزیہ صدیقی صاحبہ کی تمام آراء سے اتفاق لازمی نہیں۔ (ادارہ)]

☆☆☆☆☆

کلمے کے نام پر بنے ملک کے
دار الامان میں بے آبرو ہوتی قوم کی بیٹیاں

اریب اطہر

ایبٹ آباد میں قائم دارالامان میں قیام پذیر خاتون نے انتظامیہ پر تشدد کرنے کا الزام لگایا ہے۔ سوشل میڈیا پر شیئر ہونے والی ایک ویڈیو میں دیکھا جاسکتا ہے کہ ایک خاتون کو قابو کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اس دوران خاتون کہہ رہی ہے یہاں میرے ساتھ زیادتی ہوئی ہے مجھ پر تشدد کیا گیا ہے۔

پولیس کی موجودگی میں جب خاتون سے یہ سوال پوچھا گیا کہ کس نے ان کے ساتھ زیادتی کی تو وہ کہتی ہیں یہی لوگ ہیں، یہاں زناکاری ہورہی ہے، میرے ساتھ بھی ظلم ہوا۔ اس ویڈیو میں تو خاتون کو گھسیٹ کر گاڑی میں ڈالنے والی لیڈیز پولیس تھی۔ مگر ایسی ہی ایک ویڈیو ۲۰۱۸ء میں منظر عام پر آئی تھی جس میں ایک خاتون ہاتھ جوڑ کر لوگوں سے مدد مانگتی نظر آتی ہے اور کہہ رہی ہوتی ہے خدا کے واسطے مجھے ان لوگوں سے بچالو یہ مجھ سے غلط کام کرواتے ہیں۔ اس کی منت سماجت کے باوجود درجنوں شہریوں کے سامنے ڈیرہ غازی خان دارالامان کے مرد اہلکار اس عورت کو گھسیٹ کر لے جانے کی کوشش کر رہے تھے۔

۲۶ جون ۲۰۲۱ء کو ڈان نیوز کی ایک خبر کے مطابق خیبر پختونخواہ میں تحریک انصاف کی رکن اسمبلی مدیحہ نثار کی جانب سے الزام عائد کیا جاتا ہے کہ پشاور میں یتیم بچوں کے لیے قائم دارالامان جنسی اور جسمانی زیادتی کا اڈہ بن چکا ہے۔ انہوں نے کہا کہ دارالامان کو ڈونرز کی جانب سے دی جانے والی اشیا بازاروں میں فروخت کی جاتی ہیں۔

مدیحہ نثار نے مطالبہ کیا کہ دارالامان کی پارلیمانی سطح پر انکوائری ہونی چاہیے۔ جس پر صوبائی وزیر ڈاکٹر امجد نے کہا کہ صرف ایک دارالامان کی نہیں پورے صوبے کے دارالامانوں کی انکوائری ہونی چاہیے۔

کاشانہ سکینڈل کے بارے میں تو سبھی جانتے ہیں کہ اس میں دارالامان کی سپریٹینڈنٹ افشاں لطیف جس شخص پر الزامات لگاتی ہیں وہ تحریک انصاف کے وزیر تھے۔ پھر تحریک انصاف کی حکومت ختم ہوجاتی ہے اور وہی شخص پہلے استحکام پاکستان پارٹی اور پھر ن لیگ میں شمولیت اختیار کرلیتا ہے۔ دارالامان میں ہونے والی زیادتیوں کے حوالے سے اس سکینڈل کو جتنی کوریج سوشل میڈیا پر دی گئی اس لحاظ سے اس پر عدالتی کاروائی ہونی چاہیے تھی یا کمیشن بنناچاہیے تھا لیکن ایسا لگتا ہے کوئی خفیہ طاقت اسے صرف سیاسی مقاصد کے لیے ہی استعمال کرناچاہتی ہے اور اصل مسئلے اور مظلوموں کو انصاف دلوانے سے انہیں کوئی سروکار نہیں۔

دار الامان کے حوالے سے عدالتی فیصلہ

گزشتہ سال دسمبر میں لاہور ہائیکورٹ نے پنجاب کے تمام دارالامان سے مرد ملازمین کو ہٹانے کا حکم دے دیا تھا۔ عدالت نے حکومت پنجاب کو شیلٹر ہومز کی مانیٹرنگ کیلئے ڈیٹا بیس اور سافٹ ویئر بنانے کے ساتھ ساتھ تمام دارالامان کے داخلی راستے اور احاطے میں سی سی ٹی وی کیمرے لگانے کا حکم بھی دیا۔ ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان اور دیگر کی درخواست میں دارالامان میں بچیوں کے لیے حفاظتی اقدامات نہ ہونے، خواتین کے حقوق اور چائلڈ پروٹیکشن ایکٹ پر عمل درآمد نہ کرنے کے اقدامات کو چیلنج کیا گیا تھا۔ جسٹس طارق سلیم شیخ نے ۳۶ صفحات پر مشتمل تحریری فیصلہ جاری کیا، عدالت نے حکم دیا کہ چائلڈ پروٹیکشن بیورو بچوں کی حفاظت کے اداروں کیلئے ریگولیشنز بنائے جائیں، اداروں کی رجسٹریشن یقینی بنائی جائے، تحصیل اور ضلع سطح پر بھی مرد ملازمین ہٹائے جائیں، چائلڈ پروٹیکشن یونٹس قائم کیے جائیں اور دارالامان و شیلٹر ہومز کے حوالے سے متعلقہ ویب سائٹ پر تمام معلومات فراہم کی جائیں۔

پاکستان میں موجود دار الامان اور شیلٹر ہومز کی تعداد

صوبہ پنجاب میں دارالامان کا نیٹ ورک نسبتاً زیادہ منظم ہے۔ محکمہ سماجی بہبود و بیت المال پنجاب کے تحت صوبے کے بڑے شہروں اور کئی اضلاع میں دارالامان قائم ہیں۔ مثال کے طور پر، لاہور، فیصل آباد، ملتان، راولپنڈی، بہاولپور، اور دیگر اضلاع میں دارالامان موجود ہیں۔ تاہم، کچھ چھوٹے یا دور دراز اضلاع میں ایسی سہولیات محدود یا غیر فعال ہو سکتی ہیں۔ ایک رپورٹ کے مطابق، پنجاب میں ۳۶ دارالامان فعال ہیں۔

سندھ میں کراچی، حیدرآباد، سکھر، اور لاڑکانہ جیسے بڑے شہروں میں دار الامان موجود ہیں۔ سندھ حکومت نے خواتین کے تحفظ کے لیے "ویمن پروٹیکشن سیلز" اور دارالامان کو فروغ دیا ہے۔ تاہم، دیہی علاقوں میں ان کی تعداد محدود ہے۔

خیبر پختونخوا میں دارالامان پشاور، مردان، ایبٹ آباد، اور سوات جیسے اضلاع میں موجود ہیں۔ کے پی کے حکومت نے ۲۰۱۷ء میں "ویمن ایمرجنسی شیلٹرز" کے قیام کا اعلان کیا تھا، لیکن ان کی ضلع سطح پر دستیابی محدود ہے۔

بلوچستان میں دارالامان کی سہولیات بنیادی طور پر کوئٹہ، گوادر، اور تربت جیسے شہروں تک محدود ہیں۔

دارالامان میں کس قسم کی خواتین، بچوں، اور بچیوں کو رکھا جاتا ہے؟

- ایسی خواتین جو اپنے شوہر، سسرال، یا دیگر رشتہ داروں سے جسمانی، نفسیاتی، یا جنسی تشدد کا شکار ہوں، گھریلو تشدد (روک تھام اور تحفظ) ایکٹ ۲۰۰۹ء کے تحت ایسی خواتین کو قانونی تحفظ اور پناہ دی جاتی ہے۔

- ایسی خواتین جو جبری شادی یا غیرت کے نام پر قتل کے خطرے سے دوچار ہوں، مثال کے طور پر "سیاہ کاری" یا "کاروکاری" کے الزامات کی وجہ سے خواتین دارالامان میں پناہ مانگتی ہیں۔
- عصمت دری یا جنسی ہراسانی کا شکار خواتین کو دارالامان میں رہائش، قانونی امداد، اور نفسیاتی بحالی کی سہولیات فراہم کی جاتی ہیں۔
- وہ لڑکیاں جو گھر سے بھاگ کر شادی کرتی ہیں اور بعد ازاں اہلخانہ اغوا کا مقدمہ قائم کرتے ہیں اس صورت میں بھی مذکورہ لڑکی کو عدالت دارالامان بھیجتی ہے۔
- ایسی خواتین جن کے پاس کوئی خاندانی سہارا یا رہائش نہ ہو۔
- جن بچوں کے والدین فوت ہو چکے ہوں یا جنہیں خاندان نے چھوڑ دیا ہو۔ لیکن اس اصول پر تب عملدرآمد ہوتا ہے جب کوئی کیس میڈیا پر ہائی لائٹ ہو جائے اور حکومت پھر ایسے بچے یا بچی کو دارالامان بھیجتی ہے۔
- ایسی بچیاں یا بچے جو گھر، اسکول، یا دیگر مقامات پر جنسی استحصال یا تشدد کا شکار ہوں، مثال کے طور پر ایک رپورٹ کے مطابق قصور سکینڈل (۲۰۰۶ء-۲۰۱۴ء) جیسے واقعات کے متاثرین کو دارالامان یا اس سے ملتی جلتی پناہ گاہوں میں رکھا گیا۔

زیادہ تر کیسز میں عدالت ہی کسی بچے بچی یا خاتون کو دارالامان بھیجنے کا فیصلہ کرتی ہے۔ کچھ دارالامان خصوصی اداروں (جیسے بھکر میں گورنمنٹ انسٹی ٹیوٹ فار سلو لرنرز) کے ساتھ مل کر معذور بچوں کو سہولیات فراہم کرتے ہیں۔

شرائط رہائش

عمر کی حد:

عام طور پر دارالامان میں ۱۸ سے ۶۰ سال کی خواتین کو رکھا جاتا ہے، لیکن کچھ اداروں میں عمر کی پابندی لچکدار ہوتی ہے۔

قانونی تقاضے:

دارالامان میں داخلے کے لیے پولیس رپورٹ، عدالت کا حکم، یا سماجی بہبود کے ادارے کی سفارش درکار ہوتی ہے۔

مدت قیام:

رہائش کی مدت عارضی (چند دنوں سے چند ماہ) یا طویل مدتی ہو سکتی ہے، جو کیس کی نوعیت پر منحصر ہے۔ کچھ خواتین کو مستقل بحالی (جیسے نوکری یا دوبارہ شادی) تک رکھا جاتا ہے۔

سوشل ویلفیئر ڈیپارٹمنٹ، صوبائی حکومت اور ڈپٹی کمشنر کی جانب سے اپنے لمبے چوڑے وفد کے ہمراہ ان جگہوں کا دورہ روٹین کا حصہ ہے۔ کئی دفعہ تقاریب منعقد کی جاتی ہیں جہاں ان لڑکیوں اور بچیوں کو بھی اس وفد کے سامنے لایا جاتا ہے۔

بچے بچیوں اور خواتین کے وہاں غیر محفوظ ہونے کے ایشو سے متعلق سب سے پریشان کن بات یہ بھی ہے کہ وہ نو مسلم جو اسلام قبول کرتے ہیں اور بعد ازاں انکے اہلخانہ الزام عائد کر دیتے ہیں کہ انکی عمر کم ہے یا ان سے جبراً اسلام قبول کروایا گیا، ایسے نو عمر افراد یا خواتین کو بھی عدالت دارالامان بھیج دیتی ہے۔ آپ خود ایک لمحے کے لیے تصور کیجیے کہ جو لڑکی یا خاتون اپنے رشتہ داروں، عزیز و اقارب کی ناراضگیاں، دشمنیاں مول لے کر، اسلام قبول کر رہی ہے اسے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دارالامان میں آکر معلوم ہو کہ یہاں اس کی عزت بھی محفوظ نہ رہ سکے گی تو اس پر کیا گزرے گی؟ اور اس کا قصوروار کون ہو گا؟ اور یہ ایک واحد مصیبت نہیں ہے جو نو مسلموں کو کلمے کے نام پر بنے اس ملک میں بھگتنی ہے۔ عیسائیت ترک کر کے مسلمان ہونے والے عبدالوارث گل ایسے نومسلموں کی کہانیاں نہایت دکھ اور کرب سے سناتے ہیں۔ جنہیں صرف اپنے عزیز و اقارب اور برادری کی طرف سے ہی ظلم و جبر کا سامنا کرنا نہیں پڑتا بلکہ اپنی دستاویزات، جائیداد، شناختی کارڈ، پاسپورٹ اور دیگر معاملات میں ریاستی تعصب کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور وہ ایسا محسوس کرتا ہے کہ جیسے اس نے کوئی جرم کیا ہو۔

اب سوال یہاں یہ پیدا ہوتا ہے کہ ملک بھر میں قائم مختلف دارالامان پر لگنے والے ان سنگین الزامات اور ان مسائل کے باوجود اسے مذہبی سیاسی جماعتوں کی جانب سے کیونکر نظر انداز کیا جاتا ہے؟ میں نے اپنے ایک عزیز سے، جو ایک مذہبی سیاسی جماعت کے ماتحت ایک فلاحی ادارے میں کام کرتے ہیں، یہی سوال کیا کہ آپ حضرات کی تو پہنچ ہو سکتی ہے ایسے اداروں تک تو آپ کی جانب سے کوئی کوشش کیوں نہیں ہوتی اس برائی کی روک تھام کے لیے؟ تو ان کا جواب بھی کچھ حیران کر دینے والا اور افسوسناک تھا۔ وہ کہتے ہیں:

> "ہماری مذہبی جماعت کو مختلف جگہوں پر رسائی دے کر جن فلاحی کاموں کی اجازت دی جاتی ہے اس سے مقصود اس نظام کا ہم پر احسان کرنا ہوتا ہے۔ یہ تعین ہمارا نظام ہی کرتا ہے کہ کہاں ہمیں رسائی ملے گی کام کی اور کہاں نہیں؟ یہ نظام ایسی جگہ ہمیں کیونکر رسائی دے گا جہاں انہیں اپنے جرائم کے بے نقاب ہونے کا خدشہ ہو؟ جن سہولیات اور اشیاء کا دینا حکومت یا ادارے کی ذمہ داری ہوتی ہے وہ خرد برد ہو جاتی ہیں اور وہاں مذہبی فلاحی تنظیموں کو آگے کیا جاتا ہے کہ وہ سامان فراہم کریں۔ وہ بھی خرد برد ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر جیلوں میں مذہبی فلاحی اداروں سے دوائیں، اور دیگر اشیاء تقسیم کروائی جاتی ہیں۔ اب جو دوائیں جیل انتظامیہ فراہم کرنے کی پابند ہے وہ خرد برد ہو نگی، اور پھر جن دواؤں کو فلاحی تنظیموں سے تقسیم کروایا جائے گا اس کا بھی زیادہ حصہ خرد برد ہو جائے گا۔

(بقیہ صفحہ نمبر 84 پر)

اٹھو پاکستان! بیٹی پکار رہی ہے

ڈاکٹر فوزیہ صدیقی

ایک بار پھر، ہماری قوم اخلاقیات کے دوراہے پر کھڑی ہے۔ پاکستانی حکام نے قوم کی بیٹی ڈاکٹر عافیہ صدیقی کے لیے ”امیکس بریف“[1] (Amicus Brief) پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا ہے، جو کہ ایک سادہ قانونی قدم ہے جو میری بہن، ڈاکٹر عافیہ صدیقی، کے لیے انصاف کے حصول میں با معنی طور پر مؤثر ثابت ہو سکتا تھا۔ عافیہ کے ساتھ بار بار عوامی سطح پر اظہارِ یکجہتی کے باوجود اس انکار کو صرف انتظامی غفلت کہنا درست نہیں، یہ ایک سنگین اخلاقی ناکامی ہے۔ برسوں ہم نے پارلیمنٹیریز، وزراء، اور حکومتی اہلکاروں کے جذباتی بیانات سنے ہیں جو فخر سے عافیہ کو ”قوم کی بیٹی“ کہتے رہے ہیں۔ مگر جب عملی قدم اٹھانے کا موقع آیا، یعنی صرف ایک قانونی دستاویز پر دستخط کر کے اُس کے حق میں آواز بلند کرنے کا، تو سب نے خاموشی اختیار کر لی۔ میں واضح کر دوں یہ خاموشی غیر جانبداری نہیں ہے، یہ جرم میں شراکت کے مترادف ہے۔

عرب اور جنوبی ایشیائی روایات کے مطابق ”کسی قوم کی عزت، اُس کی عورتوں کی حرمت میں ہوتی ہے“۔ ہر ثقافت، ہر مذہب، ہر دور میں عورت نہ صرف اپنی ذات کی نمائندہ رہی ہے بلکہ اپنے خاندان، اپنی قوم اور اپنی تہذیب کی بھی۔ تو اگر ہماری بیٹیاں اغوا کی جائیں، تشدد کا نشانہ بنیں، اور غیر ملکی جیلوں میں سڑتی رہیں، اور ہم کچھ نہ کریں، تو ہم بطور قوم کس اخلاقی مقام پر کھڑے ہیں؟ اسلام آباد ہائی کورٹ کا حالیہ حکم، جس میں حکومت کو وارننگ دی گئی ہے کہ اگر اس کی بے عملی کی وضاحت نہ کی گئی تو توہینِ عدالت ہو گی، ہمارے اداروں کی ناکامی کو عیاں کرتا ہے۔ اور اس تکلیف دہ حقیقت کی جانب اشارہ کر رہا ہے کہ ہماری عدالت انصاف کی تلاش میں ہے، جبکہ ہمارے حکام خوف اور ٹال مٹول کا شکار ہیں۔ اور اب تو ایک غیر ملکی عدالت بھی ہمارے عوامی نمائندوں کو جوابدہ قرار دے رہی ہے، کیونکہ ہم خود کبھی ان کا احتساب نہ کر سکے۔ یہ صرف قانونی ناکامی نہیں، یہ ہمارے قومی کردار پر ایک داغ ہے۔ یہ ایک گہرے مرض کو ظاہر کرتا ہے کہ بیوروکریسی انسانیت سے زیادہ دفتری طریقہ کار کو اہمیت دیتی ہے، اور ایک سیاسی طبقہ ہے جو معصوم پاکستانی عورت کے دفاع کو اپنی ذمے داری نہیں بلکہ بوجھ سمجھتا ہے۔ جبکہ ہمارے دین اور ثقافت میں عورت گھر، برادری اور ملک کی عزت کی علامت ہے۔ جب اس کی حرمت پامال ہو، جب وہ زنجیروں میں جکڑی جائے، ذلیل کی جائے اور جلا وطن ہو، تو اس کا دکھ ہم سب کے لیے اجتماعی شرمندگی بن جاتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے کبھی بھی کسی عورت کی عزت پر حملہ ہونے پر خاموشی اختیار نہیں کی۔ انہوں نے فرمایا، تم میں سے بہترین وہ ہے جو اپنی عورتوں کے ساتھ بہترین سلوک کرتا ہے۔ ہمارا معیار یہ ہے اور کردار کچھ اور تو ہم کس قدر گر چکے ہیں؟ جو قوم اپنی عورتوں کو ذلیل ہونے دے، اسمگل ہونے دے، اور بے یار و مددگار چھوڑ دے، وہ صرف سیاسی شکست نہیں کھاتی وہ اخلاقی طور پر تباہ ہو جاتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ وقت آ گیا ہے پاکستان کو اب حقیقی معنوں میں بیدار ہونا ہو گا کھوکھلے نعروں سے نہیں، جلسوں میں جھنڈے لہرا کر نہیں، بلکہ حقیقی جرات اور عمل کے ساتھ اپنے سبز و سفید پرچم کی طاقت کے ساتھ اٹھنا ہو گا، نہ کہ کسی سرخ، سفید یا نیلے غیر ملکی جھنڈے کے دباؤ میں خزاں کے پتوں کی طرح جھڑ جانا۔ تاریخ میں سلطنتیں صرف بیرونی حملوں ہی سے تباہ نہیں ہوئیں بلکہ جب ان کا اخلاق تباہ ہوا تو ان کا حوصلہ ختم ہو گیا، اور وہ خود ہی بکھر گئیں۔

عافیہ کا کیس ایک آئینہ ہے۔ یہ ہمیں بتاتا ہے کہ ہم واقعی کون ہیں اور ہم کس طرف جا رہے ہیں۔ کیا اس حال میں ہم خدا کی رحمت کے طلب گار بن سکتے ہیں کہ جب ہم اپنی ہی بیٹیوں پر رحم نہ کریں؟ کیا ہم اپنی بیٹیوں کو غیر ملکی جیلوں میں بھلا کر عالمی برادری میں عزت کے خواہش مند ہو سکتے ہیں؟ ہر دن جو ڈاکٹر عافیہ صدیقی کسی غیر ملکی قید خانے میں گزارتی ہیں، اور ان کی قوم خاموش رہتی ہے وہ صرف قوم کی نہیں، بلکہ ہمارے ہر اس اصول کی تذلیل کا دن ہے جس کے ہم دعویدار ہیں۔ اب کچھ کرنا ہو گا، یہ ہمارا فرض بھی ہے اور عافیہ کا قرض بھی ہے۔ ایسے میں کچھ کرنے سے انکار، جبکہ قانونی اور سفارتی راستے بھی موجود ہیں، حوصلہ نہیں، بزدلی ہے۔ اور یہ عافیہ پر مظالم میں شرکت ہے، ہماری قومی غیرت کے زوال میں، ایک خاندان کے ٹوٹتے دل میں جو بہت طویل انتظار کر چکا ہے۔ میں تمام اختیار رکھنے والوں سے کہتی ہوں اگر آپ میں انصاف کا ساتھ دینے کی ہمت نہیں، تو کم از کم ان لوگوں کے راستے میں رکاوٹ نہ بنیں جن کے دل میں کوشش کا جذبہ ابھی باقی ہے۔

یاد رکھیں تاریخ دیکھ رہی ہے، عدالتیں دیکھ رہی ہیں۔ سب سے بڑھ کر پاکستان کے عوام دیکھ رہے ہیں، اور تاریخ کو آپ کے بیانات یاد نہیں رہیں گے، تاریخ کو آپ کی خاموشی یاد رہے گی۔ تاریخ سوال کرے گی: جب ایک بہن نے مدد کے لیے پکارا، تو اس کے محافظ کہاں تھے؟ جیسا کہ میں ہمیشہ کہتی آئی ہوں، جب ایک عورت کی حرمت پامال ہو اور اُس کی قوم خاموش رہے، تو وہ شرمندگی اُس عورت کی نہیں اُس قوم کی ہے۔

(بقیہ صفحہ نمبر 72 پر)

[1] امیکس کیوریائی بریف (Amicus Curiae Brief) ایک قانونی دستاویز ہے جو کسی تیسرے فریق کی طرف سے عدالت میں پیش کی جاتی ہے، جو نہ تو مدعی ہوتا ہے اور نہ ہی مدعا علیہ، لیکن اس کیس میں دلچسپی رکھتا ہے یا اس میں کوئی اہم معلومات پیش کرنا چاہتا ہے۔ امیکس بریف کا مقصد عدالت کو اضافی معلومات، قانونی دلائل یا عوامی مفاد کے نقطۂ نظر سے آگاہ کرنا ہوتا ہے جو کیس کے فیصلے میں مددگار ہو سکتے ہیں۔ یہ اکثر اس وقت پیش کیا جاتا ہے جب کیس کے نتائج کا معاشرے یا کسی خاص طبقے پر بڑا اثر پڑ سکتا ہو۔ (ادارہ)

فوجی اشرافیہ کی صہیونیت: پاکستانی فوج غزہ کا دفاع کیوں نہیں کرتی؟

جنید احمد

وہ اپنے سینوں پر تمغے سجائے، پس منظر میں، میزائلوں کے ساتھ اتراتے پھرتے ہیں، خود کو مسلم دنیا کا محافظ، دین کا نگہبان اور قوم کے رکھوالے کہلواتے ہیں۔ ان کے پاس دنیا کی سب سے بڑی افواج میں سے ایک ہے، ایٹمی ہتھیاروں کا ذخیرہ ہے، اور ایک ایسی ریاست پر حکمرانی کرتے ہیں جو بظاہر مظلوموں کے لیے ایک پناہ گاہ کے طور پر قائم کی گئی تھی۔ لیکن جب غزہ قبرستان بن جاتا ہے، جب فلسطینی ماؤں کی گود میں خون آلود چادروں میں لپٹے وجود ہوتے ہیں، جہاں کل تک ان کے بچے چین کی نیند سوتے تھے، تب پاکستانی فوج کچھ نہیں کرتی۔ حتیٰ کہ وہ روایتی "شدید تشویش" (deep concern) کے اظہار سے آگے کچھ کہنے کی زحمت بھی نہیں کرتی۔ کیوں؟

جواب پیچیدہ نہیں ہے۔ یہ بدعنوانی ہے! دنیا کی چھٹی بڑی فوج، جو ایٹمی طاقت کی حامل ہے اور ۲۴ کروڑ سے زائد عوام پر حکمرانی کرتی ہے، وہ فلسطینیوں کی حمایت میں کوئی علامتی قدم اٹھانے تک سے کیوں قاصر ہے؟ اس کا ایک لفظ میں جواب ہے: صہیونیت۔ عوامی نظریاتی صہیونیت نہیں، بلکہ وہ غلامانہ، ریڑھ کی ہڈی کے بغیر والی، بیرونی طاقتوں سے جڑی صہیونیت جو پاکستان کی عسکری اور سیاسی اشرافیہ کے ذہنوں میں پلتی ہے۔ یہ امت کے محافظ نہیں بلکہ امریکی مفادات کے وفادار چوکیدار ہیں، جو منافقت کے ہار گلے میں ڈالے سامراجی نظام کے غلام ہیں۔

"اسٹریٹیجک برداشت" (strategic restraint) اور "علاقائی استحکام" (regional stability) جیسے پرشور نعروں کے پیچھے خاموش شراکت داری چھپی ہوئی ہے۔ پاکستانی عسکری اسٹیبلشمنٹ، بالخصوص اس کی اعلیٰ قیادت، عرصہ دراز سے امریکی سامراجی مشینری کا حصہ بنی ہوئی ہے۔ عشروں سے پاکستان فوجی افسروں کو امریکی ملٹری اکیڈمیوں میں بھیجا جاتا ہے، صرف جنگی تربیت کے لیے نہیں، بلکہ انہیں ان سامراجی اقدار میں ڈھالا جاتا ہے: واشنگٹن سے وفاداری، تل ابیب کی اطاعت اور مغربی تسلط کے خلاف حقیقی مزاحمت سے نفرت۔ وہ چمکتے ہوئے ڈپلوموں، پھولے ہوئے غرور اور غزہ سے اٹھنے والی چیخوں کے لیے ایک خاموشی لیے واپس آجاتے ہیں۔

اور پاکستانی عوام، اللہ ان کے دائمی صبر کو سلامت رکھے، ان سے کہا جاتا ہے کہ یہ سب داخلی معاملات ہیں۔ انہیں یقین دلایا جاتا ہے کہ آرمی چیف کا تقرر صرف سینیارٹی، مقامی سیاست یا کسی 'الٰہی فیصلے' کا نتیجہ ہوتا ہے۔ لیکن حقیقت تو استعماری ہے: چیف اسلام آباد میں نہیں، واشنگٹن میں چنا جاتا ہے۔ یہ جرنیل جو خود کو ملکی خودمختاری کے محافظ کہتے ہیں، درحقیقت استعمار کے فرنچائز مینیجر ہیں۔ ان کے حقیقی آقا انگریزی میں بات کرتے ہیں اور فلسطین کو ایک "غیر ضروری مسئلہ" گردانتے ہیں۔

مثال کے طور پر موجودہ آرمی چیف و فیلڈ مارشل، عاصم منیر کو ہی لے لیجیے۔ تابعدار میڈیا نے اسے 'حافظِ قرآن' اور 'فوج کا اخلاقی قطب نما' بنا کر پیش کیا۔ کوئی یہ توقع کر سکتا ہے کہ ایک ایسا شخص جس نے قرآن حفظ کیا ہو، غزہ میں جاری صہیونی نسل کشی پر کچھ تو بولے گا۔ مگر نہیں! عاصم منیر کی حالیہ خارجہ پالیسی کی سب سے نمایاں 'کامیابی' یہ ہے کہ اس نے ڈانلڈ ٹرمپ کو نوبل امن انعام کے لیے نامزد کرنے کی سفارش کی۔

جی ہاں! وہی ڈانلڈ ٹرمپ، جس نے بیت المقدس کو اسرائیل کا دار الحکومت تسلیم کیا، "امن" کے نام پر نسلی امتیاز کو فروغ دیا، اور نیتن یاہو کو گولان کی پہاڑیاں جوئے کے ٹوکن کی طرح تھما دیں۔ اس شخص کو پاکستان کے حافظِ قرآن فیلڈ مارشل نے خراجِ تحسین پیش کیا، اور ٹرمپ نے بھی خوشی سے یہ "اعزاز" قبول کیا۔ یہ ایک خوفناک منظر تھا: دو ایسے افراد کا ایک دوسرے کی پیٹھ تھپتھپانا، جن کے "روحانی اقدار" میں نسل کشی سے نظریں چرانا شامل ہے۔

لیکن عاصم منیر تو صرف بیماری کی ایک علامت ہے، بیماری تو اصل میں کہیں زیادہ گہری ہے۔ پاکستانی جرنیلوں کی صہیونیت اسرائیلی طرز کی نہیں ہے، بلکہ یہ اس سے زیادہ چالاک، اس سے زیادہ بزدل اور زیادہ منافع بخش ہے۔ یہ خاموشی کی صہیونیت ہے۔ یہ چھپ کر تعلقات 'نارملائز' (normalize) کرنے کی صہیونیت ہے۔ یہ آئی ایم ایف کے قرضوں اور پینٹاگان کی تعریف کو فلسطینیوں اور مظلوموں کی زندگیوں پر ترجیح دینے کی صہیونیت ہے۔ جب فلسطینیوں پر امریکی میزائلوں سے بمباری ہوتی ہے تو پاکستانی جرنیل غصے سے نہیں بھڑکتے، بلکہ وہ اپنے بیانات کو "سفارتی توازن" (diplomatic balance) کے سانچے میں ڈھالنے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔

اور اگر کبھی یہ جرنیل غزہ پر بات کریں، تو وہ بھی دفترِ خارجہ کی روایتی، جراثیم سے پاک، مردہ زبان میں۔ نہ کوئی درد، نہ جذبہ، نہ غیرت۔ صرف وہی گھسی پٹی لائن: "پاکستان شدید مذمت کرتا ہے......" اور پھر واشنگٹن کی طرف مزید امداد کی درخواستیں بھیج دی جاتی ہیں۔ ایک ایسی فوج جو اپنی بہادری پر ناز کرتی ہے، اس کی اس خاموشی کے پیچھے درحقیقت بزدلی پوشیدہ ہے۔

اور ستم ظریفی دیکھیں کہ جب بھارت لائن آف کنٹرول پر "چھینک" بھی مارتا ہے تو یہ جرنیل اپنے سینے ایسے پھلا لیتے ہیں جیسے بالی وڈ کے ایکسٹرا اداکار ہوں۔ ایک ۴۸ گھنٹے کی جھڑپ اور پوری قوم کے سامنے ایک تماشہ سجا دیا گیا، جنگی طیارے اڑ رہے ہیں، وزراء جھنڈے لہرا رہے ہیں، اور آئی ایس پی آر ایسے ملی نغمے تیار کر رہا ہے جیسے جنگ چھڑ چکی ہو۔ ہمیں بار بار بتایا جاتا ہے کہ یہ لوگ "فخرِ ملت" ہیں، کہ یہ مسلمانوں کی عزت کے دفاع کے

لیے ہر دم تیار رہتے ہیں۔ لیکن جب اسرائیلی ٹینک غزہ میں گھستے ہیں، ہسپتالوں کو ملیامیٹ کر دیتے ہیں، مہاجر کیمپوں کو جلا کر بھسم کر ڈالتے ہیں تب؟ خاموشی! کسی عملی اقدام کی کوئی سرگوشی تک نہیں۔

یہ ایک انتہائی بھیانک تضاد ہے۔ جب فلسطین میں بچے ملبے تلے دم توڑ رہے ہیں تو یہ خود ساختہ امت کے محافظ اپنے تمغے چمکا رہے ہیں، اور ٹرمپ کو مبارک باد کے خطوط لکھ رہے ہیں۔ پاکستان میں، عوام سڑکوں پر احتجاج کرتے ہیں، فلسطینی پرچم لہراتے ہیں، اور ان کے پاس جو تھوڑا بہت ہے اسے عطیہ کرتے ہیں۔ لیکن ان کے حکمران، یہ فوجی اشرافیہ، اپنی سامراجی بے حسی میں گم ہی رہتی ہے۔

پاکستان میں نعرے بازی کی کوئی کمی نہیں۔ ''کشمیر بنے گا پاکستان'' کے نعرے گونجتے ہیں، ''لبیک یا اقصیٰ'' کے بینر لہرائے جاتے ہیں، مگر یہ تمام تر ڈرامائی طرزِ اظہار ان کی اپنی منافقت کے بوجھ تلے بیٹھ جاتا ہے۔ فلسطین پاکستانی فوج کی احتیاط سے تراشی گئی افسانوی حیثیت کی حقیقت ثابت کر دیتا ہے، یعنی محض افسانہ۔ یہ ایک ایسے حکمران طبقے کو بے نقاب کرتا ہے جو ظلم کے نظام میں گہری دلچسپی رکھتا ہے، بشرطیکہ وہ نظام مغرب سے منظور شدہ اور صہیونی طرز پر ڈیزائن شدہ ہو۔

یہ سوال اٹھانا ضروری ہے: پاکستان کا کیا جائے گا اگر وہ علامتی طور پر ہی غزہ کی سرحد پر ایک علامتی فورس ہی بھیج دے؟ فوجی طبی عملے کی ہی کوئی ٹیم؟ مصر کی جانب امداد لے کر جانے والا کوئی سفارتی قافلہ؟ ایسی کمپنیوں کے خلاف یک طرفہ بائیکاٹ کا اعلان جو اسرائیلی اسلحے کی مالی معاونت کر رہی ہیں؟ کچھ بھی۔ لیکن پھر بھی کچھ نہیں کیا جاتا۔ کیوں؟ کیونکہ مقصد ظلم کا مقابلہ کرنا نہیں ہے بلکہ 'سٹیٹس کو' کو برقرار رکھنا ہے۔ جرنیل اچھی طرح جانتے ہیں کہ غزہ کے ساتھ کھڑا ہونے کا مطلب ہے امریکہ کے خلاف کھڑا ہونا۔ اور یہ ان کے لیے سوچنا بھی تصور سے باہر ہو گا۔ اس سے کہیں بہتر ہے کہ بس ایک قرآنی آیت ٹویٹ کر دی جائے، جمعہ کا ایک خطبہ دلوا دیا جائے، اور پھر بحریہ ٹاؤن میں اگلی زمین فوجی قبضے میں لینے کی طرف بڑھا جائے۔

لیکن اس کے علاوہ ایک اور نسبتاً تاریک تر امکان بھی موجود ہے: کہ پاکستانی اشرافیہ اسرائیل میں اپنا عکس دیکھتی ہے۔ وہ عسکری اسٹیبلشمنٹ جو اندرونِ ملک اختلافِ رائے کو کچلتی ہے، انتخابات گھڑتی ہے، اور صحافیوں کو لاپتہ کرتی ہے، شاید وہ اسرائیل کی ''اعلیٰ کارکردگی'' کی معترف ہے۔ ایک نوآبادیاتی چوکی جو محض عسکری طاقت کے بل بوتے پر علاقائی سپر پاور بن گئی۔ کون سی بات ہے جس پر حسد نہ کیا جائے؟ شاید یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے افسران کو اسرائیل سے قریب تر عسکری تربیت گاہوں میں بھیجتے ہیں، تاکہ وہ ناانصافی کا مقابلہ کرنا نہیں، بلکہ اسے منظم کرنا سیکھیں۔

یوں یہ تماشا جاری رہتا ہے۔ غزہ جل رہا ہے، پاکستانی جرنیل مغربی سفیروں کے ساتھ سیلفیاں بنوا رہے ہیں، ایک حافظِ قرآن ایک جنگی مجرم کو نوبل امن انعام کے لیے نامزد کر رہا ہے۔ فوجی بجٹ پھلتا پھولتا جا رہا ہے، جبکہ اخلاقی جرات غائب ہو چکی ہے۔ سسٹم کارآمد ہے، لیکن صرف ان کے لیے۔

لیکن پاکستانی عوام اس سے بہتر کے حق دار ہیں۔ وہ بزدل نہیں ہیں، وہ غدار نہیں ہیں۔ کراچی سے خیبر تک لوگ فلسطین کے ساتھ کھڑے ہیں، نہ صرف نظریاتی طور پر، بلکہ ایک دکھ بھری یکجہتی کے ساتھ۔ وہ بمباری دیکھتے ہیں اور سوگ منانے والوں کے ساتھ نوحہ کناں ہوتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ خاموشی شریکِ جرم ہونا ہے۔ لیکن ان پر ایسے لوگ حکمران ہیں جو غزہ کو میڈیا کا مسئلہ سمجھتے ہیں اور پینٹاگون کو باپ جیسی حیثیت رکھنے والا ادارہ۔ یہ ذہنی انتشار ناقابل برداشت ہو چکا ہے۔

پاکستان کو اب مزید پریڈز یا ٹی وی پر دکھائے جانے والے فضائی مظاہروں کی ضرورت نہیں۔ اسے ایک اخلاقی شفافیت کی ضرورت ہے۔ اسے ایسے راہنماؤں کی ضرورت ہے جو 'نسل کشی' اور 'جیو اسٹریٹیجی' کے درمیان تفریق کر سکیں۔ انہیں ایسے جرنیلوں کی ضرورت ہے جو قرآن کی آیات پڑھیں اور پھر ان پر پوری طرح عمل بھی کریں، نہ کہ صرف چنیدہ آیات، نہ کہ صرف دکھاوے کے لیے، بلکہ انصاف کو مقصد اور حوصلے کو ذریعہ بنا کر۔

صاف بات ہے، ایک ایسی قوم جس کی فوج غزہ سے محبت کی نسبت واشنگٹن سے زیادہ خوف کھاتی ہو، اس نے آزادی وخود مختاری حاصل نہیں کی، اس نے اپنی روح کو گروی رکھوا دیا ہے۔

تو تمغے گرد آلود ہونے دیں، خطبے بند ہونے دیں، جرنیلوں اور ان کے خوشامدیوں کو سفیروں کے ساتھ اپنے عشائیوں میں لطف اندوز ہونے دیں۔ تاریخ انہیں کبھی اچھے الفاظ میں یاد نہیں رکھے گی۔ جب غزہ کے بچے اجتماعی قبروں میں دفن ہیں، تو پاکستان کے فیلڈ مارشل کو ایک نسل کش کو امن کا انعام دینے والے کے طور پر یاد رکھا جائے گا۔

جب تک پاکستانی عسکری اشرافیہ اپنی استعماری وفاداریاں ترک نہیں کر دیتی، اور ظالم کی بجائے مظلوم کے ساتھ کھڑا ہونے کا فیصلہ نہیں کر لیتی، تب تک اس کے تمام بڑے بڑے القابات، 'چیف آف آرمی سٹاف'، 'فیلڈ مارشل'، 'اسٹریٹیجک کمانڈ'، سب بے معنی ہوں گے۔ یہ بزدلوں کے تمغے ہوں گے۔

اور عوام؟ انہیں تالیاں بجانا بند کر دینا چاہیے، جو کہ شکر ہے کہ زیادہ تر اب کر چکے ہیں۔ انہیں ان جرنیلوں کو افسانوی کردار سمجھنا بند کرنا ہو گا، جو نسل کشی کے سامنے جھکتے ہیں۔ وردی کو عزت کے مترادف سمجھنے کے دھوکے سے باہر آئیں۔ کیونکہ اگلی دفعہ جب ایک اور غزہ جلے گا، اور ایسا ہو گا ہی، تو پاکستانی بیرکوں سے اٹھنے والی خاموشی ایک بار پھر کسی بھی بم سے زیادہ زور سے گونجے گی۔ اور یہی خاموشی ان کا ورثہ بنے گی۔

[یہ مضمون ایک معاصر آن لائن جریدے میں شائع ہو چکا ہے۔ مستعار مضامین مجلے کی ادارتی پالیسی کے مطابق شائع کیے جاتے ہیں۔ (ادارہ)

تری رہبری کا سوال ہے!

محمد طارق ڈار شوپیانی

اونچے اونچے پہاڑوں کے عین وسط میں واقع وادیٔ کشمیر امت کا ایک ایسا عظیم محاذ ہے جہاں ۱۹۴۷ء سے آج تک کفار کے خلاف جہاد مسلسل جاری ہے۔

ہم سب بخوبی جانتے ہیں کہ یہ جہاد بلاشبہ جاری ہے، مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ اس کے کوئی ثمرات دکھائی نہیں دیتے، اس کے برعکس، کفار کا قبضہ روزبروز مضبوط ہوتا چلا گیا، اور ہم بس خاموش تماشائی بنے رہ گئے۔

کشمیر کا جہاد کوئی نئی تحریک نہیں، اگر ڈوگروں کے خلاف تحریک کو بھی شامل کیا جائے تو یہ تقریباً ۹۰ سال سے جاری ہے، لیکن اس طویل جدوجہد کا حاصل بظاہر کچھ نظر نہیں آتا۔

جب بھی جہادِ کشمیر کے بارے میں سوچتا ہوں تو ریحان خان بھائی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ اکثر یاد آتے ہیں:

> ”میرے محترم بھائیو! جس طرح نماز ایک عبادت ہے، روزہ رکھنا ایک عبادت ہے، زکاۃ دینا ایک عبادت ہے اور حج کرنا ایک عبادت ہے، اسی طرح جہاد بھی ایک عبادت ہے۔ اللہ کے نزدیک سب سے بہترین عمل جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ جس طرح نماز، روزہ، زکاۃ اور حج کا طریقہ اور شرائط واضح ہیں، اسی طرح جہاد کا طریقہ اور شرائط واضح ہیں، جس طرح نماز کا قبلہ واضح ہے اسی طرح جہاد کا بھی قبلہ واضح ہے۔ اگر نماز کا قبلہ اور طریقہ صحیح ہو تو یہ عبادت ہے اور اگر نماز کا قبلہ بدل دیا جائے اور طریقہ بدل دیا جائے تو یہ نماز نہیں بلکہ اللہ سے بغاوت ہے۔ شریعت کا نعرہ انسانی باطل نظاموں کو مسترد کرتا ہے اور خالق حقیقی کے حکم کو تسلیم کرتا ہے، بے شک اللہ رب العزت کا نظام انسانوں کے لیے عدل کا نظام ہے اس نظام میں تمام مسلمانوں کے لیے سچائی کا راستہ ہے۔ میرے محترم بھائیو! ہمارا جہاد ہر سمت واضح ہونا چاہیے، اس جہاد کا قبلہ اور طریقہ واضح ہونا چاہیے۔ میرے محترم مجاہدین بھائیو! ہم آپ کے لیے ہمیشہ دعا کرتے ہیں، ہم آپ کو دین حق کے راستے میں اپنا بھائی سمجھتے ہیں، ہمارے دلوں میں آپ کے لیے کوئی رنجش یا کوئی بغض نہیں، ہمارے دلوں میں لیکن ہر لمحہ ہر گھڑی ایک فکر اور غم ضرور ہے کہ ہماری عبادت صحیح ہو، ہمارا جہاد صحیح ہو اور خاص کر ہمارا جہاد محفوظ ہو۔“

ریحان خان بھائی نے جو الفاظ فرمائے تھے، ان میں انہوں نے جہاد کی روحانی اور ایمانی حیثیت کو انتہائی خوبصورتی سے واضح کیا ہے، ان کی بات کا مرکزی نکتہ یہ ہے کہ جہاد، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کی طرح ہی ایک عظیم عبادت ہے، اور اللہ کے نزدیک یہ سب سے بہترین عمل ہے۔

ریحان خان بھائی کی باتوں کی روشنی میں، یہ سمجھنا انتہائی ضروری ہے کہ جہاد کا عبادت ہونے کے لیے اس کا مقصد اور طریقہ کار انتہائی واضح، خالصتاً شرعی، اور اللہ کی رضا کے عین مطابق ہونا چاہیے۔

اگر کسی جدوجہد کا ”قبلہ“ (مقصد) یا ”طریق“ (اصول) اس راستے سے ہٹ جائے جو اللہ نے دین کی سربلندی اور عدل کے قیام کے لیے مقرر کیا ہے، یا وہ کسی ملکی یا سیاسی مقصد مثلاً کسی ریاست سے الحاق، کے حصول کے لیے اپنے حقیقی روحانی مقاصد سے منحرف ہو جائے تو وہ حقیقی جہاد کے زمرے میں نہیں آتا جسے اللہ کی عبادت سمجھا جاتا ہے۔

ایسی صورت میں، یہ جدوجہد اپنے بنیادی شرعی مقاصد سے ہٹ کر محض ایک سیاسی یا زمینی جدوجہد بن جاتی ہے، اور اس کا وہ مقام نہیں رہتا جو ”اللہ کے نزدیک سب سے بہترین عمل“ کا ہے۔

لہٰذا، جہاد کی روح کو برقرار رکھنے کے لیے یہ لازمی ہے کہ اس کی سمت، اس کا مقصد اور اس کا طریقہ کار ہر لحاظ سے اللہ کے دین اور شریعت کے مطابق ہو۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ جہادِ کشمیر نے کئی دوراندیش قائدین اور بے شمار مخلص مجاہد دیکھے ہیں، چاہے وہ غازی بابا ہوں، برہان وانی ہوں یا ذاکر موسیٰ رحمۃ اللہ علیہم ین، سب ایک ہی جذبے کے مالک تھے، اس بات میں بھی کوئی شک نہیں کہ یہاں لڑنے والا ہر مجاہد خالصتاً اللہ کی رضا کے لیے نکلا تھا، چاہے اس کا تعلق کسی بھی تنظیم سے کیوں نہ ہو۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ہم لاکھوں قربانیاں دے کر بھی آج کیوں کفار کے شکنجے میں مزید سختی سے جکڑے ہوئے ہیں؟ دہائیوں سے جاری اس جہاد کے ثمرات کیوں نہیں مل رہے؟ اتنے مخلصین کی شہادت کے باوجود ہم کیوں سرخرو نہیں ہوتے؟

جو کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی دانش و بصیرت کا حامل ہو، اس کے ذہن میں یہی سوالات اٹھتے ہیں، اس کی نظر ایک طرف ہندو مشرکوں کی طرف اٹھتی ہے اور دوسری طرف اس منافق کی طرف جو اسلام کے لبادے میں چھپ کر منافقت کا ارتکاب کر رہا ہے، اور ستم ظریفی یہ کہ کچھ اپنے اپنے مفادات کی خاطر اس منافقت کو برداشت کرتے رہے ہیں اور اگر کبھی کسی نے اس منافقت کے سیاہ چہرے سے پردہ اٹھانے کی کوشش کی، تو اس پر بہتان لگائے گئے کہ وہ دشمن کا ایجنٹ ہے، اور پھر اُسے شہید کروا دیا گیا، کبھی زہر دے کر، کبھی تخنے دے کر، اور کبھی کسی کی معلومات دشمن کو دے کر۔

آج، جہادِ کشمیر ایک نہایت کٹھن، بلکہ شاید اپنی تاریخ کے سب سے نازک موڑ سے گزر رہا ہے، ان پر آشوب حالات میں، داعیانِ جہاد پر، یعنی اس پکار کو بلند کرنے والوں اور اس مشن کے پرچم برداروں پر ایک انتہائی اہم ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ ان کی دعوت نہایت واضح اور دوٹوک ہونی چاہیے۔ یہ وہی پکار ہو جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جہاد فی سبیل اللہ کے لیے خود متعین فرمائی ہے، اسے ہرگز ہرگز کسی بھی ملک کے عارضی سیاسی مفادات یا قوم پرستانہ خواہشات کے تابع نہیں ہونا چاہیے، اور نہ ہی اسے ان کے ہاتھوں کھیل بننے دیا جانا چاہیے، یہ جہاد تو صرف اور صرف اللہ کی رضا کے لیے ہے۔

حقیقی جہاد فی سبیل اللہ نہ تو علاقائی قبضے کے لیے ہوتا ہے، نہ قوم پرستی کے لیے، اور نہ ہی ذاتی شہرت، نام و نمود یا دنیاوی مال و دولت کے فریب زدہ حصول کے لیے، بلکہ یہ خالصتاً صرف اللہ کے کلمے کو بلند کرنے اور اس کے الٰہی نظام کو قائم کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب آپ سے ایسے شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو مالِ غنیمت کے لیے، شہرت کے لیے یا دکھاوے کے لیے لڑتا ہے، ان میں سے کون اللہ کی راہ میں ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ان میں سے کوئی بھی نہیں ہے، بے شک، اللہ کی راہ میں صرف وہی ہے جو اللہ کے کلمے کو بلند کرنے کے لیے لڑتا ہے۔

لہٰذا، یہ داعی حضرات پر لازم ہے کہ وہ یہ بات یاد رکھیں کہ کشمیر میں ہماری قربانیاں، صرف اور صرف اللہ کی واحدانیت اور اس کی رضا کے لیے ہے۔

جیسا کہ ہمارے عظیم پیغمبر حضرت محمد ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لا يُلدَغُ المؤمنُ من جُحرٍ واحدٍ مرتينِ

”مومن ایک سوراخ سے دوبار نہیں ڈسا جاتا۔“

نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان ہمارے لیے سبق ہے اور آگے کا لائحۂ عمل بھی۔ ہمارا یہ جہاد آج ایک نہایت اہم مرحلے پر کھڑا ہے، جہاں ہر قدم انتہائی سوچ سمجھ کر، حکمت اور دور اندیشی کے ساتھ اٹھانا ہوگا۔ ہمیں نہ صرف ہندو مشرکین کے غاصبانہ مظالم کے خلاف اس مبارک جہاد کو از سرِ نو مضبوط اور توانا کرنا ہے، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر، اس 'اُمُّ الفَرائض' یعنی جہاد فی سبیل اللہ کو منافقین کے مکروہ شکنجے سے بچانا ہے۔

ہم ان غدار اور بے ایمان منافقین پر بھروسہ کر کے بہت کچھ گنوا چکے ہیں، بہت بھاری قیمت ادا کر چکے ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے جب بھی اپنی بدلتی ہوئی خارجہ پالیسیوں اور علاقائی تسلط کے مکروہ عزائم میں مفاد دیکھا، ہمیں اسلحہ فراہم کیا، مگر جونہی انہیں ہندوستان سے دوستی میں اپنا فائدہ نظر آیا، تو بے رحمی سے ہماری سپلائی لائنیں کاٹ دی اور ہمیں بے یار و مددگار چھوڑ دیا۔ ہمیں یوں تنہا کر دیا گیا، جیسے کسی معصوم بچے کو اس کے والدین نے بازار کے بیچ یہ تسلی دے کر چھوڑ دیا ہو کہ 'ہم بس ابھی آئے' مگر وہ بچہ اس ہجوم اور شورش میں کچھ سمجھ نہ پایا، بھٹکتا رہا، اور بالآخر شکاریوں کی نظر ہو گیا۔ اور یہ المیہ صرف ایک واقعہ نہیں، بے شمار دلخراش واقعات ہیں جب انہوں نے ہمارے بھائیوں کی اطلاعات دشمنوں تک پہنچا کر انہیں شہید کروادیا، صرف اس جرم کی پاداش میں کہ انہوں نے ان کی منافقت کو بے نقاب کرنے کی اور ان کے غدارانہ ارادوں پر سوال اٹھانے کی جرأت کی تھی۔

کیا یہ وہی نہیں جو اپنی فوج کے تکبر اور وقار کے تحفظ کے لیے فضاؤں پر حاوی ہوتے ہیں، اور کشمیری مسلمانوں کے قریب الوقوع صفایا کیے جانے کے منظر سے بے حس خاموشی اختیار کیے ہوئے ہیں؟ ایسی فوج یا حکومت سے ہم کس خیر کی توقع رکھ سکتے ہیں جو خود شریعت سے بغاوت کر چکی ہو؟

یہ وہی ہیں جو ”غزوۂ ہند“ کو، (جو کہ درحقیقت ان کے لیے صرف اپنی تصویر کو نکھارنے کا 53 منافقت کی بدترین مثال ہیں، جو ان کے بظاہر بلند بانگ دعوؤں کی حقیقت کو بے نقاب کر دیتی ہیں۔

اگر بابری مسجد کے انہدام کا مرتکب سزا یافتہ ہے، تو لال مسجد کے انہدام کے قصورواروں پر کیا حکم ہوگا؟ آپریشن سائلنس کے منصوبہ سازوں کے بارے میں کیا فیصلہ ہوگا؟ اس فوج کی سزا کیا ہوگی جس نے وزیرستان اور دیگر مسلم علاقوں کو بمباری کا نشانہ بنایا؟ اس فوج کے بارے میں کیا کہا جائے جو امریکیوں کو اپنے فضائی اڈے استعمال کرنے دیتی ہے اور جو مسلمانوں کے خلاف میں استعمال ہوتے ہیں؟

ان لوگوں کے بارے میں کیا حکم ہے جنہوں نے قوم کی بیٹی عافیہ صدیقی کو بیچا، جنہوں نے ہزاروں مسلمانوں کو امریکہ کے ہاتھ بیچا، جن میں سے بہت سے اب بھی قید میں ہیں؟

لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ہم پاکستان سے آنے والے مہاجر بھائیوں کے خلاف اپنی زبانیں دراز کریں۔

معزز و مکرم مہاجرین بھائیو!

میں آپ کی عظمت اور قربانیوں کی خاک کے برابر بھی نہیں، میرے اندر اتنی تدبیر یا جُرأت نہیں کہ آپ کی تقصیر یا اصلاح کے معاملات کی نشان دہی کر سکوں۔ بے شک ہم آپ کے احسان مند ہیں، آپ نے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کر کے اس جہاد کو زندہ رکھا ہے، آپ کی ماؤں اور بہنوں نے اپنی قیمتی متاع تک قربان کر دی تاکہ یہ مشعل فروزاں رہے۔ آپ اس راہ میں ہمارے رہنما و استاد ہیں، آپ کی موجودگی سے ہی اس جہاد کی بنیاد ہے، آپ اس جہاد کے احیاء کے دہندہ ہیں۔ میں اس ذاتِ باری تعالیٰ کی قسم کھاتا ہوں جس نے مجھے تخلیق فرمایا کہ میرا دل آپ کی محبت اور احترام سے سرشار ہے، اور میں آپ کی رہنمائی و عنایت کا طالب ہوں۔

(بقیہ صفحہ نمبر 64 پر)

حربِ ظاہری کا حربۂ باطنی

ہندوستان میں بڑھتے الحاد و شرک کے تناظر میں ایک دعوتِ فکر

مولانا ابنِ عمر عمرانی گجراتی

گزشتہ قسط میں ایک تمہیدی گفتگو پیش کی گئی تھی، تاہم وہ کافی محدود و سطحی تھی لیکن چونکہ مقصود تعارف و تقدیم نہیں تھا بلکہ چند بنیادی امور کی یاد دہانی کرانا تھا اس لیے بحیثیت اعادِ خاطر کے ان باتوں کا تذکرہ مناسب سمجھ آیا۔

اصل مقصود تعمیرِ فکر کے حربۂ باطنی کے نادر العلم حقائق، الحاد پروری میں اس کے پینترے اور دجالی فوج سازی میں اس کے کردار و پہلوؤں کو اجاگر کرنا ہے، جس کا آغاز اس قسط سے ہو رہا ہے۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ فکری جنگ کے اساسی طور پر دو بنیادی اور اہم اور شہرۂ آفاق ہتھیار ہیں:

۱. جدید تعلیمی نظام(Modern Education System)

۲. جدید اعلام(Modern Media Platforms)

جدید تعلیمی نظام (Modern Education System)

تاریخی پس منظر

عرصۂ دراز تک مختلف عالمی گوشوں میں عالمی پیمانے پر اپنا اپنا فردی انداز کا قدیم تعلیمی نظام رائج تھا جس کی اصل روحانیت، اخلاق اور مذہبی تعلیم سے آشنائی پر مبنی ہوا کرتی تھی بشمول تعلیمِ معقولات و عصریات۔

مسلمانوں کے لیے تعلیمی سینٹر مدارس عربیہ / مدارس عصریہ ہوا کرتے تھے جہاں دماغ اور دل دونوں کی بساط طیبہ کی آبیاری پر توجہ دی جاتی تھی۔ ہندوؤں کی اپنی درس گاہیں ہوتی تھیں جنہیں "گروکل" کے نام سے جانا جاتا تھا، اسی طرح عیسائیوں کی اپنے "چرچ اسکولز" ہوا کرتے تھے، اور چینیوں کے یہاں "کنفیوشس اکیڈمی" کے عنوان سے اپنا نظام ہوتا تھا۔

غرض ہر صاحب ملت و دین کا برسوں سے اپنے انداز میں ایک روایتی طرز تعلیم ہوا کرتا تھا۔ پھر آتا ہے مشہور ظالمانہ فرانسیسی انقلاب کا علمبردار کہلانے والا جابر و سفاک اطالوی حاکم نپولین بوناپارٹ(Napolean Bonaparte)کازمانہ[1]، جب اس نے ۱۷۸۹ء میں فرانس پر غلبہ حاصل کر کے اقتدار سنبھالا، اس نے ابتدائی یا کم از کم اہم ترین ہدف کے طور پر تعلیمی انقلاب کو نشانہ بنایا، چناچہ اس نے قدیم طرزِ تعلیم کے سلسلے میں اساسی تبدیلیاں انجام دیں تعلیمی اصلاحات (Reformation of Education) کے طور پر، اور کرتے کرتے اس نے انداز و نظامِ تعلیم کا ایک ایسا نیا خاکہ ڈیزائن کر دیا جو اس سے قبل متعارف نہیں تھا۔

اس نے یہ محسوس کیا کہ تعلیم و تعلم کا سلسلہ اپنی فوج سازی کا بہترین آلہ ہے اور اپنے نظریات کے مطابق تعمیرِ نسل کا لطیف راستہ ہے، اور اس کی آمرانہ حکومت کو فروغ دینے کا طاقتور بازو ہے۔ لہذا اس نے سوچا کہ اس سے ایک مضبوط فوجی حکومت قائم کی جا سکے گی، فرماں بردار اور ملک پسند و قومیت پسند شہری تیار کیے جا سکیں گے، مذہب کو پس پشت ڈال کر ریاست کے مقتضیات و مطلوبات کے خیر خواہ افراد حاصل کیے جا سکیں گے۔ ان کا ظاہراً کوئی مذہب نہیں ہو گا، ملک کی وفاداری اور اس کی محدود و مقبوض سرحدوں کے فرامین یہی مذہبی احکام ہوں گے، اس دائرے کے باشندے ان کے اصل ہم مذہب ہوں گے گویا برادرانِ ملک اور برادران ملت کا یکساں درجہ ہو گا بلکہ بعض وجوہ سے برادران ملک اعلیٰ سمجھے جائیں گے۔ جی حضوری کرنے والے ملازمین کھڑے کیے جا سکیں گے (یعنی ایک پیرائے سے اس نے صنعتی انقلاب industrialization کی سینچائی کی)۔

---

[1] نپولین بوناپارٹ(۱۷۶۹–۱۸۲۱): فرانس کے جزیرہ کورسیکا میں پیدا ہوا، اور فرانسیسی انقلاب (۱۷۸۹) کے بعد پیدا ہونے والے سیاسی خلا سے فائدہ اٹھا کر تیزی سے ایک طاقتور فوجی رہنما بن کر ابھرا۔ ۱۷۹۹ء میں اس نے اقتدار پر قبضہ کیا اور ۱۸۰۴ء میں خود کو "شہنشاہ فرانس" قرار دیا۔ نپولین نے تقریباً پورے یورپ میں جنگیں لڑیں، جنہیں "نپولینک وارز" کہا جاتا ہے (۱۸۰۳–۱۸۱۵)۔ اس نے نپولین کوڈ (قانونی نظام) نافذ کیا، جو آج بھی بعض ممالک کے قوانین کی بنیاد ہے، اس نے ۱۷۹۸ء میں خلافتِ عثمانیہ کے ماتحت مصر پر حملہ کیا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ وہ اسلام دوست ہے اور فرانسیسی انقلاب کے اصول (آزادی، مساوات) اہلِ مصر کے لیے لایا ہے، لیکن یہ محض ایک سیاسی چال تھی، پھر جب قاہرہ کے عوام نے فرانسیسی قبضے کے خلاف بغاوت کی، تو نپولین نے جامعہ الازہر پر توپوں سے گولہ باری کروائی، درجنوں علماء کو شہید کیا، اور مسجد کی حرمت پامال کی یہ اہلِ اسلام کے خلاف اس کا بدترین جرم تھا، نپولین نے صرف مصر پر ہی نہیں بلکہ خلافت عثمانیہ کے شام و فلسطین کے علاقوں پر بھی حملے کیے عکا کی جنگ(Siege of Acre)میں، عثمانی افواج کے ہاتھوں شکست کھائی، لیکن ہزاروں مسلمانوں کی جانیں اس کی جنگی ہوس کی نذر ہوئیں، نپولین نے اپنی "اسلام دوستی" کے جھوٹے اعلانات کر کے مسلمانوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کی، حتیٰ کہ اُس نے عربی میں منشور جاری کیا جس میں خود کو "اسلام کا محافظ" کہا، لیکن عملی طور پر وہ صرف اپنے سامراجی مفادات کے لیے مسلمانوں کو استعمال کر رہا تھا، اس کی زیرِ قیادت فرانسیسی عساکر نے بہت سارے فرنگستانی علاقوں پر قبضہ کر کے فرانس کو فرنگستان کا سب سے طاقتور مُلک بنایا اور برطانیہ کا سب سے بڑا دشمن رہا۔ لیکن بالآخر اسے ۱۸۱۵ء میں بلجیئم میں واٹرلو کا معرکہ میں شکست ہوئی اور اسے برطانویوں نے ایک جزیرے پر قید کر دیا گیا جہاں ۱۸۲۱ء میں اس کی موت ہو گئی۔

بطور جملۂ معترضہ کے عرض ہے کہ اگر آج کے نظامِ تعلیم پر بھی آپ غور کریں، چاہے وہ کسی بھی ملک (مسلم و غیر مسلم) کا ہو یہ باتیں ذہنیت میں یکساں ملیں گی:

- **قوم پرستی، وطنی تعصب:** کہ nation state کا مسئلہ اس کے لیے سب سے اہم مقدمہ ہو گا۔
- **ملازمانہ و نوکرانہ سوچ:** کہ ایک پڑھے لکھے educated کہلانے والے کو خیال نہیں آتا ہو گا کہ وہ اپنا کوئی نیا ایسا کاروبار قائم کرے، کمپنی و فیکٹری کی بنیاد رکھے جس کے ذریعے دیگر Multinational کمپنیوں سے استغنا حاصل ہو، ان کمپنیوں سے چھٹکارا ملے جن کی آمدنی کا ایک بڑا حصہ مسلم سرزمینوں پر بالخصوص غزہ و فلسطین میں سفاکیت ڈھانے میں باقاعدہ صرف ہو رہا ہے جس کی حقیقت اب بعد از معرکہ طوفان الاقصیٰ عیاناً سب پر کھل کر واضح ہو چکی ہے، تو بس اگر کوئی سوچ ان تعلیم یافتہ لوگوں کی بنتی ہو تو وہ یہی کہ کہیں کسی بڑی کمپنی میں چھوٹی سی نوکری (اچھی Job) مل جائے، اسی کو روشن مستقبل جانا جاتا ہے، کریئر بلڈنگ سمجھا جاتا ہے۔

جب ایک اسکول کالج والے بچے سے جو سائنس / انجینیئرنگ وغیرہ کر رہا ہو اگر پوچھا جاتا ہے کہ تم یہ کورسز کس لیے کر رہے ہو؟ آگے تمہیں کیا کرنا ہے؟ تو اس کا یہی جواب ہوتا ہے کہ اچھی Qualification حاصل کر کے اچھی Job حاصل کروں گا، یہاں تک کہ کامرس، اقتصادیات (economics) وغیرہ جیسے فنون تجارت کی پڑھائی کرنے والے کا بھی اکثر یہی رجحان ہوتا ہے۔ ہندوستان میں کامرس کی عظیم درجے کی ڈگری جیسے سی اے (Chartered Accountant)، ایم بی اے (Master of Business Administration) کی ڈگری پانے والے کا بھی یہی خیال ہوتا ہے کہ اب مجھے فلاں بڑی کمپنی میں ہائی پوسٹ پر نوکری مل جائے گی، حالانکہ وہ خود مختار اپنی کمپنی قائم کر سکتا ہے، ہائی کلاس بزنس شروع کر سکتا ہے، لیکن چونکہ سوچ نوکرانہ بنا دی جاتی ہے اس کے سبب یہ عزائم نہیں ہو پاتے۔ (یہ عمومی صورت حال ہے اگرچہ کچھ مستثنیات بھی ہوں گے)

بلکہ عجیب یہ نظر آتا ہے کہ اس سوچ سے اعلیٰ ان لوگوں کی سوچ ہوتی ہے جو اتنے High level educated نہیں ہوتے، چند مہینے کسی کے کام کاروبار پر سیکھنے کی غرض سے کام کرتے ہیں اور پھر اپنا کاروبار قائم (setup) کر لیتے ہیں۔

بیشک اسلام نے تجارت، زراعت، ملازمت سب کو اہمیت دی اور سب کی فضیلت بیان کی، لیکن سب میں توازن برقرار رکھا، بلکہ بعض اندازوں سے ایسا بھی محسوس ہوا کہ تجارت کو زیادہ پسند کیا۔[۲] یہ عام حالتوں کی بات ہے ورنہ حاجات و ضروریات کے اعتبار سے پیشوں کے سلسلے میں فضیلت و اہمیت مختلف ہو گی۔ غالباً حکمت یہ ہو گی کہ تجارت کے ذریعے خود مختاری آتی ہے، ذہنی توسع حاصل ہوتا ہے، مختلف اقوام و علاقوں سے روابط قائم ہوتے ہیں جس سے دعوتی امور میں مدد ملتی ہے، دیگر قوموں پر معاشی غلبہ حاصل ہوتا ہے جیسے آج صلیبیوں اور صہیونیوں نے حاصل کر رکھا ہے، شاید یہی سارے اہم ثمرات کو دیکھتے ہوئے سرمایہ دارانہ نظام کے ٹھیکیداروں نے عام اقوام میں غالبیت پسند جذبے یعنی تجارتی و زراعتی عزم کو مغلوب کر دیا اور مغلوبیت پسند جذبے یعنی نوکری و خدمتی حوصلوں کو ذہن و دماغ پر غالب کر دیا۔

- **سیکولر خیالات:** جس کا آسان الفاظ میں مطلب یہ ہے کہ مذہب بیزار یا مذہب سے کافی حد تک بے تعلق۔ سیکولرزم کا یہی خلاصہ ہے، ایک سیکولر انسان کا اپنے آپ میں کوئی مذہب نہیں ہوتا، اس کے نزدیک سب مذاہب برابر ہوتے ہیں، وہ کہتا ہے انسانیت سب سے بڑا مذہب ہے وغیرہ، اسی بنا پر وہ کسی مذہب کی طرف انتساب کو ناگوار سمجھتا ہے۔

تو بہر حال نپولین نے مذکورہ (تعلیمی انقلاب کے) سلسلے میں درج ذیل اقدامات کیے:

- غیر رسمی طور پر بے ترتیب انداز میں ایک طرح سے ماڈرنزم کی بنیاد رکھی۔ جس کا رکنی عنصر مذہب اور تعلیم کے درمیان تفریق ہے، یعنی دنیاوی تعلیم حاصل کرنے والے ہی حکومتی باگ ڈور سنبھالنے کے لائق ہوں گے، مذہبی تعلیم سے تعلق رکھنے والوں کا سیاست، سائنس، جدید ترقیات، قانون سازی، نظامِ معیشت وغیرہ جیسے معاملات سے کوئی تعلق نہیں ہو گا، کیونکہ زمانہ بدلے گا، ضرورتیں بدلیں گی، افراد بدلیں گے تو افکار بھی بدلنے چاہییں اور تبدیلیٔ فکر میں مذہبی سوچ و تعلیم بہت سنجیدہ رکاوٹ کا کام کرتی ہے، کیونکہ مذہبی فکر قدامت پسندی conservative mindset کو تقویت دیتی ہے جبکہ ہمیں پیش آمدہ ایام کے لیے تجدد پسندی والی ذہنیت Modernist mindset کی اصل ضرورت ہے۔ پس اس نے اسی تناظر میں چرچ سے تعلیم کو علیحدہ کر دیا، اور پھر یہ تغیر ایک آئیڈیل بن گیا، جس کا مرورِ زمانہ کے ساتھ عیسائیوں کے علاوہ دیگر قوموں نے بھی رنگ اختیار کر لیا کہ مذہب کا جوڑ درس گاہوں سے توڑ دیا گیا، روحانیت اور مادیت سے مرکب نشو و نما میں خلا پیدا کر دیا گیا۔
- نظامِ تعلیم کو ریاستی و مرکزی قیادت کے حوالے کر دیا یعنی centralized national education کا دستور پاس کیا گیا، اب کسی نجی اور فردی انداز پر تعلیم نہیں ہو گی بلکہ حکومتی منشا اور نظریات کے مطابق تعلیم ہو گی، اس کے لیے باضابطہ وزارتِ تعلیم (Ministry of Education) ترتیب دی گئی جو اپنے اعتبار سے نصاب کا تعین اور اندازِ تقریر و تدریس کا انتخاب کرنے کی ذمہ داریاں انجام

---

[۲] بایں طور کہ خود قرآن کریم نے مکاسبِ معاش میں سے اگر کسی ذریعے کا ذکر کیا ہے تو وہ تجارت ہے جیسے سورۃ الصف میں جہاد کی ترغیب کے طور پر آیت ۱۰ میں تجارت کا ذکر فرمایا بحیثیتِ مثال، اسی طرح سرورِ کونین ﷺ نے اگر کوئی پیشہ بغرضِ معاش اختیار کیا تو وہ تجارتی پیشہ اختیار کیا، پھر افضل الناس بعد النبیین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے بھی جو پیشہ منقول ہے وہ تجارت ہی ہے، نیز نبی ﷺ نے سچے امانت دار تاجر کو افضل ترین مرتبے کی حامل شخصیات کے ساتھ ہونے کی بشارت دی (رواہ الترمذی: ۱۲۰۹، وقال حدیث حسن) یہ راقم الحروف بندۂ عاجز کا خیال ہے، باقی اس میں علماء کا اختلاف ہے، واللہ اعلم۔

دیتی۔ پھر اسی ضمن میں یونیورسٹی کا نظم قائم کیا گیا جو شہروں اور علاقوں کے تعلیمی پیمانوں اور معیاروں کو پرکھنے کے بعد سندِ اعتبار سے نوازتی (انہیں جو منشائے نپولین کے مطابق تعلیم و تربیت یافتہ ہوتے) جیسے کہ اس نے ۱۸۰۶ء میں امپیریل یونیورسٹی قائم کی، جو محض ایک یونیورسٹی نہیں تھی بلکہ تعلیمی سرگرمیوں کو کنٹرول کرنے والا حکومتی ادارہ تھا۔

- تعلیم کی درجہ بندی (Hierarchical school structure) یعنی اب سب پڑھنے والے یکساں نہیں ہوں گے بحیثیت نصاب و صلاحیت ہر ایک کا درجہ ہو گا۔ یہ بظاہر ایک اچھی تبدیلی تھی جو ترتیب و تنسیق سے متعلق تھی، لیکن اس میں پیش نظر ملٹری انداز کی تربیت فراہم کرنا تھا اور اسی اعتبار سے گریڈز قائم کیے گئے تھے، مبتدئین کا شعبہ الگ متوسطین کا الگ اور اعلیٰ معیار والوں کا الگ Primary, Secondary, Advance Schools۔ اس انداز کا خاکہ پہلی بار متعارف ہوا تھا۔
- نصاب میں سائنس، ریاضی (Maths) اور تاریخ پر اصل توجہ تھی اور اسی کے ساتھ ساتھ وطنی سوچ، ملکی تہذیب کا وفادار شہری تیار کرنے کے لیے فرینچ زبان اور اس کے قواعد بھی نصاب میں شامل کیے گئے، البتہ مذہبی کتابوں اور تعلیمی سرگرمیوں کو ختم کر دیا گیا، جیسے کہ اس سے پہلے ذکر ہوا کہ یہ سیکولرزم اور ماڈرن ازم والی ذہنیت دینا چاہتا تھا۔ اس کا ماننا تھا:

> "Of all our institutions, public education is the most important. It is the first object of national attention".

> ”ہمارے تمام اداروں میں سب سے زیادہ اہمیت کے حامل عوامی تعلیمی ادارے ہیں، جو قومی اقدار کے حصول میں ہمارے لیے ابتدائی اوزار کا کام دیں گے۔“

تو یہ تھے کچھ نپولین کے اقدامات، نظریات اور انقلابات، اس نے جس ڈھانچے اور خاکے کو قائم کیا اس کا تاثر غیر محسوس طریقے سے بہت پھیلا اور اس حد تک پہنچا کہ آگے چل کر اب یہ اندازِ تعلیم رسمی (Official) طور پر مرتب ہو کر پروشیا (حالیہ جرمنی) میں باقاعدہ عملی شکل کے ساتھ مختلف چھوٹے موٹے (غیر استعماری) یورپی علاقوں و قوموں میں آنے والے زمانے کے اعتبار سے ایک مستقل تعلیمی نظام طے پا گیا، جس کو باضابطگی کے ساتھ اصطلاحی طرز میں یوحنا فیختے (Johanna fichte) نامی فلسفی نے کچھ نئے انداز سے تدوین کرنے کے بعد جدید تعلیمی نظام (Modern education system) کے نام سے موسوم کیا۔ اصولی ڈھانچہ (نصاب و نظریات، ترتیب و مقاصد وغیرہ) تو وہی تھا جس کو نپولین نے وضع کیا تھا البتہ فروعی تبدیلیاں تھوڑی بہت ضرورت کے اعتبار سے کی گئی تھیں۔

بعد میں دو امور کا مزید اضافہ کیا گیا:

1. سرکاری سطح پر اس تعلیم کو جبری و لازمی قرار دے دیا گیا، یہاں تک کہ اس تعلیم سے Qualified نہ ہونے والا شخص ملک اور سماج وغیرہ میں اجنبی بھی سمجھا جاتا تھا، اس کی قدر و قیمت کو بھی لغو گردانا جاتا تھا اور سرکاری اسکیموں میں اس کی کوئی حیثیت بھی نہیں ہوتی تھی۔
2. سرکاری سطح سے فکری آزادی (Free thinking) پر پابندی عائد کرنا آگے چل کر اس نظام کا حصہ بنا، شہریوں کی عموماً اور اس نظام سے وابستہ لوگوں کی خصوصاً سوچ و فکر اب وہی ہو گی جو حکومت چاہے گی، چنانچہ فیختے کہتا ہے:

> "Education should aim at destroying free will if we want to influence them at all."

> ”اگر ہم اپنے لوگوں کو مکمل طور پر متاثر کرنا چاہتے ہیں تو تعلیمی ذرائع اس بات کو ہدف بنائیں کہ لوگوں کی فکری آزادی کو تباہ کیا جائے۔“

پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس تعلیمی ماڈل کو دیگر چھوٹی موٹی یورپی مغربی اقوام کے ساتھ ساتھ برطانیہ اور اس جیسی دوسری استعماری قوتوں نے بھی اپنے یہاں رائج کر دیا، جب برطانوی اشرافیہ (Elites) نے فرانسیسی اقوام کو آگے بڑھتے دیکھا اور جدید تعلیم کا پیکر ہوتے پایا تو یہ خوف ہونے لگا کہ کہیں ہم پیچھے نہ رہ جائیں، لہٰذا پھر برطانیہ نے اپنے تعلیمی ادارے مثلاً Oxford, Cambridge وغیرہ کی بھی ساخت بدلی جو در حقیقت مذہبی تعلیمی طرز پر قائم کیے گئے تھے، انہیں مقاصد کے ساتھ چلتے تھے اور انگریزی چرچوں کی وضع کردہ حدود اور متعین کردہ نقشوں پر گامزن تھے۔ لیکن برطانیہ نے نپولین ماڈل سے متاثر ہو کر یا خوف کھا کر ان مذہبی انداز کی جامعات کا حلیہ بدل دیا اور پھر بعد میں ان اداروں کی حیثیت بھی بدل گئی، جس کا آج فکری جنگ میں بڑا عظیم کردار و دخل ہے۔ چنانچہ اب یہ ادارے بھی ریاستی بیوروکریسی، قانون اور انتظامی تعلیم کا مرکز بن گئے، یہاں بھی سائنس، قانون، ریاضی، ریاست، مادیت پسندی، خالص ترقیاتی فکر، سیکولر نظریات وغیرہ کو ترجیح دی گئی، اور اس سے پھر پورے یورپ و مغرب میں نپولین ماڈل ایک اساس اور اصولِ تعلیم بن گیا، پورا مغرب گویا اب نپولین وژن اور فکر کا دلدادہ ہو گیا۔ مزید برآں یہ نظام اب استعماری قوتوں نے جہاں جہاں تسلط حاصل کیا وہاں وہاں بھی نافذ کیا یعنی برصغیر، امریکی مغصوبہ ریاستوں، افریقی ممالک کے ابھرتے خطوں وغیرہ میں، جس کی وجہ سے یہ نظام ایک عالمی تعلیمی نظام (Global education system) بن گیا۔

ہندوستان میں بھی برطانیہ کا مقصد اس نظام سے تقریباً ویسا ہی تھا جیسا نپولین کا فرانس پر قبضہ کرنے کے بعد تھا، کہ ایسے 'بابو' اور 'کلرک' پیدا ہوں جو رنگ و نسل کے لحاظ سے ہندوستانی ہوں لیکن سوچ و خیال، روح و دل کے اعتبار سے انگریزی ہوں، ان کے تابع، وفادار شہری اور ذہنی غلام ہوں۔

بر بنا ایں انہوں نے مختلف کالجوں کی بنیاد رکھی:

- فورٹ ولیم کالج، کلکتہ (۱۸۰۰ء)
- ہندو کالج، کلکتہ (۱۸۱۷ء)
- دہلی کالج (۱۸۲۵ء)
- علی گڑھ کالج (۱۸۷۵ء)

ان اداروں میں نپولین ماڈل کو فروغ دینا مطمحِ نظر تھا۔

الحاصل نپولین کے تعلیمی وژن سے پیدا ہونے والا "ریاستی کنٹرولڈ سیکولر نظام" برطانیہ نے اپنایا اور پھر برطانوی سامراج نے اسے ہندوستان میں نافذ کر کے ہماری علمی روح کو مغربی نظام میں ڈھال دیا۔ جہاں یہ نظام سائنس، آرگنائزیشن اور مینجمنٹ میں ترقی کا ذریعہ تھا، وہیں روحانی، دینی، اور اخلاقی اقدار کی بیخ کنی کا سبب بھی بنا۔

اسی لیے علامہ اقبالؒ، مولانا شبلی، مولانا سندھی، اور دیگر مفکرین نے اس نظام پر تنقید کی اور اسلامی تعلیم کے احیاء کی کوشش کی۔

اور جیسا کہ عرض کیا گیا کہ تعلیمی نظام کی یہ حالت و کیفیت پوری دنیا میں ظاہر ہونے لگی۔

یہ تھا ایک مختصراً جدید تعلیمی نظام کا تلخیصی جائزہ، اگر مزید تفصیل درکار ہو اور گہرائی جاننا ہو تو مندرجہ ذیل کتابوں کا رخ کیا جا سکتا ہے:

- The Idea of University by John Henry Newman
- The Making of Modern University by Julie Reuben
- ان کے علاوہ حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہم کا بھی "غلبہ مغرب کا فکری و تہذیبی تجزیہ" کے عنوان سے مغربی استعمار، تعلیم اور فکری یلغار پر بہت جامع تبصرہ موجود ہے۔

پھر وقت گزرنے کے ساتھ اس تعلیمی نظام کو جب امریکہ نے اپنے سنجیدہ اہداف کا حصہ بنانا شروع کیا، تب اس نظام کی دنیا میں عالمی برادری اور خفیہ تنظیموں (Secret Societies) کی اینٹری ہوتی ہے، جنہوں نے ۱۹ویں صدی میں اس نظام کو اپنی امداد و اشارات سے کسی قدر ترمیمی نوعیت سے آگے بڑھایا اور اپنے منصوبے One World Vision کو تقویت پہنچانے میں اس نظام کا بھرپور استعمال کیا۔

اب سوال یہ ہے کہ بعد میں اس کی لگام کن لوگوں سے جا کر جڑتی ہے؟

جواب سادہ ہے لیکن وضاحت پیچیدہ ہے، جواب یہی کہ پھر اس نظام کی باگ ڈور صرف اسلام نہیں بلکہ انسانیت دشمن برادریوں سے جا کر جڑتی ہے، جو یہ مانتے ہیں کہ عروج و ترقی صرف ان کا ذاتی حق ہونا چاہیے، جو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ دنیا بھر میں بحیثیت قوم سب سے افضل ترین گروہ ہیں، جو بنی آدم کو رحمانی غلامی کے آغوش سے نکال کر بعنوان آزادی شیطانی غلامی کی زنجیروں میں جکڑنا چاہتے ہیں، وہی جنہیں کبھی الومیناٹی، کبھی فری میسن اور کبھی سیکریٹ سوسائٹیز کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

جب مغربی جامعات کا اثر و رسوخ دنیا بھر میں بڑھتا چلا گیا اور لوگ اس کو صرف قبول ہی نہیں بلکہ اپنے لیے گنجینۂ حیات بناتے چلے گئے، تو عالمی خفیہ برادریوں نے سسٹم کو اپنے قابو میں لے کر اس میں اپنا رنگ چڑھانا چاہا۔ ان برادریوں نے ۳ ایسے اہم کام کیے کہ جن کی بناء پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ "عموماً و تقریباً تمام عالمی اداروں کی سَنَد خواہ وہ پالیسی سے متعلق ہو یا نصاب سازی سے یا اندازِ تربیت سے سب جا کر ان خفیہ تنظیموں کی ذہنیت سے جڑتی ہے"۔

پہلا کام: سرمایہ کاری کے ذریعے قبضہ (Control with Funding)

خفیہ سوسائٹیز سے منسلک خاندانوں (مثلاً راک فیلر اور روتھ چائلڈ) نے سب سے پہلے بڑی مغربی یونیورسٹیوں (جیسے ہارورڈ، آکسفورڈ، کیمبرج، ییل، سٹینفورڈ) میں خطیر فنڈنگ، اسکالرشپس، ریسرچ گرانٹس، چیئرز اور بلڈنگ فنڈز کی شکل میں پیسہ لگایا۔ اس سرمایہ کاری کے بدلے وہ نصاب (curriculum) اور فیکلٹی کی ہائرنگ میں اپنی مرضی مسلط کرنے لگے۔

مثلاً راک فیلر فاؤنڈیشن نے ۲۰ویں صدی کے آغاز میں کارنیگی فاؤنڈیشن کے ساتھ مل کر امریکہ میں "General Education Board" قائم کیا جس کا مقصد اسکولوں اور یونیورسٹیوں کے نصاب کو صنعتی (Industrial)، سرمایہ دارانہ (Capitalist)، اور لادین (Secular) بنانا تھا۔

دوسرا کام: پالیسی میکنگ میں مداخلت (Policy Manipulation)

جب سرمایہ داری کے ذریعے جامعات پر گرفت ہو گئی، تب خفیہ سوسائٹیز نے تعلیمی پالیسیوں، ریسرچ ایجنڈوں، اور عمرانیات و معاشیات جیسے مضامین میں اپنی خاص فکر داخل کرنا شروع کی۔ تعلیم کا مقصد تعمیرِ کردار (Character Building) یا ربانی علم سے ہٹ کر معاشی افادیت (Economic Utility)، پیداواریت (Productivity)، اور ریاست و نظام کی اطاعت بن گیا۔

نصاب میں مذہب کی جگہ سیکولرازم، انسان پرستی، ڈارونزم، فیمنزم، اور نیو ورلڈ آرڈر کی سوچ کو داخل کیا گیا۔

تیسرا کام: مغربی جامعات کو عالمی تعلیمی معیار (Global Academic Benchmark) بنانا

پھر انہوں نے انہی یونیورسٹیوں کو "دنیا کی بہترین جامعات" کے طور پر عالمی سطح پر مشہور کیا۔ نتیجہ؟ ساری دنیا کے طلباء، اسکالرز، گورنمنٹس انہی یونیورسٹیوں کے ریسرچ اسٹینڈرڈ، رینکنگ، نصاب اور ڈگریز کو مرکزی حوالہ (global reference) ماننے لگے۔

آج بھی اگر کوئی اسلامی ملک، افریقی ملک یا ایشیائی ملک تعلیمی ادارہ قائم کرے تو وہ مغربی یونیورسٹیوں جیسے نصاب اور اسٹائل کی نقل کرتا ہے تاکہ ”عالمی معیار“ پر پورا اُتر سکے۔

نتیجہ اور خلاصہ

آج کے اسکول، کالجز اور یونیورسٹیز (چاہے کسی بھی ملک میں ہوں) بنیادی طور پر وہی علم، سوچ، اور مقاصد دیتے ہیں جو مغربی خفیہ برادریوں نے متعین کیے۔

بھارت میں رائج تعلیمی نصاب بورڈز جیسے آئی بی (International Baccalaureate)، IGCSE (Cambridge)، سنٹرل بورڈ آف سیکنڈری ایجوکیشن (CBSE)، انڈین سرٹیفیکیٹ آف سیکنڈری ایجوکیشن (ICSE)، HSC، SSC، NIOS وغیرہ۔

یہ تمام تعلیمی بورڈز مختلف شکلوں، انداز، اور سطحوں پر اسی عالمی تعلیمی ایجنڈے کے مطابق کام کر رہے ہیں جس کی بنیاد ان امور پر ہے:

- لادین انسانیت پرستی (Secular Humanism)
- سرمایہ دارانہ نظام پر مبنی پیداواریت (Capitalism oriented Productivity)
- مغرب زدہ علمیات (Western Epistemology) یعنی علم کی بنیاد وحی نہیں، بلکہ تجربہ و عقل ہو)
- عالمی شہریت (Global Citizenship) اور اقوام متحدہ کا ایجنڈہ ۲۰۳۰ء (UN Agenda 2030)
- وحی سے کٹی ہوئی تنقیدی سوچ (Critical Thinking)

تعلیمی سند (degree) درحقیقت ایک ذہنی و فکری وفاداری (Intellectual Allegiance) کی تصدیق بن گئی ہے کہ آپ اُن کے بنائے ہوئے نظریات، نظام اور ڈھانچے کو سمجھتے، مانتے، اور اُس میں کام کرنے کے قابل ہو چکے ہیں۔

الغرض، بات یہ ثابت ہوئی کہ موجودہ جدید تعلیمی نظام کی لگام دراصل Rockefellers اور Rothschild جیسی پس پردہ رہنے والی ناپاک ترین قومیں سنبھال رہی ہیں اور یہ بدیہی بات ہے کہ یہ خاندان بھی خود ساختہ طور پر کوئی اقدام نہیں کرتے بلکہ ان کے ماوراء بھی ایک عقل و نظام کام کر رہا ہے جس کے اشاروں کے وہ سر تا پا تابع ہیں۔ اب چونکہ ”کل حق لا یقال“ (ہر حق بات کہی نہیں جاتی) کیونکہ ہر حق بات ہضم نہیں ہوتی لہٰذا ہم اس پر صراحۃ کلام کو بہت اہم نہیں سمجھتے۔

مذکورہ بالا حقائق اور مغربی تعلیمی نظام کے روشن اندھیروں کا اگر تفصیلی مطالعہ کوئی کرنا چاہے تو ذیل میں ذکر کیے جانے والے حوالے مفید ہوں گے ان شاء اللہ:

اردو کتابیں:

- نظام تعلیم اور مغربی رجحانات مؤلفہ مولانا علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ
- اسلام اور مشرق و مغرب کی کشمکش مؤلفہ علی عزت بیگووچ

انگریزی کتابیں:

- Education and the Cult of Efficiency by Raymond Challahan
- The Rockefeller File by Gary Allen

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

☆☆☆☆☆

بقیہ: دارالامان میں بے آبرو ہوتی قوم کی بیٹیاں

اسی طرح قیدیوں کے جرمانے اور دیت کے لیے جرائم میں ملوث قیدیوں کی معاونت کے لیے ان مذہبی فلاحی اداروں پر کوئی روک ٹوک نہیں لیکن یہ فلاحی ادارے کسی ایسے شخص کی مدد نہیں کرسکتے جس کا جرم اسلام پسندی ہو، جہاد یا کسی جہادی تنظیم سے تعلق ہو۔“

میں نے موقع غنیمت جانا اور ان صاحب سے سوال کیا کہ کیا آپ موجودہ جمہوری نظام میں اپنی مذہبی سیاسی جماعت کی کارکردگی سے مطمئن ہیں؟ تو ان کا جواب خاموشی تھا۔ کہنے لگے:

”ایسا لگتا ہے یہ نظام ہماری توانائی، ہمارے وقت کا ایک بڑا حصہ ایسے کاموں میں لگوا رہا ہے کہ اب ہمارے پاس اپنی جماعت کے کارکنوں کی کردار سازی، عقائد کی پختگی اور ملکی و غیر ملکی حالات و واقعات کو سمجھنے اور اس پر غور و فکر کے لیے وقت ہی نہیں ہے۔ جو چیزیں کبھی ہمارے لیے معیوب اور ناقابل برداشت تھیں وہ کبھی سافٹ امیج اور کبھی ووٹ حاصل کرنے کے لیے درست لگنے لگی ہیں۔ ہماری پسند ناپسند، دوستی دشمنی کے پیمانے اور معیار بدلنے لگے ہیں۔ کبھی ہم ووٹرز کو سمجھایا کرتے تھے کہ ہمارا امیدوار دیکھو کتنی بڑی علمی شخصیت ہے اور مقابلے میں فلاں امیدوار جاگیردار ہے آپ اسے ووٹ دوگے؟ آج ایسے افراد ہماری صفوں میں مقام پانے لگے ہیں۔ اور اتنا سب کچھ کرلینے کے باوجود بھی ایسا نہیں ہے کہ ہم نے اس نظام کے اندر کوئی ترقی کی ہو۔ ہم نے عوام کی اصلاح کرنی تھی اس نظام کی اصلاح کرنی تھی اس کام سے ہم دور ہوتے جارہے ہیں اور یہ نظام ہمیں بدلنے میں کامیاب ہو رہا ہے۔ یہ واقعی افسوس ناک ہے۔“

☆☆☆☆☆

شام میں جہاد کا مستقبل

استاذ ابو اسامہ عبد العزیز الحلاق | مترجم: ڈاکٹر نیک محمد

النازعات: محترم ابو اسامہ! آپ کے بیان کے مطابق شام میں جہادی قیادت سے جو انحرافات سرزد ہوئے ہیں، آپ کی رائے میں ان کے اسباب کیا ہیں؟

استاذ عبد العزیز الحلاق: میرے خیال میں صحیح راستے سے اس طرح کے انحراف کی وجوہات، صہیونی صلیبی مغرب کی طرف سے اپنے قطری اور تُرک پراکسی ایجنٹوں کے ذریعے شام میں مجاہدین کی قیادت کے ساتھ کمال مکاری اور دھوکا دہی میں پوشیدہ ہیں، جس کے نتیجے میں شام میں مجاہدین کی قیادت نے اپنے اکابر جہادی قائدین کے ساتھ فکری، منہجی اور تنظیمی تعلقات کو توڑ لیا حالانکہ یہ اس جہادی قافلے کے راہنما ہی تھے جو انہیں پہلے عراق اور پھر شام لے کر آئے تھے۔ بدقسمتی سے مغرب اپنی مکاری اور دھوکہ دہی کے ذریعے اپنے اس منصوبے میں کامیاب ہو گیا جسے اس نے تنظیم القاعدہ سے ''تعلق توڑنے'' کا نام دیا، جو درحقیقت برادرانہ، فکری، منہجی اور تنظیمی تعلقات کو ختم کرنے کے مترادف ہے۔ جیسا کہ میں نے پہلے کہا کہ صہیونی صلیبی مغرب ہمارے موجودہ دور میں شیطان کے مظاہر میں سے ایک ہے، جس کا سب سے بڑا مشن، شوہر اور بیوی میں جدائی ڈالنا، بھائی کو بھائی سے لڑانا، ماں باپ کے خلاف اولاد کو بھڑکانا اور کارکنوں کو اپنی مخلص جماعت اور اپنے اُن جاں نثار قائدین کی مخالفت پر ابھارنا ہے جو ان کے لیے ایک پناہ گاہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان مقاصد اور امور کے حصول کے لیے شیطان کے پاس حیلے بہانوں اور بے جا اعذار کی کمی نہیں ہو گی، پس جو کچھ ہوا اس کا خلاصہ اس تاریخی مرحلے کے بہت سے مبصرین کو معلوم ہے۔

مغرب نے ترکی اور قطر میں اپنے ایجنٹوں کو یہ مشن تفویض کیا اور الجزیرہ ٹی وی چینل سے وابستہ کچھ میڈیا پروفیشنلز کو ذمہ داری سونپی۔ یہ افراد اس خطے میں پہنچنے والے جہادی قافلے کے رہنماؤں کے ساتھ ماضی میں انٹیلی جنس کا تجربہ رکھتے تھے اور انہیں نہ صرف شام میں بلکہ یمن، شمالی مغربی افریقہ اور صومالیہ کے بھائیوں کے سامنے بھی مغرب کے تجویز کردہ اس منصوبے کو پیش کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی تھی، جس میں بڑی مالی و مادی امداد کی فراہمی کے ساتھ ساتھ اس بات کی بھی ضمانت دی گئی تھی کہ ان کا تعاقب نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی انہیں (ڈرون وغیرہ سے) نشانہ بنایا جائے گا اور ان کے لیے خطے میں سلامتی کو برقرار رکھنے میں حصہ لینے کی جزوی قبولیت بھی شامل تھی۔ پس شام کے بھائیوں نے اس پُرکشش پیشکش کو قبول کر لیا، لیکن یمن، شمالی مغربی افریقہ اور صومالیہ کے بھائیوں نے اس کھیل کو جہاد کے مستقبل کے لیے ایک خطرہ سمجھتے ہوئے قبول نہیں کیا۔ اسی میں شامی قیادت کا انحراف پوشیدہ ہے۔

یہاں آپ کی معلومات کے لیے عرض ہے کہ ''تعلق توڑنے'' یا ''علیحدگی'' کی تجویز سب سے پہلے القاعدہ کی قیادت کی جانب سے اس کے امیر ڈاکٹر ایمن الظواہری نے پیش کی تھی، لیکن دو شرائط کے ساتھ کہ شام کے مجاہدین کا اتحاد ہو اور شام میں ایک اسلامی حکومت کا قیام عمل میں لایا جائے جس کے ساتھ اہلِ شام اپنے لیے ایک امام یعنی امیر کا انتخاب کریں، اس کے بعد ہی، نہ کہ اس سے پہلے۔ القاعدہ اپنا تنظیمی تعلق ترک کرے گی، شام میں اپنے بھائیوں کو ان کی کامیابیوں پر مبارکباد دے گی اور اس کے بعد ہمارے درمیان اسلامی اور جہادی بھائی چارہ قائم رہے گا۔

اس وقت شام کی قیادت نے ان دونوں شرائط کو پورا کرنے سے پہلے ہی ''علیحدگی اور تعلق توڑنے'' کا فیصلہ کر لیا اور اس کا اعلان بھی کر دیا۔ تاہم، اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ تھی کہ اصل میں جو کچھ ہوا وہ صرف تنظیمی علیحدگی نہیں تھا، بلکہ ہر قسم کے برادرانہ، فکری، منہجی اور تنظیمی روابط کا خاتمہ کر دیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ شام کی قیادت نے اپنے چند مشہور ارکان کے ذریعے اپنے ان سابق قائدین اور ارکان کے طرزِ عمل پر، پُرتشدد حملے شروع کر دیے جو القاعدہ کے ساتھ اپنی سابقہ بیعت پر قائم تھے اور اپنے معروف ترجمانوں کے ذریعے واضح طور پر القاعدہ کی باقی شاخوں، خصوصاً یمن اور شمالی مغربی افریقہ کی شاخوں سے بیعت توڑنے، عہد کو ترک کرنے اور سنگین غداری کا اعلان کرنے کا مطالبہ کیا۔ یہاں سے وہ انحرافات جو قطر اور ترکی پوری قوت سے پال رہے تھے وسیع تر ہوتے گئے۔ اور ہم اللہ ہی سے شکایت کرتے ہیں۔

شام کی قیادت میں اس انحراف کی قبولیت، اطمینان اور تسلسل کی وجوہات میں سے ایک وہ نظریاتی اور منہجی دباؤ ہے جس کا سامنا ان میں سے بہت سوں نے کیا ہے، یہ ایک ایسا ماحول تھا جو صحیح اور معتدل نظریات کی نشوونما کے لیے موزوں نہ تھا، خاص طور پر وہ نظریات جو ''بوکا سکول'' (یعنی عراق میں امریکی قید خانے کیمپ بوکا) میں پیدا ہوئے اور پروان چڑھے اور وہ ان نظریات کے ساتھ ہم آہنگ ہوئے جو ''صیدنایا سکول'' (یعنی شام میں بشاری قید خانے صیدنایا) میں تیار ہوئے۔ مجھے یقین ہے کہ اسیری میں ظلم و ستم کے دباؤ کے تحت اس منہج اور نظریاتی و فکری اختلاط نے ایک بڑا منہجی اور نظریاتی تصادم پیدا کیا، جس کی دھول شام کے انقلاب کے آغاز سے اٹھی اور گزشتہ برسوں میں بہت بلندی تک پہنچ گئی۔ عراق کی بوکا کی جیل سے فارغ التحصیل ہونے والے افراد کی سوچ اور شام کی صیدنایا جیل سے سند حاصل کر کے نکلنے والے افراد کی فکر، مل کر ایک نئی ذہنیت کے ظہور کا باعث بنی جو منہج، فکر، نظریات اور تطبیقات میں انحراف کے ساتھ مطابقت کی صلاحیت رکھتی تھی۔ شام میں شدید ردعمل کی وجہ سے اہلِ شام کے شعور پر ان انحرافات کے اثرات میں اضافہ ہوا جس کے بعد عراق اور شام کے کچھ حصوں پر تنظیم داعش کو کنٹرول حاصل ہوا اور اسے بے گناہوں کا خون بہانے کی لت پڑ گئی۔ اس منظر نامے کے اہم ترین عوامل میں، عزیمت کا راستہ اپنانے سے دور ہونا، احکامِ الٰہی کی بجا آوری میں شرعی رعایتوں کا لحاظ نہ رکھنا اور

ضروریات کے بہانے بہت سے ممنوعات کا ارتکاب شامل ہیں۔ ان میں سب سے بڑا جرم، اختلاف رائے رکھنے والوں کا خون بہانے کی جرأت ہے۔ یہ کوئی راز نہیں ہے کہ ایسی ’بوکا۔صیدنائی‘ ذہنیت اور اس کے حاملین کے قانونی، تنظیمی اور سماجی انتخاب پر اس کے اثرات، کائنات میں کسی بھی انسانی قوم کے لیے شان و شوکت پیدا نہیں کر سکتے، نہ ہی اس قوم کے لیے باعثِ فخر بن سکتے ہیں۔ اس لیے مجھے یقین ہے کہ شام کی قیادت اپنا فکری و نظریاتی توازن، اور منہج پر استقامت دوبارہ حاصل نہیں کر سکے گی اور اس قیادت کے لیے اپنے قیدی شعور کو، ”فکری گوانتاناموبے“ اور ”نظریاتی قید خانے“ سے آزاد کرانا ممکن نہیں ہو گا، سوائے اس عظیم حادثے کے جو انہیں ”دوستانہ“ اور ”برادرانہ“ ممالک سے الگ کر دے جن میں وہ خود اعتمادی محسوس کر رہے ہیں اور جن کی آغوش میں وہ خود کو جھونک رہے ہیں۔ مجھے نہیں لگتا کہ ناصحین کی نصیحت ان کے توازن اور استقامت کو بحال کرنے میں اہم کردار ادا کرے گی، اگرچہ نصیحت و رہنمائی کا فریضہ سرانجام دینا بھی ضروری ہے، لیکن انسانوں کی اکثریت کا یہ معمول رہا ہے کہ وہ ہلاکت کی صبح آنے تک نصیحت کو نہیں سمجھتے۔

النازعات: استاذِ محترم! شاید آپ جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ شام کے عوام، تنظیم القاعدہ اور اس کے نظریاتی و تحریکی انتخاب کے بارے میں، بہت سے اور اہم تحفظات رکھتے ہیں۔ شام کے بہت سے انقلابی نوجوانوں میں یہ بات عام ہے کہ القاعدہ اپنے مقاصد حاصل کرنے میں ناکام رہی ہے اور جغرافیہ اور تاریخ کے حاشیے پر آگئی ہے۔ اور وہ اس کی وجہ ایک غیر منطقی اور غیر حقیقت پسندانہ نظریے سے وابستگی کو قرار دیتے ہیں، جو عالمی جہاد کا نظریہ ہے۔ جب کہ اہلِ شام نے مقامی جہاد سے وابستگی کے ذریعے گیارہ دنوں میں وہ حاصل کر لیا جو القاعدہ تیس سالوں میں اپنے عالمی جہاد کے ذریعے حاصل کرنے میں ناکام رہی۔ تو محترم ابو اسامہ! کیا اہلِ شام کے اپنے مقامی، علاقائی جہاد کے ذریعے حاصل ہونے والی عظیم کامیابی دیکھنے کے بعد، عالمی جہاد سے القاعدہ کی وابستگی کی افادیت کے بارے میں آپ کا نظریہ بدل گیا ہے؟

استاذ عبد العزیز الحلاق: میرے پیارے بھائی! میں آپ کو صاف صاف کہتا ہوں کہ دمشق کی آزادی کے بعد، کئی وجوہات کی بنا پر، میں عالمی جہاد کے نظریے کے ساتھ زیادہ پرعزم، زیادہ وابستہ اور زیادہ وفادار ہو گیا ہوں، جن کا ذکر میں آپ سے کسی اور موقع پر کر سکتا ہوں۔ تاہم، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں نئے شام کو آگ لگانے کا مطالبہ کر رہا ہوں اور اسے صہیونی۔صلیبی مغرب کے ساتھ عالمی جنگ کی بھٹی میں جھونک رہا ہوں، جب کہ یہ پہلے ہی اپنے زخموں سے چھلنی ہے اور اس کے لیے تیار نہیں ہے۔ میرے بھائی! آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہمارے موجودہ دور میں عالمی جہاد کے علم برداروں (یعنی القاعدہ) نے شام کو عالمی جہاد کا گڑھ بنانے کی نہ تو کبھی خواہش کی اور نہ ہی اس کی ترغیب دی، سوائے اس کے کہ انہوں نے شریعتِ اسلامیہ کے تقاضے کے مطابق شام کی سرزمین کو مغربی، مشرقی اور صہیونی قبضے سے پاک کرنے اور نصیری حکومت کا تختہ الٹنے کی ضرورت پر زور دیا۔ نہ صرف یہ بلکہ القاعدہ کے قائدین نے تو سنہ ۲۰۱۲ء سے ہی شام کی قیادت، بالخصوص جولانی صاحب کو نصیحت کی تھی کہ وہ ان ظاہری علامات کو ترک کر دیں جن سے مبصرین کو یہ تاثر ملے کہ شام کا جہاد، عالمی جہاد کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔

اگر آپ شیخ ابو یحییٰ اللیبی رحمۃ اللہ علیہ کے اس خط کا جائزہ لیں جو انہوں نے شام کے انقلاب کے پہلے سال کے دوران جولانی صاحب کو بھیجا تھا تو آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ جو شخص شام کی سرزمین پر عالمی جہاد کے منصوبے کے ساتھ آ رہا تھا وہ عراقی مکتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے جولانی صاحب اور ان کے ساتھی تھے، جبکہ القاعدہ کی قیادت انہیں ایسا کرنے سے منع کر رہی تھی، حتیٰ کہ ان پر زور دے رہی تھی کہ وہ دشمنوں کو بے اثر ضرور کریں لیکن انہیں خوفزدہ یا مشتعل نہ کریں۔

بہر حال، مذکورہ بالا دلیل میں جو چیز میرے عزم و یقین کو پختہ کرتی ہے وہ یہ ہے کہ دوسروں کی طرح، میں بھی بشار الاسد کی سابقہ حکومت کے زوال اور اس پر مسلمانوں کی فتح کو محسوس کرتا ہوں۔ تاہم، حقیقت میں ہم کسی انقلاب کی مکمل کامیابی اور فتح کو نہیں دیکھتے اور نہ ہی یہ انقلاب اور فتح، تاریخ میں درج کسی انقلاب اور فتح کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔ جب سے انقلابیوں نے دمشق میں داخل ہو کر اس کی آزادی کا اعلان کیا ہے، ہم نے جنوبی شام میں صہیونی قبضے کی مداخلت اور ایک بڑے علاقے پر اس کے قبضے کے اعلان کو بھی دیکھا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ”ہیئۃ تحریر الشام“ کا منتخب کردہ مقامی علاقائی جہاد کا نظریہ پورے شام کو آزاد کرانے کی صلاحیت نہیں رکھتا تھا اور نہ ہی یہ دنیا میں کسی انقلاب کی فتح کے تقاضوں کو پورا کرتا تھا۔ مزید یہ کہ ”ہیئۃ تحریر الشام“ کے جہاد کو ”مقامی علاقائی جہاد“ کہنا بھی قابلِ اعتراض ہے۔ کیونکہ مقامی علاقائی جہاد وہ جہاد ہوتا ہے جس میں تمام غاصبوں سے لڑا جاتا ہے جنہوں نے مسلم ملک اور مسلم خطے پر حملہ کیا ہوتا ہے۔

معاصر مثالوں میں افغانستان، عراق، صومالیہ، شمالی افریقی ملک مالی کا جہاد اور دیگر جہاد شامل ہیں۔ ان سب نے ایک ہی وقت میں اپنے ملک پر قبضہ کرنے والے تمام قابضین کا مقابلہ کیا، ان میں سے بہت سے محاذوں نے صلیبی اتحادوں کا مقابلہ کیا، جن میں سے کچھ اتحاد چالیس سے زائد ممالک پر مشتمل ہو سکتے ہیں، جب کہ وہ مقامی مقبوضہ خطے میں اور علاقائی و ملکی دائرے میں رہ کر جہاد کر رہے تھے۔ تاہم، کسی ایک قابض یا اس کے مقامی ایجنٹ سے لڑنا اور پھر باقی بڑے قابضوں کے خلاف جہاد سے گریز کرنا، یا شام کے عوام کے خلاف ان کے قبضے اور جرائم کے باوجود ان کے ساتھ مشترکہ تعلقات قائم کرنے کی کوشش کرنا، میری محدود رائے میں، یہ مقامی، علاقائی جہاد کی صحیح شکل نہیں ہے، جو آپ بیان کر رہے ہیں۔

ہاں، شرعی و فقہی لحاظ سے یہ جائز ہو سکتا ہے کہ بعض سے لڑا جائے اور بعض کو اس وقت تک بے اثر کیا جائے جب تک کہ ہم انہیں اپنی سرزمین سے آہستہ آہستہ بے دخل نہ کر دیں۔ تاہم، ملک کو تمام قابضین سے پاک کرنے کے لیے اس قسم کے جہاد کو ایک مقامی،

علاقائی جہاد کے طور پر بیان کرنا، ایک ایسی چیز ہے جو میرے خیال میں فی الواقع شام میں حاصل نہیں ہوئی۔ اس سے بھی بڑھ کر ’’ہیئۃ تحریر الشام‘‘ کے کچھ عراقی ترجمانوں نے تو ایک سال سے زیادہ عرصہ قبل ہی اعلان کر دیا تھا کہ جہاد ختم ہو گیا ہے، اور آج آپ دیکھتے ہیں کہ شام کے انقلاب کی علامتیں (یعنی قائدین) روسی اور امریکی قبضے کے ساتھ تطبیع (normalization) کر کے تعلقات کو معمول پر لا رہی ہیں، اور وہ اس سلسلے میں شام کے عوام اور امتِ مسلمہ کی طرف سے کیے جانے والے بہت سے پریشان کن سوالات کے جوابات، من مانے طریقے سے، تلاش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

جب انہوں نے ماضی کے کسی تجربے اور لوگوں کی تشویش کم کرنے والے کسی راستے کی تلاش شروع کی، جسے حیلے بہانے کے طور پر استعمال کیا جا سکے، تو انہیں صہیونی-صلیبی مہم کے ساتھ اتحاد کے سعودی تجربے کے سوا کچھ نہیں ملا۔ آلِ سعود نے امریکیوں کے ساتھ کیے گئے معاہدوں کے ذریعے امان اور عسکری قوت حاصل کی۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہم دیکھتے ہیں کہ شام کے انقلاب کی علامتیں (یعنی قائدین) محمد بن سلمان کے وژن (۲۰۳۰) کو نقل کرنے اور ان ممالک کے پیچھے بھاگنے کا شوق رکھتی ہیں جنہوں نے ایسا کوئی کارنامہ سرانجام نہیں دیا جس پر امت کو فخر ہو یا جس سے اقوامِ عالم میں اس امت کا مقام و مرتبہ بلند ہوا ہو۔ اگر وہ چینی یا جاپانی اقتصادی اور صنعتی تجربے کی طرف بڑھتے تو عقلی اور شرعی طور پر یہ زیادہ کامل اور خوبصورت ہوتا۔ اور اللہ اپنے کام پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

اب میں جو دیکھ رہا ہوں وہ یہ ہے کہ سوریہ کے انقلاب سے وابستہ ہمارے بھائی، عسکری و سیاسی معاہدوں کے ذریعے اپنی سرزمین پر قبضے کو قبول کرنے اور قابضین سے تعلقات معمول پر لانے کی راہ پر گامزن ہیں جو بڑی قابض طاقتوں کی فوجوں کو، جو شام کے انقلاب سے خوفزدہ ہیں، شام کی سرزمین پر اپنے اڈوں اور کیمپوں میں رہنے کی اجازت دیتے ہیں۔ شاید وہ اس بات پر قائل ہو گئے ہیں کہ مملکتِ سعودی عرب کا تجربہ اس سلسلے میں سب سے اہم تجربہ ہے جس میں عسکری تحفظ کے معاہدوں کی آڑ میں حرمین شریفین کی سرزمین پر صہیونی-صلیبی موجودگی کو قانونی حیثیت دی گئی ہے۔ جبکہ حقیقت میں، یہ مسلم ممالک اور مسلمانوں کی سرزمین پر ایک واضح قبضہ ہے، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شام کے انقلاب کے قائدین کے لیے اس ذلت آمیز انداز کو اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ انقلاب کے قائدین کی اکثریت ’’جالوتی کمپلیکس‘‘ سے دوچار ہے، جو ایک قدیم سیاسی نعرہ ہے:

لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ (سورۃ البقرۃ:۲۴۹)

’’آج ہمارے پاس جالوت اور اس کے لشکر سے لڑنے کی کوئی طاقت نہیں۔‘‘

میں آپ سے صاف صاف کہتا ہوں کہ یقیناً وقت، ان تمام لوگوں کو جو اسلام کی سربلندی کے لیے مخلصانہ طور پر کام کر رہے ہیں، القاعدہ کے پیغام اور منہج کو قبول کرنے پر مجبور کر دے گا، لیکن ضروری نہیں کہ وہ سب تنظیم القاعدہ میں ضم ہو جائیں یا اس کی شاخوں میں شامل ہو جائیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مجھے یقین ہے کہ القاعدہ کا پیغام اور منہج، ایک مستند قرآنی منہج اور طریقہ کار ہے جس کی بنیاد قرآن و سنت پر اور اس نقل (یعنی شریعت) پر ہے جو عقل سے موافقت رکھتی ہے۔ یہ ایک ایسا منہج اور طرزِ عمل ہے جو دنیاوی زندگی میں قوموں کے عروج و زوال کے لیے مقرر کردہ کائناتی اصولوں اور اللہ کی سنت کو مدِ نظر رکھتا ہے۔ اور اللہ ہی صحیح راستے کی طرف رہنمائی کرنے والا ہے۔

النازعات: در حقیقت، محترم ابو اسامہ! آپ نے عالمی جہاد کے حوالے سے میرے بہت سے تصورات اور مقامی، علاقائی جہاد کے حوالے سے میرے ذہن میں جو تصورات راسخ تھے ان میں شدید خلل ڈال دیا ہے۔ میں چاہوں گا کہ آپ مجھے اور دیگر دلچسپی رکھنے والے بھائیوں کو، ایک سادہ اور قابلِ فہم انداز میں، القاعدہ کے منہج کے مطابق عالمی جہاد کے نظریے کی وضاحت کریں اور یہ بھی بتائیں کہ یہ دوسرے جہادی گروہوں کے مقامی جہاد کے نظریہ سے کس حد تک مختلف ہے۔

استاذ عبد العزیز الحلاق: اس سوال کا جواب بہت طویل ہے اور بہت سے اقتباسات پر مشتمل ہے، اور متکلم سے مزید وضاحت اور تفصیل چاہتا ہے اور شاید یہ اس انٹرویو کا بقیہ تمام وقت لے سکتا ہے۔ لہٰذا، چونکہ آپ نے مجھے اس موضوع سے متعارف کرایا ہے، اس لیے براہِ کرم مجھے اجازت دیں کہ میں یہاں القاعدہ کے پیغام اور عالمی جہاد کے بارے میں اس کے نظریے اور امتِ مسلمہ کو درپیش بحران سے نمٹنے کے لیے اس نے جو حل تجویز کیے ہیں ان کی کچھ وضاحت کروں، جسے زیادہ تر لوگ نہیں سمجھتے۔

انیسویں صدی کے اوائل میں خلافتِ عثمانیہ کی طاقت اور وحدت کے خاتمے اور بیسویں صدی کے آغاز میں مسلم ممالک کے لیے صلیبی جنگوں کی تقسیم اور مسلم سرزمین کے ٹکڑے ہونے کے بعد سے، استعماری صلیبی مہم کے خلاف مزاحمت کے لیے متعدد جہادی تحریکیں ابھریں۔ مجاہدین نے حملہ آور استعماری صلیبی افواج کو پے در پے شکستیں دیں۔ لیکن سفید فام قابض (بیرونی صلیبی استعمار) کے برائے نام اخراج اور اس کے متبادل کے طور پر بھورے قابض (اندرونی مرتد ایجنٹ) کو تیار کر کے نصب کیا گیا جس سے یہ جہادی بیداری تھم گئی اور اس کی رفتار پر قابو پا لیا گیا۔

اُس وقت، امت مسلمہ نے بے ساختہ اور سادگی سے اس فریب کارانہ کامیابی پر خوشی منائی، آزادی کا جشن منایا، ان کا خیال تھا کہ انہوں نے آزادی، خود مختاری اور انصاف حاصل کر لیا ہے۔ یہاں ایک اہم نکتہ قابلِ غور ہے کہ عیسائی اقوام کے صلیبی حملوں نے اپنی پوری تاریخ میں امتِ مسلمہ کے جہادی راستوں کا جائزہ لینے اور انہیں تیزی سے اپنانے کی اعلیٰ صلاحیت کا مظاہرہ کیا ہے اور عصری تاریخ ثابت کرتی ہے کہ وہ سیاسی سفارت کاری (ڈپلومیسی) کے ذریعے اپنی فوجی شکستوں کا ازالہ کرنے اور پھر انہیں ایک بڑی اسٹریٹیجک فتح میں تبدیل کرنے کی اعلیٰ صلاحیت رکھتے ہیں۔

مسلم ممالک میں یومِ آزادی کے جشن منانے کے بعد، مسلمان عوام کو احساس ہوا کہ انہوں نے حقیقت میں حریت، انصاف یا آزادی جیسی کوئی چیز حاصل نہیں کی ہے، بلکہ بھورے مقامی مرتد ایجنٹ، بیرونی صلیبی استعمار کے مقابلے میں زیادہ پُر تشدد، کینہ پرور اور مجرم ثابت ہوئے ہیں اور یہ کہ یہ مقامی حکومتیں، جنہیں وہ اسلامی سمجھتے تھے اور اب بھی اسلامی سمجھتے ہیں، اور یہ حکمران جو مسلم ممالک پر مسلط کیے گئے ہیں، یہ سب مسلم سرزمینوں پر محض صلیبی مہم کے ایجنٹ اور ان کی کٹھ پتلیاں ہیں۔ اُس وقت جہادی تحریکوں کا رخ مقامی حکومتوں اور مسلم ممالک کے حکمرانوں سے لڑنے کی طرف ہوا اور ''مقامی علاقائی جہاد'' کا تصور ابھرا، جس میں ہر ملک کے لوگ اپنے ہی حکمرانوں اور مقامی ظالم حکومتوں سے لڑنے اور ان سے جنگ کرنے کے لیے پر عزم تھے۔ تاہم، ایک طویل عرصے کی جدوجہد کے بعد، وہ ان حکومتوں کا تختہ الٹنے میں بری طرح ناکام ہوگئے، تب انہیں یقین ہو گیا کہ ان مقامی حکومتوں کو کفر کے سرغنہ، امریکہ اور صلیبی استعماری ممالک کی بھرپور حمایت حاصل ہے جن سے انہوں نے اتحاد کر رکھا ہے۔

اُس وقت جہادی تحریکوں کے بہت سے ارکان کو شکوک و شبہات اور الجھن نے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ لہٰذا ان میں سے کچھ نے دعوتی اور تبلیغی کام کی طرف رجوع کیا، اور کچھ نے منہج پر نظرِ ثانی کی اور فکری و نظریاتی پسپائی اختیار کی اور ان میں سے بہت سے لوگوں نے مسلح کارروائی کے ذریعے ان حکومتوں کا تختہ الٹنا ناممکن قرار دیا۔ ان میں سے بہت سے لوگوں نے سیاسی راستوں کا انتخاب کیا، جمہوری انتخابات میں حصہ لیا، ایجنٹ حکومتوں اور کٹھ پتلی نظاموں کو شرعی لحاظ سے جائز قرار دے کر انہیں تسلیم کیا، اور پارلیمان میں حزب اختلاف کا کردار ادا کرنے کے لیے ان کی چھتری کے نیچے داخل ہوئے۔ دوسروں نے فوجی بغاوتوں یا عوامی انقلابات کو ہوا دینے کا انتخاب کیا، جب کہ کچھ نے پہلے نقطۂ نظر ہی کے درست ہونے پر اصرار کیا، یعنی ہتھیار اٹھانا، مقامی حکومتوں کے خلاف جہاد کرنا اور ان سے اس وقت تک لڑنا جب تک کہ ان کی حکومت کا تختہ نہ الٹ دیا جائے۔

امتِ مسلمہ کی کشتی جن فکری، سیاسی اور سماجی حالات میں ڈول رہی تھی، اس سنگین بحران کے سائے میں مسلم ممالک میں تنظیم القاعدہ کے قائدین پلے بڑھے، اور اللہ تعالیٰ نے ان کے مقدر میں لکھ دیا تھا کہ وہ شیخ عبد اللہ عزام رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں غیر متوقع طور پر افغان جہاد میں ملیں۔ افغان جہاد شروع میں افغانستان کے کمیونسٹ حکمرانوں کے خلاف تھا لیکن جب افغان مجاہدین کمیونسٹ حکومت کا تختہ الٹنے کے قریب پہنچے تو سوویت یونین، اپنی اتحادی حکومت کی حمایت اور بقاء کے لیے دوڑ پڑا، چنانچہ وہ قابض بن کر افغانستان میں داخل ہوا۔ تب ان کے ساتھ ایک طویل جنگ ہوئی جو پوری ایک دہائی تک جاری رہی اور افغانستان کی فتح اور اُس وقت کے دوہرے عالمی نظام کے دو قطبوں میں سے سوویت یونین کے قطب کا تختہ الٹنے پر ختم ہوئی، اور مجاہد نوجوانوں میں اگلے ہدف کے لیے مناسب حکمت عملی کے بارے میں ذہن سازی اور غور و فکر کرنے کا باعث بنی۔

۱۹۹۵ء میں تنظیم القاعدہ کے اکثر قائدین، طویل بحث و مباحثے، غور و فکر اور سوچ و تدبر کے بعد اس بات پر متفق ہوئے کہ مسلمانوں کے مقدسات کو آزاد کرانے کا صحیح ترین اور قابلِ عمل طریقہ یہ ہے کہ ان مرتد ایجنٹوں کی حمایت کرنے والے حقیقی آقاؤں کو نشانہ بنایا جائے۔ کیونکہ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے انہیں نصب کیا ہے اور انہیں ہم پر مسلط کیا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو خود تو اپنے فوجی اڈوں میں چھپے رہتے ہیں اور ہمارے اپنے لوگوں اور ہم وطنوں کو ہم سے لڑنے کے لیے سامنے لے آتے ہیں، اس طرح وہ اپنے ہوٹلوں، ہوائی اڈوں اور سمندروں میں موجود فوجی اڈوں میں نہ صرف محفوظ رہتے ہیں بلکہ وہ وہاں سے ہم پر بمباری بھی کرتے ہیں اور ہمارے گھروں کو تباہ کرتے ہیں۔ یہاں سے ''عالمی جہاد'' کا تصور ابھرا، جس کے نظریہ، تصور اور اطلاق میں کئی ستون شامل ہیں۔ اس کا پہلا اعلان سنہ ۱۹۹۶ء میں ہوا جب شیخ اسامہ رحمۃ اللہ علیہ نے افغانستان سے ایک بیان جاری کیا جس کا عنوان تھا: ''حرمین شریفین کی مقدس سرزمین پر قابض امریکیوں کے خلاف جہاد کا اعلان: جزیرۃ العرب سے مشرکین کو نکال دو''۔ یہ یکم ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ (۱۵ اگست ۱۹۹۶ء) کا دن تھا۔ شیخ اسامہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں واضح کیا کہ وہ دشمن جس پر ہمیں اپنی کوششیں مرکوز کرنی چاہییں اور جس کے خلاف ہم جہاد کا اعلان کرتے ہیں وہ صہیونی۔صلیبی اتحاد ہے جو اس دور میں کفر کا سرغنہ ہے۔ اس بیان میں کہا گیا کہ:

''سب نے اتفاق کیا ہے کہ 'جب چھڑی ٹیڑھی ہو تو سایہ سیدھا نہیں ہو سکتا'۔ پس اس اہم ترین دشمن کو نشانہ بنانے پر توجہ مرکوز کرنے کی ضرورت ہے جس نے کئی دہائیوں سے امتِ مسلمہ کو قومی ریاستوں اور چھوٹے چھوٹے ملکوں میں تقسیم کرنے کے بعد اسے بھنور اور بھول بھلیوں میں ڈال رکھا ہے۔ مسلم ممالک میں جب بھی کوئی اصلاحی دعوت سامنے آتی ہے تو یہ یہودی صلیبی اتحاد، خطے کے حکمرانوں میں سے اپنے ایجنٹوں کو، مختلف طریقوں سے، اس اصلاحی دعوت کو ختم کرنے کی ذمہ داری سونپ دیتا ہے۔ بعض اوقات یہ اسے، وقت اور جگہ کی مناسبت سے، مسلح تصادم میں گھسیٹ کر اسے اپنے ابتدائی دور میں ہی ختم کر دیتا ہے۔ موجودہ حالات میں تمام اہل اسلام کے لیے صحیح طریقہ کار وہی ہے جو علمائے کرام نے طے کیا ہے، یعنی اسلامی دنیا کے تمام ممالک پر غلبہ پانے والے کفر کے سرغنہ امریکہ کو دور کرنے کے لیے کام کیا جائے، اور چھوٹے نقصانات کو برداشت کرتے ہوئے بڑے نقصانات سے بچنے کی فکر کی جائے، یعنی سب سے بڑے کفر پر وار کیا جائے۔ پس اگر واجبات آپس میں متصادم ہوں تو ان میں اہم ترین کو ترجیح دی جانی چاہیے۔ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں کہ اس غاصب امریکی دشمن کو پسپا کرنا ایمان کے بعد اہم ترین فرض ہے اور اس پر کوئی چیز مقدم نہیں ہے۔''

اس میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ:

"اس حملہ آور دشمن کو پسپا کرنا مسلمانوں کے تمام طبقات کی شمولیت کے بغیر ناممکن ہے اور یہ ہر امیر و غریب، اعلیٰ و ادنیٰ پر واجب ہے، اور بعض متنازع مسائل اور اختلافی باتوں کو نظر انداز کرنا بھی ضروری ہے کیونکہ اس مرحلے پر ان اختلافی مسائل کو نظر انداز کرنے کا نقصان، مسلم ممالک پر کفرِ اکبر امریکہ کے تسلط اور قبضے کے جاری رہنے کے نقصان سے بہت کم ہے۔

ایسی صورت میں، ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ حملہ آور دشمن اور مسلم ممالک پر قابض کفرِ اکبر امریکہ کے خلاف امتِ مسلمہ کو ابھارنے اور متحرک کرنے کی ہر ممکن کوشش کرے جو مسلمانوں کے دین و دنیا دونوں کو تباہ کر رہا ہے اور ایمان کے بعد اس دشمن کو پسپا کرنے سے بڑھ کر کوئی چیز واجب نہیں ہے۔ یہ وہ اسرائیلی امریکی اتحاد ہے جو حرمین شریفین اور بیت المقدس کی سرزمین پر قابض ہے۔ مسلمانوں کو نصیحت کی جائے کہ وہ امتِ مسلمہ کے مختلف گروہوں اور قوموں کے درمیان اندرونی لڑائیوں میں شامل ہونے سے گریز کریں کیونکہ اس کے سنگین نتائج ہیں۔ امریکی قابض افواج کی موجودگی میں کوئی بھی اندرونی لڑائی، چاہے اس کا جواز کچھ بھی ہو، ایک سنگین غلطی ہے، کیونکہ یہ لڑائیاں جنگ کو عالمی کفر کے حق میں کرنے کے لیے کام کریں گی۔"

مزید یہ بھی کہا گیا کہ:

"یہ بات آپ سے ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ موجودہ حالات، ہماری باقاعدہ مسلح افواج اور دشمن افواج کے درمیان عدم توازن کو دیکھتے ہوئے، مناسب جنگی طریقوں کی ضرورت پر زور دیتے ہیں۔ اس معرکے کے لیے ہلکی، سریع الحرکت افواج کی ضرورت ہے جو مکمل رازداری سے کام کرنے والی ہو۔ دوسرے لفظوں میں، ایک گوریلا جنگ کی ضرورت ہے جس میں مسلح افواج کے علاوہ دیگر عام مسلمان بھی حصہ لے سکیں۔ آپ جانتے ہیں کہ اس مرحلے پر ایک مسلح فوج کو صلیبی دشمن کی افواج کے ساتھ روایتی لڑائی میں شامل ہونے سے بچانا دانشمندی ہے۔ سوائے اس کے کہ مسلح افواج کے ارکان کی طرف سے انفرادی طور پر مضبوط اور جرأت مندانہ کارروائیاں کی جاتی رہیں۔

یعنی باقاعدہ افواج کو ان کی روایتی شکلوں میں متحرک کیے بغیر، تاکہ ردعمل کا فوج پر مضبوط اثر نہ ہو جب تک کہ کوئی بڑا، غالب مفاد اور دشمن کو بڑا اتباہ کن دھچکا لگانا مقصود نہ ہو، جو اس کی بنیادوں کو توڑ کر، اس کے ڈھانچے کو ہلا کر رکھ دے اور اسے شکست خوردہ کرنے میں مدد ملے۔ اور مسلمانوں کا خون بہانے کے حوالے سے انتہائی محتاط رہیں تاکہ ہمارے ہاتھ مسلمانوں کے خون سے رنگے ہوئے نہ ہوں، اگرچہ ہم جانتے ہیں کہ آج مسلم ممالک پر جو مصائب آرہے ہیں اور مسلم عوام کو ذلیل و رسواء کیا جارہا ہے اس کی پوری ذمہ داری ان حکومتوں پر عائد ہوتی ہے، لیکن اس بیماری کی جڑ اور ان تمام مصائب و آلام کا اصل سرغنہ قابض امریکی دشمن ہے۔ لہٰذا ہماری کوششیں اس کو مارنے، اس سے لڑنے، اسے تباہ کرنے، اسے شکست دینے، اس کا تعاقب کرنے اور اس کے انتظار میں پڑے رہنے پر مرکوز ہونی چاہئیں جب تک کہ وہ اللہ کے حکم سے شکست نہ کھا جائے۔ اور ان شاء اللہ وہ مرحلہ بھی آئے گا جس میں آپ مسلمان معاملات کو سلجھانے میں اپنا کردار ادا کریں گے تاکہ اللہ کا کلمہ سربلند ہو اور کافروں کا غرور و اقتدار خاک میں مل جائے اور آپ جارحین پر آہنی ہاتھوں سے وار کریں گے، معاملات کو ان کے صحیح مقام پر بحال کریں گے، حقوق ان کے حق داروں کو لوٹائیں گے، اور اپنا حقیقی اسلامی فریضہ سرانجام دیں گے۔"

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

☆☆☆☆☆

بقیہ: فلسطینی صحافی انس الشریف رحمۃ اللہ علیہ کی وصیت

میں اللہ کے سامنے گواہی دیتا ہوں کہ میں اس کے فیصلے پر راضی ہوں، اس سے ملاقات کا یقین رکھتا ہوں، اور مطمئن ہوں کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔

اے اللہ! مجھے شہداء میں شامل فرما، میرے گزشتہ اور آئندہ کے گناہوں کو معاف فرما، اور میرے خون کو میری قوم اور میرے گھر والوں کے لیے آزادی کی راہ کو روشن کرنے والا نور بنادے۔

اگر مجھ سے کوئی غلطی سرزد ہو گئی ہو تو مجھے معاف کر دیں اور میرے لیے رحمت کی دعا کریں کیونکہ میں نے اپنا وعدہ نبھایا ہے، نہ کبھی بدلا ہوں اور نہ ہی خیانت کی ہے۔

غزہ کو کبھی مت بھولیں...... اور مجھے میری مغفرت اور قبولیت کے لیے اپنی صالح دعاؤں میں یاد رکھیں۔

انس جمال الشریف

۶ اپریل ۲۰۲۵ء

یقیناً وقت، ان تمام لوگوں کو جو اسلام کی سربلندی کے لیے مخلصانہ طور پر کام کر رہے ہیں، القاعدہ کا پیغام اور منہج کو قبول کرنے پر مجبور کر دے گا، لیکن ضروری نہیں کہ وہ سب تنظیم القاعدہ میں ضم ہو جائیں یا اس کی شاخوں میں شامل ہو جائیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مجھے یقین ہے کہ القاعدہ کا پیغام اور منہج، ایک مستند قرآنی منہج اور طریقۂ کار ہے جس کی بنیاد قرآن و سنت پر اور اس نقل (یعنی شریعت) پر ہے جو عقل سے موافقت رکھتی ہے۔ یہ ایک ایسا منہج اور طرزِ عمل ہے جو دنیاوی زندگی میں قوموں کے عروج و زوال کے لیے مقرر کردہ کائناتی اصولوں اور اللہ کی سنت کو مدنظر رکھتا ہے۔

استاد ابو اسامہ عبد العزیز الحلاق

نقطۂ نظر

فراستِ مومن

انجینئر زین علی

اللہ نے کائنات کو یوں تو عجائب سے بھر دیا ہے۔ ہر سو اس کی قدرت گری کے جلوے ہیں۔ تاہم اللہ کے تخلیق کردہ ان عجائب میں انسانی عقل کا ایک اپنا ہی مقام ہے۔ کئی نئے عجائب تو اس انسانی عقل نے بنا کر دکھا دیئے ہیں، وہ سائنسی ترقی ہو یا تعمیرات کے عجائب سب کے سب دراصل اللہ کی عطا کی گئی عقل کے کرشمے ہیں۔ ہر دور میں عقل کو انسانی ترقی، تمدن، سیاست اور عسکریت میں خاص دخل رہا ہے۔ تاہم دور حاضر جسے دجال کے خروج کی تیاریوں کا دور بھی مانا جاتا ہے اس حوالے سے ایک الگ ہی مثال قائم کیے ہوئے ہے۔ زمانہ قدیم میں بلکہ ایک ڈیڑھ صدی قبل تک بھی عموماً غنیم پر حملہ کر کے اسے زیر کیا جاتا تھا۔ فریقین میں اپنی اپنی بساط کے مطابق تیاری کرنے پر تصادم ہوتا تھا جو فریق طاقتور ثابت ہوتا تھا اور دوسرے کو میدان کارزار میں پچھاڑ دیتا تھا وہی تسلط جمانے کا حق دار ٹھہرتا تھا۔ گویا سب کچھ آنکھوں کے سامنے ہوتا تھا ہر گروہ کے افراد اپنا پورا پورا زور فاتح بننے پر لگاتے تھے۔ جو غدار ہوتا تھا اسے معلوم ہوتا تھا کہ وہ ضمیر کا سودا کر چکا ہے اور اپنی ملت سے غداری کا مرتکب ہو رہا ہے۔ تاہم عصر حاضر میں ابلیسی قوتوں نے یہ دجل ممکن کر دکھایا ہے کہ ایک انسان پورے اخلاص سے کام کر رہا ہوتا ہے لیکن اسے معلوم نہیں ہوتا کہ اس کی توانائیاں دشمن کے پلڑے کا وزن بڑھا رہی ہیں۔ علامہ اقبال نے ذیل میں درج اشعار میں موجودہ حالات کی کیا عمدہ تصویر کشی کی ہے۔

زمانے کے انداز بدلے گئے نیا راگ ہے ساز بدلے گئے
ہوا اس طرح فاش رازِ فرنگ کہ حیرت میں ہے شیشہ بازِ فرنگ
پرانی سیاست گری خوار ہے زمیں میر و سلطاں سے بیزار ہے
گیا دورِ سرمایہ داری گیا تماشا دکھا کر مداری گیا
گراں خواب چینی سنبھلنے لگے ہمالہ کے چشمے ابلنے لگے
دلِ طورِ سینا و فاراں دو نیم تجلی کا پھر منتظر ہے کلیم
مسلماں ہے توحید میں گرم جوش مگر دل ابھی تک ہے زنار پوش
تمدن، تصوف، شریعت، کلام بتانِ عجم کے پجاری تمام
حقیقت خرافات میں کھو گئی یہ امت روایات میں کھو گئی
لبھاتا ہے دل کو کلامِ خطیب مگر لذتِ شوق سے بے نصیب

مومن کی تو یہ شان ہوتی ہے کہ وہ ایمان کی بصیرت سے آئندہ آنے والے حالات کی بھی پیش بندی کر لیتا ہے کجا یہ کہ ماضی و حال بھی کسی کی عینک کے زاویے سے دیکھے۔ آج دجالی طاقتیں ایسا ماحول پیدا کر چکی ہیں جہاں اہل ایمان انجانے میں اپنا وزن کفر اور شیطان کے پلڑے میں ڈال رہے ہیں۔

امت کا ایک گروہ رسوم کو عبادات سمجھ کر انہی کو کل دین بنائے بیٹھا ہے اور سارا زور دیگر سے ان رسوم کی حقانیت تسلیم کروانے پر صرف کر رکھا ہے۔ کفر کے مظالم اس کی سازشیں اور دین پر حملوں سے یکسر چشم پوشی ہے۔ کئی ایسے ہیں جو اوہام اور شخصیت پرستی کو دین بنا کر مال اور وقت کی پونجی بے دین اور فاسق وفاجر اشخاص پر لٹانے کو دینی خدمت سمجھ بیٹھے ہیں۔ کئی دشمن کے بنائے ہوئے نظاموں میں اپنے لیے خیر کی تلاش میں زندگی وقف کیے بیٹھے ہیں۔ کئی تو ایسے ہیں جو انسانی حقوق کے نام پر بنائے گئے ڈھکوسلوں کو مذہب اور دین کی اصل خدمت سمجھ بیٹھے ہیں۔ ان کے نزدیک نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ حتیٰ کہ جہاد فی سبیل اللہ کی کوئی اہمیت نہیں کیونکہ کائنات کے بدترین ظالم وجابر لوگ ان کو یہ پڑھا چکے ہیں کہ غزہ میں جاری انسانیت سوز مظالم ہوں یا کشمیر و برما کی داستان ظلم، افغانستان میں لاکھوں انسانوں کے قاتل ہوں یا شام کی بیٹیوں پر ظلم کے پہاڑ توڑنے والے، ان سب کے مظالم سے چشم پوشی کر کے خواتین کو بے حیا بنانے کی مہمات اور اللہ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گستاخی کرنے والے مجرموں کی وکالت اصل انسانیت ہے۔ ان کے نزدیک انسانیت فقط یہ ہے کہ لوگوں کو فکر آخرت سے موڑ کر حرص و ہوس کا پجاری بنا دیا جائے۔ لیکن افسوس وہ اس سب کو حق گوئی اور بعض اوقات تو اللہ کے پسندیدہ کام کہتے ہیں۔ کیسی ناقص عقل اور کیسے ناقص افکار ہیں۔

اسی طرح امت کی توانائیاں ایک دوسرے سے لڑنے میں صرف کی جا رہی ہیں۔ فروعی اختلافات کو مقصد زندگی بنا کر طاغوت کے مقابل کھڑے ہونے میں مجرمانہ غفلت کیسی دین داری ہے؟

مذہب وہ واحد چیز نہیں جس میں امت آپس میں باہم دست و گریباں ہے بلکہ کفار کی کھینچی گئی یہ لکیریں جن کا مقید آج کا مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی خیر خواہی اس لیے بھول بیٹھا ہے کیونکہ وہ لکیر کے اس پار موجود ہے۔ وطن پرستی ہی کے بت کا سہارا لے کر جہاں وطنی فوجوں سے شریعت کی خواہش رکھنے والوں پر مظالم کروائے جاتے وہیں، دنیا بھر میں بسنے والے مواخاتِ مدینہ کے وارثین کو الگ کر رکھا ہے، ان میں پھوٹ ڈالی گئی ہے۔ آج کا مسلمان تقویٰ کی بنیاد پر نہیں بلکہ وطنی لکیروں کی بنیاد پر دوسرے مسلمان سے اپنے اخلاص اور محبت کی بنیادیں استوار کرتا ہے۔

آپسی تقسیم کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا جاتا۔ زبان کی بنیاد پر بھی نفرتوں کا بازار گرم ہے۔ وہ قوم جو عربی، عجمی، فارسی، ترک یا خراسانی کی بنیاد پر نہیں بلکہ کلمہ لا الہ الا اللہ کی بنیاد پر کندھے سے کندھا ملا کر بہادری کے جوہر دکھایا کرتی تھی آج بنیان مرصوص کے مفہوم

سے ناآشنا ہو چکی ہے، بلکہ اسے بھی وطنیت کے اسلامی لبادے کے طور پر استعمال کرتی نظر آتی ہے۔

کسی کو یہ فلسفہ تھامنے میں راحت محسوس ہوتی ہے کہ محض انفرادی عبادات کل دین ہیں اور کفر کی حاکمیت کے مقابلے میں اعلائے کلمۃ اللہ کی کوئی حاجت ہی نہیں۔ یہ اس قوم کی فکری پستی کی انتہا ہے جس کے اسلاف نے چار دانگ عالم میں اسلام کا پھریرا لہرایا تھا۔

کیا کھیل کود کو کوئی مسلمان اوڑھنا بچھونا بنا سکتا ہے؟ کیسے ملک کا نام روشن کرنے کے لاحقے نے اسے جائز اور مقصود بنا دیا۔

حتیٰ کہ موسیقی تک کو بطور پیشہ اپنا کر اس پر منعقد مقابلہ جات میں انعام یا کامیابی کو کارنامہ سمجھا جاتا ہے۔

مذہبی جماعتوں کو کیسے کسی ایک دینی حکم کو کل سمجھ کر باقی جمیع احکام سے غفلت کی لوری سنا دی جاتی ہے۔ عالمی سیاست کی بساط پر کفر کیا چالیں چل رہا ہے اس سب سے بے خبر اکثر مذہبی جماعتیں ان کے کارکنان بشمول بعض قائدین ایک دوسرے کو نیچا دکھانے میں اس قدر منہمک نظر آتے ہیں گویا ان سے زیادہ ضروری فریضہ کسی کے ذمہ ہی نہ ہو۔

تعلیمی اداروں میں جتنی تحقیق ہوتی ہے یا سائنسی پیش رفت ہوتی ہے اس تمام کا ریکارڈ ایک مربوط نظام کے تحت اہل مغرب کو بھیجا جاتا ہے۔ ایسا نظام وضع کر دیا گیا ہے اگر ہزاروں سال بھی اس ڈگر پر چلتے رہیں تو اہل مغرب، جو گمراہی کی کمان سنبھالے ہوئے ہیں، ان کے ہی پیچھے چلنا پڑے گا، سائنس یا ٹیکنالوجی میں ان سے سبقت کا موقع ہی موجود نہیں۔

مسلم آبادی والے ممالک کی افواج یا تو وطنی نعروں سے تربیت یافتہ ایسی افواج ہیں جو مذہب کے مفہوم اور اسلام کے مفادات سے یکسر ناآشنا لکیروں کے دفاع کے لیے ہیں یا انہیں یہ ذمہ داری سونپی گئی ہے کہ اللہ کے دین کے لیے اٹھنے والی ہر آواز کو درندگی اور سفاکی سے کچل دیا جائے۔ عوام کو انجان رکھ کر یا اعلانیہ بہر صورت ان حکمرانوں کا غلام رکھا جائے جو خود طاغوتی طاقتوں کے غلام ہوں۔

لیکن ایسے افراد جو ان افواج یا اداروں کا حصہ ہیں وہ اس ساری خدمت کو ہرگز شیطان کی خدمت نہیں سمجھتے بلکہ اسے سرکاری خطیبوں یا واعظین کی تشریحات کے مطابق افضل عبادت گردانتے ہیں۔

ایک بدنصیب گروہ وہ لوگ ہیں جو دین کی خدمت کا جذبہ رکھتے ہیں اور صوم و صلوٰۃ کی بھی پابندی کرتے ہیں۔ لیکن انہیں ہدف کے تعین اور جذبات کو صحیح رخ پر ڈالنے کی سعادت نصیب نہیں ہو رہی بلکہ ان کی توانائیاں بھی کفر ہی کے مفادات کے لیے استعمال کی جا رہی ہیں۔ مثلاً خوارج زمانہ کو ایک ہتھیار کے طور پر دنیا بھر میں کفار استعمال کرتے نظر آتے ہیں۔ ان کے جذبات ان کی آنکھوں پر پٹی کی طرح باندھ دیے جاتے ہیں اور قتل ناحق کی حرمت ان کی آنکھوں سے محو کر دی جاتی ہے۔ وہ ہر مسلمان پر کفر کے فتوے بلا جھجک صادر کرتے ہوئے کفار کو چھوڑ کر مسلمان اور علماء تک کے قتل کے درپے ہیں۔ کچھ نوجوانوں کو ادارے اچک کر ان سے اپنے مخالفین کو دین کے نام پر قتل تک کروا دیتے ہیں اور آخر میں سارا ملبہ دین اور جہاد پر ڈال دیا جاتا ہے۔

ایسے میں امت کی بنیادی ضروریات میں سیاسی شعور شامل ہے تاکہ امت کے مفادات کا شعور عام کیا جا سکے۔ ایک مسلمان کو معلوم ہو کہ اس کا ہدف کیا ہونا چاہیے اور اسے کسی عنوان کے پیچھے بھاگنے کے بجائے ٹھوس حقائق اور علم و کردار کی بنیاد پر راہ کا تعین کرنا چاہیے۔

الحمدللہ دنیا خیر سے خالی نہیں اگر آج بھی کوئی نیت کرے اور اخلاص سے اللہ کے حضور میں راہ ہدایت پر چلنا مانگے تو دنیا بھر میں مجاہدین کا نظم اور مجموعات کفر سے برسرپیکار ہیں۔ وہ ہر چیز پر قادر رب کیسے فاصلے مٹا کر اسے قافلہ حق کا راہرو کر دے گا یہ اس کے تصور میں بھی نہ ہو گا۔

اس وقت تو امریکہ ہی عالمی کفر کا سرغنہ ہے۔ دنیا بھر میں اس کے مفادات ہیں۔ ان مفادات کو سمجھنا اور ان کے خلاف متحرک ہونا سادہ سا لائحہ عمل ہے۔ اسی طرح معاشرے میں خیر کو عام کرنا، بے حیائی کا تدارک اور ہر معاملے میں شریعت کی موافقت اختیار کرنا وہ سچا اور سیدھا راستہ ہے جو سیدھا جنت تک جاتا ہے۔ مایوسی کبھی ایک مومن کے شایان شان نہیں ہو سکتی۔ اگرچہ حالات کٹھن ہیں لیکن یہی تو دہرے اجر کا ذریعہ ہے۔

اللہ کے دین کا نفاذ وہ واضح اور اعلیٰ مقصد ہے جسے نصب العین بنانا بہت سے لغو کاموں سے اور کئی فتنوں سے انسان کو محفوظ بنا دیتا ہے۔ لیکن محض دعوے اور حقیقت کے فرق کو سمجھنا اور ہر آن ہر گھڑی رب کی بارگاہ میں دعاگو رہنا یہی وہ کلیہ ہے جو حق کو سمجھ کر صحیح سمت کے انتخاب میں معاون ہے۔

اللہ امت مسلمہ کی مدد و نصرت فرمائے جادۂ حق کا سفر طے کرنا نصیب فرمائے۔ آمین

☆☆☆☆☆

جدید مذہب بیزار مشینی انسان

”آج کا جدید انسان، سائنسی انسان اور مشینی انسان، مذہب بیزاری کی بدولت روحانی خودکشی کر چکا ہے۔ وہ خود اپنے ہاتھوں جس قدر مظلوم، بے بس، محروم اور بے مقصد بن چکا ہے، تاریخ نے اپنے طویل ترین سفر میں اسے کبھی اتنا مظلوم اور لاچار نہیں دیکھا ہو گا۔“

حضرت مولانا یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

(بحوالہ نقد و نظر)

نقطۂ نظر

اوطان کی جنگیں

غازی عبد الرحمٰن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله وحده والصلوة والسلام على من لا نبي بعده

بخاری شریف کی ایک حدیث میں بیان ہے:

عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ الرَّجُلُ يُقَاتِلُ لِلْمَغْنَمِ وَالرَّجُلُ يُقَاتِلُ لِلذِّكْرِ وَالرَّجُلُ يُقَاتِلُ لِيُرَى مَكَانُهُ فَمَنْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ قَالَ مَنْ قَاتَلَ لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ[1]

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا: "یا رسول اللہ ﷺ کوئی شخص حصول غنیمت کے لئے جہاد کرتا ہے اور کوئی شخص ناموری کی غرض سے جہاد کرتا ہے اور کوئی شخص اپنی بہادری دکھانے کے لئے لڑتا ہے، تو فی سبیل اللہ مجاہد کون ہے؟" فرمایا: "وہ شخص جو محض اس لیے لڑے کہ اللہ کا بول بالا ہو جائے، تو در اصل وہی شخص مجاہد فی سبیل اللہ ہے۔"

سنن ابن ماجہ کی ایک حدیث میں کچھ اس طرح بیان ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَاتَلَ تَحْتَ رَايَةٍ عِمِّيَّةٍ يَدْعُو إِلَى عَصَبِيَّةٍ أَوْ يَغْضَبُ لِعَصَبِيَّةٍ فَقِتْلَتُهُ جَاهِلِيَّةٌ[2]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا: "جو شخص گمراہی کے جھنڈے تلے لڑے، عصبیت کی دعوت دے، اور عصبیت کے سبب غضب ناک ہو، اس کی موت جاہلیت کی موت ہو گی۔"

اللہ ہمیں اس حالت سے بچائے۔

دورِ حاضر میں قومی ریاستوں (Nation States) کو دین و شریعت پر مقدم رکھا جاتا ہے۔ یہ یہود کو دجل و فریب ان کی بنائی ہوئی تنظیم اقوام متحدہ (UN) کے چارٹر کے تحت تمام دنیا پر مسلط ہے۔ کافر اقوام کا تو خیر کیا کہنا، مسلمان ممالک بھی اقوام متحدہ کے غیر شرعی دستور کے ساتھ چلتے ہوئے ہیں، اور اپنی پسند ناپسند اور حق و باطل کے معیار کو اس دستور اور اس کے تعریف کردہ 'قومی مفاد' یا 'وطنی بت' کے زیر اثر رکھتے ہیں۔ امارت اسلامیہ افغانستان کو چھوڑ کر دنیا کے جتنے بھی نام نہاد مسلمان ممالک ہیں، ان میں شریعت کی بجائے غیر اللہ کا نظام رائج ہے ۔ کہیں جمہوریت کے جھنڈے تلے فرنگی نظام رائج ہے، تو کہیں بادشاہت کے نام پر دین اکبری اور کہیں دجل و فریب اور ظاہری ملمع کاری کی خاطر چند ایک شرعی قوانین کو رائے عامہ کی خاطرِ طبع کے لئے شامل کیا گیا ہے۔

ان قومی ریاستوں کے درمیان اکثر ٹکراؤ کی صورت پیدا ہوتی رہتی ہے جن کی بنائے نزع اکثر قومی مفادات کو نقصان پہنچنے کی وجہ سے بنتی ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی مسلمان ملک کی فوج کو اقوام متحدہ کی امن فوج کا لبادہ اوڑھا کر دوسرے مسلمان ممالک پر چڑھا دیا جاتا ہے، تو کبھی محض امریکہ بہادر کے مطالبے پر مسلمان ممالک کی فوج کو دوسرے مسلمان ملک پر حملہ آور کر دیا جاتا ہے۔ ماضی میں یہ دجل و فریب فرنگی سامراج کے جھنڈے تلے ہوتا رہا جب مسلمانوں کو شاہی ہندی فوج کا حصہ بنا کر خلافت عثمانیہ کے خلاف لڑایا گیا۔ حالیہ زمانے میں امارت اسلامیہ پر امریکی حملے میں نیٹو کی چھتری تلے ترک فوج نے شرکت کی اور ایک موقع پر تو ترک فوج بگرام ایئر پورٹ پر امریکی افواج کی حفاظت پر مامور رہی۔ اسی طرح پاکستان اور اس کی فوج امریکی مطالبے پر امارت اسلامیہ افغانستان کے خلاف ہراول دستے (Front Line State) کا کردار ادا کرتی رہی۔ پاکستان اور ترکی دونوں کا یہ بیانیہ تھا کہ یہ ہمارے قومی مفاد میں ہے۔ مطلب یہ کہ قومی مفاد دین و شریعت سے بالاتر ہے۔ اسی طرح ترکی اور متحدہ عرب امارات کی فوجیں صومالیہ، برکینا فاسو، سوڈان اور یمن میں اپنے ہی مسلمان بھائیوں کا قتل عام کر رہی ہیں، صلیبی امریکہ کو خوش کرنے کے لئے، اور بدلے میں نام نہاد مسلمان حکمران امریکہ اور مغرب سے اپنی حکمرانی کی سند حاصل کرتے ہیں اور 'قومی مفاد' کو تحفظ فراہم کرتے ہیں۔ سعودی اور قطری حکمرانوں نے جزیرۃ العرب اور عین حرم شریف میں صلیبی آقاؤں کو فوجی اڈے فراہم کئے، تاکہ ان کی غیر شرعی حکمرانی اور نام نہاد قومی مفاد کو تحفظ حاصل ہو۔

پاکستان اور ہندوستان کے درمیان بھی ماضی اور حال میں ٹکراؤ اور جنگ کی صورتحال پیدا ہوتی رہی تو قوم اور وطنی مفاد کے نام پر خون بہایا جاتا رہا ہے۔ حالانکہ دونوں طرف ایک جیسا فرنگی جمہوری نظام نافذ ہے، فرق صرف یہ ہے کہ ایک طرف کافر اصلی (ہندو) حکمران ہے تو دوسری طرف پاکستان میں نام نہاد مسلمان تخت حکمرانی پر براجمان ہیں۔ سرزمین انبیاء علیہم السلام پر فلسطینی مسلمانوں کو ذبح کیا جا رہا ہے، لیکن عرب حکمران اور خاص کر فلسطین کے قریبی ہمسایہ ممالک مصر و اردن اپنے ملکی مفاد اور یہود بے بہبود کی دلالی کی خاطر اپنے فلسطینی بھائیوں کی مدد سے قاصر ہیں، بلکہ اپنی سرحدیں بھی ان کے لئے بند کر رکھی ہیں تاکہ ان مظلوم اور بے کس مسلمانوں کو سایہ اور پانی بھی نہ مل سکے۔ آہ! فالی اللہ المشتکی

[1] صحيح البخاري

[2] سنن ابن ماجه

ابھی چند سال قبل میانمار کی حکومت اور فوج نے روہنگیا مسلمانوں کو ذبح کر کے ان کا بے دریغ قتل عام کیا اور جب وہ مہاجر بن بن کر بنگلہ دیش کے دروازے پر آئے تو ان بے دست وپا مہاجرین کی اکثریت کو یا تو واپس دھکیل دیا گیا یا شریعت بے زاری اور قومی مفاد کی بنا پر نہایت حقارت کے ساتھ مہاجر کیمپوں میں ٹھونس دیا گیا۔ اسی طرح یہ سب حکمران ایک ہی جھنڈے تلے جمع ہوئے ہیں اور وہ ہے جاہلیت اور عصبیت کا جھنڈا۔

ہم پوچھنا چاہتے ہیں کہ ترکی کی فوج کس شریعت کی روسے صومالیہ، شام اور امارت اسلامیہ افغانستان کے خلاف میدان میں اتری؟ اسی طرح متحدہ عرب امارات کس جھنڈے کو لے کر یمن، سوڈان اور صومالیہ کے مسلمانوں سے لڑتی ہے؟ یہ سوال بھی بنتا ہے کہ ماضی میں مغربی پاکستان کی فوج کس جھنڈے کے تحت بنگال کے مسلمانوں سے لڑی تھی اور ان کے بچوں کو قتل اور عزب آب بہنوں کو بے آبرو کیا تھا؟ اب موجودہ دور میں یہ فوج کس جھنڈے کے تحت بھارت سے لڑی؟ نظام کی بات کی جائے تو شریعت تو دونوں جانب معطل ہے اور ایک ہی طاغوتی نظام دونوں ممالک میں رائج ہے۔ باقی رہ جاتا ہے صرف قومی مفاد، تو پھر کیا قومی مفاد کا نعرہ جاہلیت اور عصبیت کا نعرہ نہیں؟ کیا صرف پاکستانیت اور ہندوستانیت کے لئے دونوں اطراف کے مسلمان غضبناک نہیں ہوتے؟ اور کیا اسی بنیاد پر ایک دوسرے کا خون بہانے پر نہیں اتر آتے؟ اور کیا دونوں کے مقتول مسلمان فوجی اس حدیث کا مصداق نہیں بنتے کہ ’فقتلته جاهلية‘ یعنی ان کی موت جاہلیت کی موت ہے؟

اسی بناء پر یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ اوطان (وطنوں) کی یہ جنگیں افتان (فتنوں) کی جنگیں ہیں۔ مسلمان ان میں کود کر اپنی عاقبت خراب نہ کریں، ان افواج میں بھرتی ہونا چھوڑ دیں، ان کی پولیس اور خفیہ اداروں کی نوکریوں سے دست بردار ہو جائیں۔ قومی ریاستوں (Nation States) کی کوئی بھی خدمت فتنے میں پڑنے اور جاہلیت کی آگ میں کودنے کے مترادف ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

> وعن أبي موسى عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال إن بين يدي الساعة فتنا كقطع الليل المظلم يصبح الرجل مؤمنا ويمسي كافرا ويمسي مؤمنا ويصبح كافرا القاعد خير من القائم والماشي خير من الساعي فكسروا فيها قسيكم وقطعوا فيها أوتاركم واضربوا سيوفكم بالحجارة فإن دخل على أحد منكم فليكن كخير ابني آدم.[۳]

> حضرت ابو موسیٰ (رضی اللہ عنہ) نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے نقل کرتے ہیں کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا۔ قیامت آنے سے پہلے فتنے ظاہر ہوں گے جو اندھیری رات کے ٹکڑوں کی مانند ہوں گے۔ ان فتنوں کے زمانے میں آدمی صبح کو ایمان کی حالت میں اٹھے گا اور شام کو کافر ہو جائے گا۔ شام کو مومن ہو گا تو صبح کو کفر کی حالت میں اٹھے گا۔ ان فتنوں کے وقت بیٹھ ہوا کھڑے ہونے والے سے بہتر ہو گا اور چلنے والا شخص دوڑنے والے سے بہتر ہو گا بس جب تم ان فتنوں کا زمانہ پاؤ تو اپنی کمانوں کو توڑ ڈالنا، کمانوں کے چلوں کو کاٹ ڈالنا اور اپنی تلواروں کو پتھر پر دے مارنا (یعنی ان کے دھار کو کند و بیکار کر دینا اور جب تم میں سے کوئی شخص کسی کو مارنے کے لیے آئے تو اس کو چاہیے کہ وہ حملہ آور کا مقابلہ کرنے اور اس سے لڑنے کی بجائے آدم کے دو بیٹوں میں سے بہترین بیٹے کی مانند ہو جائے۔

مطلب یہ ہے کہ ان جنگوں سے لاتعلقی میں ہی ایمان وعاقبت کا فائدہ ہے۔ موجودہ دور میں اوطان (Nation States) کی جنگوں پر یہ حدیث کس قدر صادق آتی ہے جو صرف قومی مفاد (National Interest) کے لیے لڑی جاتی ہیں۔ اور یہ عمل شریعت کی روسے قطعاً حرام ہے۔

اللہ ہمیں درست منہج پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور فتنوں اور جاہلیت کے نعروں سے اپنی امان میں رکھے۔ آمین

☆☆☆☆☆

رافضی خطرے کی حقیقت

”میں نے کچھ لوگوں میں یہ رجحان محسوس کیا ہے کہ وہ رافضی خطرے کو بہت بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں۔ بے شک، واللہ، یہ ایک بڑا خطرہ ہے، لیکن مجھے لگتا ہے کہ کچھ لوگ اس خطرے کی شدت اور اس کی ترجیح کے بیان میں مبالغہ سے کام لیتے ہیں۔

میری رائے میں، اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے، اسلامی جہادی تحریک پر لازم ہے کہ وہ ثابت قدم رہے، اپنی خود مختاری اور پاکیزگی کو برقرار رکھے، اور جتنا بھی اسے دھکیلا اور مجبور کیا جائے، وہ (جہادی تحریک) پوری کوشش کرے کہ رافضی اور صلیبی صہیونی اتحاد دونوں میں سے کسی کی طرف دار نہ بنے، بالخصوص اس دشمن کی طرف دار جو زیادہ بڑا اور طاقتور دشمن ہے یعنی صلیبی امریکہ اور اس کے اتحادی۔“

شیخ عطیۃ اللہ رحمۃ اللہ علیہ

(الاعمال الكاملة للشيخ عطية الله)

---

[۳] سنن ابو داود

مُجاہد جہاد کیوں چھوڑ جاتا ہے؟

تالیف: أبو البراء الإبّي

وجہ نمبر: پینتیس (35)

یہ تحریر تنظیم قاعدۃ الجہاد فی جزیرۃ العرب سے وابستہ یمن کے ایک مجاہد لکھاری ابو البراء الإبی کی تالیف 'تبصرة الساجد في أسباب انتكاسة المجاهد' کا ترجمہ ہے۔ انہوں نے ایسے افراد کو دیکھا جو کل تو مجاہدین کی صفوں میں کھڑے تھے، لیکن آج ان صفوں میں نظر نہیں آتے۔ جب انہیں تلاش کیا تو دیکھا کہ وہ دنیا کے دیگر دھندوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ایسا کیوں ہوا؟ اور اس سے کیسے بچا جا سکتا ہے؟ یہ تحریر ان سوالوں کا جواب ہے۔ (ادارہ)

پینتیسواں سبب: علماء کی تنقیص

حضرت عبادہ بن صامت رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

ليس من أمتي من لم يجل كبيرنا ويرحم صغيرنا ويعرف لعالمنا حقه

”وہ شخص میری امت میں سے نہیں ہے جو ہمارے بڑوں کا احترام نہ کرے، ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے عالم کا حق نہ پہنچانے۔“[1]

ہمارے اہل علم سلف نے بھی علماء کو گالی دینے اور ان کی عزت پامال کرنے سے خبردار کیا ہے۔ امام احمد بن اذرعی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے:

”اہل علم کی عیب جوئی، خصوصاً اکابر اہل علم کی، کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔“

حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ایسے شخص کو جس نے علماء کے خلاف بولنے کی جرأت کی کہا:

”ہم تمہارا اس وقت تک احترام کریں گے جب تک تم ائمہ کا احترام کرتے رہو۔“

سلف صالحین میں علماء کی تعظیم و توقیر کی مثالیں

حضرت شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: حضرت ابن عباسؓ نے حضرت زید بن ثابتؓ (کی سواری) کا رکاب[2] پکڑا اور فرمایا:

”علماء کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کرنا چاہیے۔“

حضرت ثوری رحمۃ اللہ علیہ حضرت مغیرہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ:

”ہمیں ابراہیم (یعنی حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ) سے ایسی ہیبت رہتی جیسے کسی حکمران سے ہوتی ہے۔“

اسی طرح امام مالک کے ساتھیوں کا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ معاملہ تھا۔

اسی کو شاعر بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

”جب وہ جواب نہ دیں تو ان کی ہیبت کے سبب پوچھنے والوں کو دوبارہ پوچھنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ ان کے سامنے سوالی اپنے چہرے نیچے کر لیتے ہیں۔ یہ وقار کا ادب اور سلطانِ تقویٰ کی عزت ہے۔ گویا وہی حکمران ہے اگرچہ صاحب اقتدار نہیں۔“

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد حضرت ربیع مرادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”واللہ، امام شافعی کے دیکھتے ہوئے ان کی ہیبت سے مجھے پانی پینے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔“

اور حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ امام شافعی کو رخصت کرتے ہوئے ان کا رکاب پکڑ کر خود پیدل چل دیے۔

مشہور امام ابو داود رحمۃ اللہ علیہ صاحب سنن فرماتے ہیں:

”میں نے کبھی کسی کو لعنت نہیں دی۔ ماسوائے جسے میں سنتا کہ وہ امام مالک کی تنقیص کرتا ہے۔“

نیز امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی تنقیص کرنے والے سے قطع تعلق کا حکم دیا تھا۔

---

[1] بروایت احمد۔ شیخ البانی نے حسن قرار دیا

[2] رکاب: زین میں لگے ہوئے لوہے کے اس حلقے کو کہتے جس میں پیر رکھا جاتا ہے۔ نیز سواری والے اونٹ کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ رکاب پکڑنے سے مراد کسی سوار کی سواری کو پکڑ کر خود اس کے ہمراہ پیدل چلنا ہے۔ یعنی سوار کی عظمت اور توقیر ہے۔

علماء کی عزت کو پامال کرنا اور انہیں اذیت دینا در حقیقت شعائر اللہ کی تعظیم سے روگردانی اور خود ان شعائر کی تنقیص ہے۔

بعض علماء نے کیا خوب بیان کیا کہ:

”علماء کی عزت سے جہنم کا ایک گڑھا ڈھانپ دیا گیا ہے۔“[3]

امت کے ان روشن میناروں کو ایذا دینا کتنا خطرناک ہو سکتا ہے؟ اس کے لیے یہ حدیث قدسی ہی کافی ہے جسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا:

من عادى لي وليا فقد آذنته بالحرب

”جو میرے دوست سے دشمنی کرے گا تو اس کے خلاف میرا اعلان جنگ ہے۔“

امام ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”میرے بھائی، اللہ مجھے اور تجھے اپنی رضا جوئی کی توفیق عطا کرے، اور ان میں سے بنائیں جو اللہ کا ایسا تقویٰ اختیار کرتے ہیں جیسے کے تقویٰ اختیار کرنے کا حق ہے۔ خوب جان لو، علماء کا گوشت زہریلا ہے۔ یہ معلوم بات ہے کہ جس نے بھی ان کی تنقیص کی تو اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ اسی کا پردہ چاک کیا۔ جو شخص علماء کے بارے میں زبان درازی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا دل مرنے سے پہلے مردہ کر دیتا ہے۔“

پھر آیت نقل کرتے ہیں:

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○

”جو لوگ ان کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں ان کو ڈرنا چاہیئے کہ (ایسا نہ ہو کہ) ان پر کوئی آفت پڑ جائے یا تکلیف دینے والا عذاب نازل ہو۔“

عالم باعمل مجاہد امام حضرت عبد اللہ بن المبارک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

”جس نے علماء کا استہزا کیا اس کی آخرت برباد ہوئی۔“

شیخ علوان، اللہ انہیں رہائی نصیب کرے، فرماتے ہیں:

”کسی مسلمان کی ہتکِ عزت کرنا اور اس کے ساتھ زیادتی کرنا اللہ، رسول اور مومنوں کے نزدیک انتہائی خطرناک بات ہے۔ یہ کبیرہ گناہوں اور منافقوں کی مشابہت میں سے ہے۔ تو اہل علم پر اپنی زبانوں اور تحریروں سے چوٹ لگانا، ان کی قدر و منزلت کو بے جا شکوک و شبہات سے کم کرنے کی کوشش کرنا، ان کی نیتوں اور ارادوں تک کو نہ بخشنا، ان سے لوگوں کو دور کرنا اور ان کے حقوق کی ناقدری کرنا اس سے بھی بڑھ کر ہے۔“

شیخ بکر ابو زید اپنی کتاب (تصنیف الناس) میں لکھتے ہیں:

”ملت اسلامیہ اس پر متفق ہے کہ کسی ایک صحابی پر طعن کرنا صریح زندقہ ہے۔“

امام ابو زرعہ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی بھی صحابی کی تنقیص کر رہا ہے تو جان لو کہ وہ زندیق ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حق ہیں، قرآن حق ہے، اور جو ہدایت آپ لائیں ہیں وہ حق ہے۔ اور یہ سب کچھ صحابہ نے ہم تک پہنچایا ہے۔ اب یہ لوگ چاہتے ہیں کہ ہمارے گواہوں پر جرح کریں تاکہ قرآن و سنت کی حجیت ختم ہو جائے۔ الٹا خود ایسے لوگوں پر جرح کی جانی چاہیے کیونکہ وہ زنادقہ ہیں۔“[4]

امام دورقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

”جسے سنو کہ وہ امام احمد بن حنبل کو برے الفاظ سے یاد کر رہا ہے تو خود اس کے دین کے بارے میں سوال اٹھاؤ۔“

یہ مقولہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں فرمایا تھا۔ اور یہی حضرت ابو زرعہ اور حضرت عکرمہ رحمھم اللہ کے بارے میں بھی کہا گیا۔

حضرت سفیان بن وکیع فرماتے ہیں:

”امام احمد ہمارے لیے آزمانے کا معیار بن گئے۔ جو ان کی عیب جوئی کرے وہ ہمارے ہاں فاسق ہے۔“

---

[3] یعنی جو ان کی عزت پامال کرے گا خود گڑھے میں گر جائے گا۔

[4] امام ابو زرعہ کا یہ قول امام ابن العربی المالکی نے اپنی کتاب العواصم من القواصم میں بھی نقل کیا ہے۔

أخبرنا أبو منصور محمد بن عيسي الهمذاني، حدثنا صالح بن أحمد الحافظ قال: سمعت أبا جعفر أحمد بن عبدل يقول: سمعت أحمد بن محمد بن سليمان التستري يقول: سمعت أبا زرعة يقول: (إذا رأيت الرجل ينتقص أحدا من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فاعلم أنه زنديق، لأن الرسول صلى الله عليه وسلم عندنا حق، والقرآن حق، وإنما أدى إلينا هذا القرآن والسنن أصحاب رسول الله، وإنما يريدون أن يجرحوا شهودنا ليبطلوا الكتاب والسنة، والجرح بهم أولى، وهم زنادقة

العواصم من القواصم (ص: ٣٤)

چنانچہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہ شعر کہے گئے:

”ابن حنبل آزمانے کا محفوظ معیار بن گئے۔ ان کی محبت سے دیندار کا پتہ چلتا ہے۔ اور جسے ان کی تنقیص کرتا ہوا پاؤ تو جان لو کہ خود اس کے پردے چاق ہونے والے ہیں۔“

اہل سنت کی محبت سے آزمایا جاتا ہے۔ پس ان کی محبت سے سنت کے پیروکار اور ان کے بغض سے اہل بدعت واضح معلوم ہو جاتے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام نے علماء کی منزلت اونچی رکھی ہے اور انہیں عزت دی ہے۔ اور حکم دیا ہے کہ ان کا احترام اور قدر دانی کی جائے۔ ان کا مرتبہ بھی بلند کیا ہے اور انہیں ہیبت بھی عطا کی ہے۔ یہ تمام فضیلت و منزلت اس کے لیے بھی ہے جو ان کے مشن کو اپنائے۔ ان کا مشن آسمانی شریعت کی تبلیغ اور اس کے نفاذ کا مطالبہ ہے۔ اس شریعت کو چھپانے اور تبدیل و تحریف سے بچانا ہے۔ باہر سے جو اس شریعت میں گھس آئے اسے نکالنا ہے۔ ہر اجنبی فکر اور من گھڑت فیصلے سے شریعت کو پاک رکھنے کی کوشش میں رہنا ہے۔

لیکن ان کے لیے جو احترام واجب ہے اس کا یہ مطلب قطعاً نہیں ہے کہ انہیں مقدس ٹھہرا دیا جائے۔ اور انہیں کھلی چھٹی دی جائے کہ وہ جو چاہیں کہیں اور جو چاہیں کریں۔

بلکہ وہ تو دوسروں کے مقابلے میں بہ طریق اولیٰ شریعت کے دائروں کے پابند ہیں۔ اگر وہ شریعت کی حدیں پھلانگیں، اس کی خدو خال سے چھیڑ چھاڑ کریں، اس کی زیب و زینت کو پامال کریں، تو وہ ان کی حیثیت آقا سے بدکے ہوئے غلام کی ہو گی۔ علماء تو ایسے لوگ ہوتے ہیں جو حق کو پہچانے، نہ یہ کہ حق ان سے پہچانا جائے۔

امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا:

”حق لوگوں سے نہیں پہچانا جاتا۔ بلکہ حق کو پہچانو تو اہل حق معلوم ہو جائیں گے۔“

علامہ جمال الدین قاسمی رحمۃ اللہ علیہ [ف: ۱۳۳۲ھ] نے فرمایا:

”ارسطو کا جب اس کے اپنے استاد افلاطون سے اختلاف ہوا تو اس نے کیا خوب کہا کہ: حق اور افلاطون آپس میں جھگڑے۔ حالانکہ دونوں میرے دوست ہیں۔ البتہ حق افلاطون سے زیادہ سچا ہے۔“

حضرت ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”جو علماء کو ہلکا جانے اس کی آخرت برباد ہوئی۔ اور جو حکمرانوں کو ہلکا جانے اس کی دنیا برباد ہوئی۔ اور جو اپنے بھائیوں کو ہلکا جانے اس کی مروت ختم ہو جاتی ہے۔“

☆☆☆☆☆

بقیہ: نئے ساتھیوں کے لیے ہجرت و جہاد کی تیاری

- امرائے جہاد خصوصاً شہید مولانا عاصم عمرؒ اور استاد احمد فاروقؒ کی آڈیو ویڈیو تقاریر و دروس کو توجہ سے سنیں اور ان کو خوب ذہن نشین کریں۔
- ہجرت کے بارے میں رازداری کا خیال رکھیں۔ اپنے ارادے سے اپنے قریبی رشتہ داروں اور دوستوں کو بے خبر رکھیں تاکہ امنیت برقرار رہے اور دعوتی یا دیگر ضروریات کے لیے اگر ارضِ جہاد سے واپس آنا پڑے تو کوئی خطرہ نہ ہو۔

الغرض ہر قسم کے حالات میں زندہ رہنے کا ہنر سیکھیں جیسے تیراکی، سخت پہاڑوں میں کیمپنگ، سخت پہاڑوں پر چڑھنا، سخت ترین بارشوں میں بغیر چھت کے رہنا وغیرہ۔

کوئی بھی تکنیکی علم یا مہارت سیکھیں مثلاً بنیادی طبی امداد، اپنا لباس اور جوتے خود مرمت کرنا اور گاڑی اور موٹر سائیکل وغیرہ میں پنکچر لگانا اور بنیادی مرمت کرنا۔ اسی طرح مختلف قسم کے ہتھیاروں سے واقفیت اور ان کا استعمال۔

آخر میں شہید استاد احمد فاروقؒ کے درس ”جہاد کی قبولیت کی شرائط“ کے آغاز میں بیان ہونے والی حدیثِ مبارکہ کا متن اور ترجمہ ہدیہ قارئین کرکے اجازت چاہتا ہوں۔

الغزوُغزوانِ فأمَّا من ابتَغى وجهَ اللَّهِ وأطاعَ الإمامَ وأنفقَ الكريمةَ، وياسَرَ الشَّريكَ، واجتنبَ الفسادَ، فإنَّ نومَهُ ونبهَهُ أجرٌ كلُّهُ وأمَّا من غزا فَخرًا ورياءً وسُمعةً، وعصى الإمامَ، وأفسدَ في الأرضِ، فإنَّهُ لم يرجِع بالكفافِ(صحيح الجامع)

”جنگ دو طرح کے ہے یا جہاد کرنے والے دو طرح کے ہیں۔ تو ایک وہ جہاد کرنے والا ہے جو اللہ کے ہاں مقبول ہوتا ہے کہ اس کی پہلی صفت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور بس اللہ تعالیٰ کے لیے جہاد کرے (اس کی نیت خالص ہوتی ہے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے لئے)، دوسری صفت یہ ہے کہ امیر کی اطاعت کرے، تیسری صفت یہ ہے کہ وہ اپنا بہترین مال اللہ کے راستے میں خرچ کرے، چوتھی صفت یہ ہے کہ اپنے ساتھیوں کے لیے راحت اور آسانی کا باعث بنے اور پانچویں صفت یہ ہے کہ زمین میں فساد سے اجتناب کرے۔ تو جس نے جہاد کی یہ پانچوں شرطیں پوری کیں تو اس کا سونا اور جاگنا سب اجر ہے۔ اور جو فخر کے لئے، ریاکاری کے لیے اور لوگوں کے اندر اپنے چرچے کے لیے جہاد کرے، امیر کی نافرمانی کرے اور زمین کے اندر فساد مچائے تو وہ ہر گز نیکیوں کا وہ سرمایہ بھی واپس لے کر نہیں لوٹے گا جن نیکیوں کو ساتھ لے کر وہ میدانِ جہاد میں حاضر ہوا تھا۔“

اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ مجھے اور تمام انصار و مجاہدین کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ جزاکم اللہ خیراً کثیراً

☆☆☆☆☆

سورۃ الانفال

خواطر، نصائح اور تفسیر

شہید عالمِ ربّانی استاد احمد فاروق رحمۃ اللہ علیہ

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد الانبياء والمرسلين محمد و على آله و صحبه و ذريته اجمعين اما بعد

فقد قال الله سبحانه وتعالى في كتابه المجيد بعد أعوذ بالله من الشيطان الرجيم، بسم الله الرحمان الرحيم

﴿وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُم مِّن شَيْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ إِن كُنتُمْ آمَنتُم بِاللَّهِ وَمَا أَنزَلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝﴾ (سورۃ الانفال: ۴۱)

صدق الله مولانا العظيم

رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ‎﴿وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي ‎﴿وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّن لِّسَانِي يَفْقَهُوا قَوْلِي

اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

وَاعْلَمُوا اور جان لو! أَنَّمَا غَنِمْتُم مِّن شَيْءٍ کہ تم جو کچھ بھی تھوڑا بھی غنیمت کرتے ہو، فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ تو اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لیے ہے، وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے اور قرابت داروں اور یتامیٰ اور مساکین اور مسافر کے لیے ہے، إِن كُنتُمْ آمَنتُم بِاللَّهِ اگر تم اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو، وَمَا أَنزَلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ اور اس پر ایمان رکھتے ہو جو ہم نے اپنے بندے پر اتارا، یوم فرقان یعنی بدر کے دن، يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ اس دن جب دونوں لشکروں کا آپس میں ٹکراؤ ہوا، وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والے ہیں۔

وہ بات جو سورۂ انفال کے آغاز میں شروع ہوئی، يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَنفَالِ کہہ کر کہ یہ آپ سے انفال کے بارے میں یعنی غنائم کے بارے میں سوال کرتے ہیں، اس بات کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ یہاں اس آیت مبارکہ میں مکمل فرماتے ہیں اور غنائم کے حوالے سے مختصر احکام بیان فرماتے ہیں۔ وہاں اصولی بات کہہ دی، قُلِ الْأَنفَالُ لِلَّهِ وَالرَّسُولِ کہہ دو کہ انفال یا غنائم اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہیں، یعنی غنیمت کے مال کے بارے میں فیصلہ اللہ اور اس کے رسول کا ہو گا۔ ہم نے پہلے ذکر کیا کہ بدر پہلی بڑی جنگ ہے مسلمانوں اور کفار کے درمیان اور پہلا موقع ہے جہاں غنیمت کا سوال پیش آیا اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے وہ سوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھا اور اس پس منظر کے ساتھ یہ آیات مبارکہ نازل ہوئیں۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ أَنَّمَا غَنِمْتُم جو تم نے غنیمت کیا۔

غنیمت کس کو کہتے ہیں؟

غنیمت اس مال کو کہتے ہیں جو کفار سے بزور قوت، قَهْراً وعُنْوَةً، زور سے قوت سے چھینا جائے یا بعض علماء اس پر اضافہ کرتے ہیں کہ جو ان کی زمین کو گھوڑوں سے پامال کر کے ان سے چھینا جائے یعنی وہ علاقہ جس کے اندر گھس کر ہم قوت کے زور سے اسے فتح کریں اور وہاں کفار سے بزور قوت جو مال حاصل کریں اسے غنیمت کہا جاتا ہے۔ بعض علما ایک قید کا مزید اضافہ کرتے ہیں بات کی وضاحت کے لیے کہ بِحَقٍّ، یعنی وہ مال جو حق کے ساتھ بزور قوت کفار سے چھینا جائے؛ پس اس سے وہ مال خارج ہے جو کسی ذمی یا کسی معاہد سے ناحق کوئی شخص بزور قوت چھین لے، وہ قابل گرفت عمل ہے، اس کا ذکر نہیں ہو رہا، یہ حربی کفار سے حق کے ساتھ جو مال بزور قوت چھینا جائے، قليلاً كان او كثيراً، تھوڑا ہو یا زیادہ ہو، مال غنیمت کہلاتا ہے۔ ہر مجاہد کو غنیمت کی یہ بنیادی تعریف معلوم ہونی چاہیے۔

مالِ فے

اسی طرح دوسرا عنوان فے کا مال ہے۔ یہ وہ مال ہے جو کفار سے چھینا جاتا ہے لیکن ان کی زمین کو اپنے گھوڑوں سے پامال کیے بغیر۔

مالِ سَلَب

غنیمت اور فے کے علاوہ ایک تیسری اصطلاح اس پس منظر میں سلب کی آتی ہے، وہ مال کہ جو حدیث میں آتا ہے کہ

مَنْ قَتَلَ قَتِيلًا لَهُ عَلَيْهِ بَيِّنَةٌ فَلَهُ سَلَبُهُ

”جس نے کسی (کافر) کو قتل کیا، اور اس کے پاس اس کا ثبوت ہے تو اس کا سلب یعنی اس (مقتول کافر) کا مال اسی (قتل کرنے والے مجاہد) کے لیے ہے۔“

آگے اس میں تفصیل ہے۔ سلب کہتے ہیں کافر کے جسم پر موجود اس مال کو جسے (اس کافر کو) قتل کرنے والا مجاہد اس سے چھینتا ہے۔ مثلاً اس کے جسم پر موجود کپڑے، اس کا اسلحہ، اس کے پاس موجود اموال وغیرہ۔ مجاہدین کی طرف سے جو قاتل ہے، وہ جو کچھ چھین رہا ہے قتل کیے جانے والے سے وہ سلب کہلاتا ہے۔

اس میں تفصیل یہ ہے کہ احناف کے نزدیک یہ مسئلہ اس طرح ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ایک عمومی فرمان نہیں تھا بلکہ یہ کہ امام اگر کسی مخصوص جنگ سے پہلے یہ کہہ دے کہ اس جنگ کے اندر جس نے جس کو قتل کیا اس کا مال اس کا ہو گا تو وہاں تو یہ حکم منطبق ہو گا لیکن اگر یہ نہ کہا جائے تو یہ کوئی عمومی حکم نہیں ہے کہ ہر حال میں جو جس کو قتل کرتا ہے مال اس کا ہوتا ہے، بلکہ عام حالات میں وہ غنیمت ہی کا مال ہے، لوٹایا جائے گا اور تقسیم ہو گا۔ لیکن امام کو حق ہے کہ کسی جگہ وہ تحریض دینے کے لیے یہ عمومی اعلان کر دے کہ

اس جنگ کے اندر جس نے جس کو قتل کیا تو مقتول کا مال اس مجاہد کا ہو جائے گا تو اس طرح جو مال وہ حاصل کرے گا اس کو سلب کہتے ہیں جو قاتل کو ملتا ہے۔ اور بعض علمائے احناف کے یہاں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ بھی ممکن ہے کہ بالاصل اعلان نہ ہو لیکن جنگ کے بعد انعام کے طور پر تحفے کے طور پر امام اعلان کر دے کہ آج جس جس نے جس کو قتل کیا تھا تو مقتول کا مال اس کا ہو گیا تو یہ سلب کہلاتا ہے۔

تو یہ تین اصطلاحیں پیارے بھائیو ذہن میں رہنی چاہییں: غنیمت، فے اور سلب کی اصطلاح۔ یہ وہ اصطلاحیں ہیں جو امت بھول چکی ہے۔ جو کل تک امت کے معاش کا ایک اساسی ذریعہ ہوتا تھا، اور جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اس امت کے عام مسلمان تک کو غنی کیا، وہ اصطلاحیں ہمارے یہاں سے مٹ چکی ہیں بلکہ ایک بڑا طبقہ ان کا ذکر کرنے میں بھی شرم محسوس کرتا ہے۔

یہاں ہم غنیمت کے حوالے سے احکام پڑھ رہے ہیں، باقی چیزوں کے احکام ان کی جگہوں پر آتے ہیں۔ اللہ فرماتے ہیں کہ جان لو کہ جو کچھ بھی تم نے غنیمت کیا، مِّن شَيْءٍ تھوڑا بھی ہوا۔ حدیث میں غنیمت کے مال کو چھپانے یا اس میں خیانت اور غلول کرنے کے حوالے سے بہت سخت وعیدیں آتی ہیں اور وہ حدیث معروف ہی ہے اس شخص کے بارے میں جو صحابہ کے ساتھ کسی جنگ میں شریک ہوتا ہے اور مارا جاتا ہے اور اس کے بارے میں صحابہ کہتے ہیں کہ وہ شہید ہو گیا، وہ جنتی ہوا تو نبی کریم ﷺ ٹوکتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ وہ رومال جو اس نے غنیمت کے مال میں سے ناحق لیا تھا، میں اس کو اس کے جسم کے گرد آگ کا رومال بن کر لپٹا ہوا دیکھ رہا ہوں۔ غنیمت کے مال سے چھوٹی سی چیز چھپا لینا بھی اجر ضائع کرنے اور جہاد میں جو کچھ بھی کمایا ہے اسے گنوا دینے والی چیز ہے۔ اسی لیے دوسری جگہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ أَدُّوا الْخَيْطَ وَالْمِخْيَطَ، سوئی دھاگہ بھی ہو تو وہ بھی ادا کر دو وہ بھی جمع کرا دو۔ کوئی چھوٹی سی چھوٹی چیز بھی ملے تو وہ بھی انسان امیر لشکر کے سامنے لا کر رکھے پھر وہ شرعی تقسیم کے مطابق اس کو تقسیم کرے اور جس کا جو حق بنتا ہے۔ جو شریک ہے اس کو ویسے بھی اس کا حصہ ملنا ہے، لیکن قبل از تقسیم ناحق کوئی چیز چھپا لینا اور اسے امیر لشکر کے سامنے پیش نہ کرنا بہت بڑی خیانت ہے اور اس پہ بہت سی وعیدیں موجود ہیں۔

وہ مراحل کوئی بہت دور نہیں ہیں، ابھی بھی پیش آ جاتے ہیں ایسے معرکے کہ جہاں غنیمت ملتی ہے لیکن ان شاء اللہ وہ وقت بھی زیادہ دور نہیں جب اس سے زیادہ بڑے غنائم کے مرحلے آئیں گے اور ہر مجاہد کے ہاتھ کچھ نہ کچھ غنیمت لگے گی ان شاء اللہ۔ تو ان سارے مراحل کے لیے یہ احکام ذہن میں رہنے چاہییں۔

غنیمت: نعمت یا ابتلا

غنائم نعمت بھی ہیں اور ابتلا بھی۔ جب یوں دروازے چوپٹ کھلتے ہیں، شہروں کے شہر اور ولایتوں کی ولایتیں فتح ہوتی ہیں تو پھر غنائم بھی اسی حساب سے بڑے بڑے آتے ہیں، تو وہاں اپنی توجہ اللہ کی طرف مرکوز رکھنا اور اللہ کی کھینچی ہوئی حدود پر اپنے آپ کو روک دینا، ابتلا اور آزمائش ہوتی ہے۔ اسی لیے ساتھ ہی فرمادیا گیا کہ جان لو کہ جو بھی تم نے غنیمت کیا، چاہے تھوڑا بھی کیا تو فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لیے ہے۔

اللہ کے حصے سے کیا مراد ہے؟

یہاں جمہور علما کرام کی رائے یہ ہے کہ اللہ کے حصے سے مراد یہ نہیں کہ باضابطہ اللہ کا کوئی حصہ ہے، اللہ غنی ہیں۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ جو سب تقسیم بیان ہونے چلی ہے اس سے پہلے یہ تسلیم کرو کہ بالاصل یہ اللہ کا حصہ ہے، اللہ کا مال ہے، اللہ کی نعمت ہے، اللہ کی عطا ہے اس کا دیا ہوا تحفہ ہے۔ تو علما یہ کہتے ہیں کہ یا تبرکاً یہاں اللہ کا نام ذکر کیا ہے یا پھر اسی نکتے کی یاددہانی مقصود ہے جو سورت کے آغاز میں یاد دلایا گیا تھا کہ یہ اصل میں اللہ کا مال ہے اور اس نے تمہیں عنایتاً دیا ہے، ورنہ تو تم اللہ کے دین کی سربلندی اور جنت وشہادت پانے کے لیے نکلے تھے۔ تو پہلی بات یہ مانو کہ یہ سب اللہ کا ہے۔ اس کے بعد پھر تقسیم بتائی جاتی ہے کہ اس کو عملاً کیسے تقسیم کرنا ہے، ورنہ اللہ کے حصے سے بیشتر علما کے نزدیک کوئی مخصوص حصہ مراد نہیں ہے۔

وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ، حصے یہ ہیں۔ جب غنیمت کا مال آتا ہے تو اسے پانچ حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ یا یہ کہیں کہ پانچ میں سے چار حصے ایک طرف اور پانچواں حصہ علیحدہ کر دیا جاتا ہے۔ پھر یہ جو پانچواں حصہ ہے اس کے پانچ مصارف ہیں:

۱. رسول اللہ ﷺ کا حصہ
۲. رسول اللہ ﷺ کے قرابت داروں کا حصہ
۳. یتیموں کا حصہ
۴. مساکین کا حصہ
۵. اور مسافر کا حصہ

اس پانچویں حصے کے یہ پانچ مصارف ہیں یا یہ کہیں کہ وہ پانچواں حصہ ان پانچ سمتوں میں خرچ ہونا ہے۔ اور جو باقی چار حصے ہیں وہ معرکے میں شریک مجاہدین پر تقسیم ہوں گے۔ آگے اس میں بھی تفصیل ہے۔ بعض علماء کے نزدیک جو دارالحرب میں داخل ہوا جنگ لڑنے کے لیے ان سب لوگوں پر وہ مال تقسیم ہو گا خواہ وہ لڑائی میں شریک ہوا یا نہیں ہوا۔ بعض کے نزدیک جو اس معرکے میں شریک ہوا، چاہے اس کو لڑنے کا موقع ملا یا وہ پچھلی صف میں بیٹھا رہا، لیکن جو بھی اس معرکے میں شریک شخص ہے اس کو اس میں سے حصہ دیا جائے گا۔ ہمارے حالات میں اس کی تطبیق کیسے ہو گی؟ یہ تفصیل لمبی ہو جائے گی، اس کو چھوڑتے ہوئے ایک اصولی بات پر رکتے ہیں یہاں کہ پانچ میں سے چار حصے واپس لوٹ کر انہی لوگوں میں تقسیم ہوں گے جو اس جنگ میں شریک ہوئے تھے۔ تو یہ اللہ کی عطا اور نعمت ہے۔ ہم نے پہلے بھی سورۃ انفال کی ابتدائی آیات پر بات کرتے ہوئے یہ بات کی کہ اللہ کا دین سراپا رحمت و آسانی کا دین ہے، اللہ کا دین یُسر ہے، آسان ہے، یہ اتنی بڑی

نعمت ہے، آپ خود تھوڑی دیر کے لیے تصور کریں اس کو، فتوحات کی روشنی میں تصور کریں کہ پانچ میں سے چار حصے واپس اسی لشکر میں تقسیم ہوں تو مجاہدین کتنے اغنیا ہو کر باہر نکلیں گے ان جنگوں کے اندر سے۔ بعض اوقات پورے پورے خزانے، بینکوں کے بینک اور ریاستوں کے اموال ہاتھ میں آجاتے ہیں تو اس کا پانچ میں سے صرف ایک حصہ ہے جو دیگر مصارف میں صرف کیا جانا ہے، باقی چار حصے واپس اس لشکر میں تقسیم ہونے ہیں تو بے چارے شریف شر فامجاہدین راتوں رات ارب پتی کھرب پتی بن سکتے ہیں، یہ اللہ کی عطا ہے۔ اللہ نے نا صرف اس کو حلال کیا بلکہ حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خصائص گنواتے ہیں کہ مجھے باقی انبیاء پہ اور میری امت کو باقی امتوں پہ کن چیزوں کے ذریعے فضلیت دی گئی تو اس میں سے ایک یہ ہے کہ میرے لیے غنائم حلال کیے گئے، وَأُحِلَّتْ لِي الْغَنَائِمُ، جو پچھلی امتوں کے لیے حلال نہیں تھے۔ تو یہ اللہ کی عطا ہے اپنے آخری نبی ﷺ پہ اور اس کی امت پہ اور یہ اس کے لیے خصوصی انعام ہے اللہ تعالیٰ کا۔ نیز اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس امت کا جو مقام ہے، رسول اللہ ﷺ سے منسوب ہونے والوں کا جو مقام ہے، یہ اس کا ایک اظہار بھی ہے کہ اللہ ان کو باقی امتوں کے اوپر فضلیت دیتے ہوئے ان کو یہ تحفہ دیتے ہیں، ان کو یہ عطا دیتے ہیں کہ ان کے لیے غنائم کو حلال کیا جاتا ہے۔ قرآن میں بھی اللہ اس کو حلال وطیب مال قرار دیتے ہیں، صرف حلال نہیں، بلکہ حلال بھی اور پاکیزہ بھی۔

فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا

”تم نے جو کچھ بھی غنیمت کیا اس کو کھاؤ، وہ حلال اور طیب مال ہے۔“

یہ اللہ کی عطا ہے۔ تو یہ چار حصے وہاں چلے گئے اور جو پانچواں حصہ باقی رہ گیا اس نے پانچ سمتوں یا پانچ مصارف میں خرچ ہونا ہے:

- **رسول اللہ ﷺ کا حصہ**

احناف کے نزدیک یہ آپ ﷺ کی زندگی تک موجود تھا اور اس کے بعد یہ حصہ ساقط ہو گیا اور جمہور کے نزدیک یہ حصہ ابھی بھی باقی ہے اور یہ حصہ خرچ ہو گا مسلمانوں کی عام مصلحت میں۔ یہ بیت المال میں جائے گا اور مسلمانوں کے عام مصالح میں، ان کی عام ضروریات میں استعمال کیا جائے گا۔

- **قرابت داروں کا حصہ**

قرابت داروں سے مراد رسول اللہ ﷺ کے قرابت دار ہیں۔ یہ حصہ بھی رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بنو مطلب کو ملا کرتا تھا، کیونکہ انہوں نے نصرت کی رسول اللہ ﷺ کی جاہلیت میں بھی اور اسلام میں بھی تو اللہ کی جانب سے ان کا حصہ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ کہہ کر، وحی کے ذریعے مقرر کیا گیا۔ اس میں آگے پھر اختلاف ہے۔ احناف کہتے ہیں کہ یہ حصہ بھی رسول اللہ ﷺ کی وفات کے ساتھ ہی، چونکہ رسول اللہ ﷺ ہی کی نصرت سے مخصوص تھا، تو آپ کی وفات کے ساتھ یہ حصہ بھی موقوف ہو گیا۔ جب کہ جمہور کہتے ہیں کہ یہ حصہ آج تک باقی ہے اور بنو مطلب کو آج بھی دیا جائے گا۔

- **یتیموں، مساکین اور مسافر کا حصہ**

اسی طرح اگلا حصہ یتیموں کا، اس سے اگلا مساکین کا اور اس سے اگلا حصہ مسافر کا کہ جو اپنے علاقے سے نکل کر کٹ چکا ہو اور اس کے پاس اسباب ووسائل نہ موجود ہوں تو عملاً گویا احناف کے نزدیک اس وقت صرف تین حصے بچتے ہیں: یتیموں، مساکین اور مسافر کے جبکہ جمہور کے نزدیک یہ پانچوں حصے باقی ہیں اس تفصیل کے ساتھ کہ رسول اللہ ﷺ کا حصہ اب مسلمانوں کی عام مصلحتوں میں خرچ ہو گا۔

تو یہ وہ شرعی تقسیم ہے جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہمارے لیے مقرر کی اور فرمایا کہ إِن كُنتُمْ آمَنتُم بِاللَّهِ، اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ یعنی یہ وہ تقسیم ہے کہ اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو اس کی پابندی کرو گے اور اس حد پر رک جاؤ گے، اپنی خواہش کو اس کے اندر دخل نہیں دو گے اور اس کے اندر کسی قسم کی خیانت اور غلول کا ارتکاب نہیں کرو گے۔

ایمان کی نشانی

ایمان کی نشانی بتائی گئی، ایمان کے ساتھ مشروط کیا گیا کہ جو صاحب ایمان ہے وہ غنیمت کی تقسیم میں اپنے ہاتھ کو روکے گا۔ جس طرح میں نے کہا کہ یہ بات ابھی ہلکی لگ رہی ہے، جب یہ ابتلا آئے گی تو پھر اندازہ ہو گا کہ یہ واقعتاً کتنی خطرناک چیز ہے۔ مال چیز ایسی ہے کہ وہ آپس میں لڑائی اور منافست پیدا کرتی ہے۔ مختلف مجموعے ایک ہی کارروائی میں شریک ہوں اور دونوں کے پاس اس میں سے غنائم آئیں تو اتنا اللہ کے لیے تجرد ہونا، اتنا اللہ کے لیے اپنے آپ کو خالص رکھنا کہ ان کے درمیان اس کے اوپر کسی قسم کا اختلاف نہ پیدا ہونے پائے اور جس کا جو حق بنتا ہے وہ اس کو اسی تفصیل کے ساتھ دیا جائے اور کوئی شک ہو تو دوسرے کے حق میں تنزل کیا جائے، اس کو دے دی جائے اپنے حصے کی کوئی چیز تو اس کے لیے اخلاص کا ایک خاص مرتبہ اور اللہ کے ساتھ ایک خاص قسم کا صدق درکار ہے۔ اور اسی طرح افراد کے درمیان بھی یہ منافست کا اور کھینچا تانی کا ذریعہ بن سکتا ہے الا یہ کہ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھیں، تو یہ نعمت بھی ہے اور ساتھ ہی یہ ابتلا بھی ہے۔

اگر تم اللہ پہ ایمان رکھتے ہو وَمَا أَنزَلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ اور اس پہ ایمان رکھتے ہو جو ہم نے اپنے بندے پہ یوم فرقان نازل کیا۔ اپنے بندے سے مراد رسول اللہ ﷺ ہیں اور کیا نازل کیا اللہ نے؟ اپنی نصرت نازل کی اللہ نے، ملائکہ نازل کیے، تائید وسکینت نازل کی جس کے ذریعے سے ایک قلیل لشکر کو ایک کثیر لشکر کے اوپر اللہ نے فتح عطا فرمائی۔ تو اللہ پر ایمان ہے اور اللہ کی اس دن نازل کردہ نصرت پر ایمان ہے کہ واقعتاً اللہ کی مدد سے تم جیتے تھے تو پھر اللہ جو تقسیم دے رہے ہیں اس کے اوپر رک جاؤ، پھر اللہ نے جو حدود بیان کیں ان کو تسلیم کر لو۔

یہاں ایک ضمنی بات پیارے بھائی کہ جب بھی اللہ تعالیٰ محبت بھرے انداز میں رسول اللہ ﷺ کا قرآن میں ذکر کرتے ہیں تو آپ کی جو شان بتاتے ہیں وہ یہ کہ وہ اللہ کے عبد تھے۔ یہاں پہ بھی ذکر اسی طرح عبدنا کہہ کر آیا اور سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ...، پاک ہے وہ ذات جو رات میں لے کر گیا اپنے بندے کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ، تو اس قربت والے سفر کا بھی جب ذکر کیا تو رسول اللہ ﷺ کی جو صفت بتائی وہ آپ کا عبد ہونا بتایا، اللہ کا غلام ہونا بتایا۔

انسان کے لیے سب سے اونچا مقام کون سا ہے؟

تو پیارے بھائیو انسان کے لیے سب سے اونچا مقام، مقام عبودیت ہے۔ اللہ کے یہاں وہ شخص سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے اور انسانوں میں سب سے زیادہ معزز ہوتا ہے جو جتنا سچا اللہ تعالیٰ کا عبد ہو، جو جتنا زیادہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہو اور جتنا زیادہ اس کے احکامات کو پورا کرتا ہو۔ یہ سو فیصد عکس ہے اس جمہوری اور سرمایہ دارانہ فکر کا جو آج ہمیں دی جاتی ہے جہاں انسان ہی سب کچھ ہے، انسان ہی الہ ہے اور انسان آزاد ہے، انسان کو کوئی پوچھنے والا نہیں، انسان ہی قانون بناتا ہے، انسان ہی کی خواہشوں کو پورا کرتا ہے، انسان کی رائے حاکم ہے، انسانوں کی خواہش کے مطابق چلنا ہے، تو ایک یہ پورا تصور ہے کفر و شرک پہ مبنی، اور ایک یہ تصور ہے کہ جہاں نبی کی شان بھی محبت سے جب بتائی جاتی ہے تو عبد ہونا بتائی جاتی ہے، یہ اس کی عظمت ہے۔ انسان جتنا جھکتا ہے اتنا اللہ کے ہاں وہ بلند ہوتا ہے، جتنا وہ اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہوتا ہے اتنا اس کا مقام دنیا و آخرت میں اونچا کیا جاتا ہے۔ تو یہ وہ مقام ہے کہ جس کے لیے میں نے اور آپ نے جدوجہد کرنی ہے اپنی زندگی میں کہ اللہ کے سچے عبد بن جائیں، اللہ تعالیٰ کے شکر گزار بندے بن جائیں جیسا کہ اللہ کے نبی نے فرمایا کہ أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا، کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ راتوں کو کیوں نہ جاگوں میں، کیوں نہ اللہ کے سامنے گڑگڑاؤں، میرا بھی حق ہے کہ میں اللہ کا شکر گزار بندہ بنوں۔ ایک فرد کا بھی ہدف یہ ہے اور ایک اجتماعیت کا بھی ہدف یہ ہے کہ وہ اللہ کی عَبِید بن جائے وہ اللہ کے غلاموں کی اجتماعیت ہو جو اللہ کے احکامات پہ رکنے والی ہو۔ نظام نافذ کریں گے تو اس نظام کے اندر بھی یہی عبودیت والی صفت پائی جانی چاہیے کہ وہ اللہ کی عبادت کرنے والا نظام ہو کہ جہاں خلیفہ بھی اگر حکومت چلاتا ہے تو عبادت سمجھ کے، جہاں کوئی جنگ کرتا ہے تو وہ بھی ہوائے نفس کے لیے نہیں بلکہ عبادت سمجھ کے، جہاں قاضی فیصلہ کرتا ہے تو عبادت سمجھ کے، مفتی فتوی دیتا ہے تو عبادت سمجھ کے، اور جہاں وزراء اور مشیر رائے دیتے ہیں تو عبادت سمجھ کے، یہ سب کچھ ایک عبادت کی شان ہے۔ وہ جس معاشرے میں زندہ ہو وہ اسلامی معاشرہ کہلاتا ہے، وہ جس نظام میں زندہ ہو وہ اسلامی نظام کہلاتا ہے، وہ جس فرد میں زندہ ہو وہ ایک اسلامی سیرت و کردار والا مسلمان کہلاتا ہے۔

یوم الفرقان

یوم الفرقان کا ذکر کیا اللہ نے، بدر کے دن کو یوم فرقان کہا، یوم فرقان اس لیے کہا کہ اس نے حق و باطل میں تفریق کر دی۔ کمزور و بے سروسامان لشکر کو اللہ تعالیٰ نے ایک قوت و طاقت والے لشکر پر فتح دی جس سے واضح ہو گیا سب کو کہ دونوں میں کوئی معنوی فرق ایسا تھا۔ مادی اعتبار سے تو کافر غالب تھے لیکن کوئی معنوی فرق ایسا تھا، دونوں کے سینوں میں موجود عقیدے میں کوئی فرق ایسا تھا جس کی وجہ سے کمزور طاقتور پر غالب آ گیا۔ اس سے مسلمانوں کی دعوت اور اہل ایمان کے دلوں میں موجود ان کے عقیدے کی سچائی واضح ہو گئی اور اس فرق کو اس سچائی کو اللہ تعالیٰ نے علیحدہ کر دیا کافروں کے دلوں میں موجود کفریہ اور شرکیہ غلیظ عقیدے سے۔ تو یہ دن جس میں حق و باطل واضح ہوا جس میں اہل حق اور اہل باطل میں اور سچے اور جھوٹے عقیدے میں فرق کر دیا گیا، اور ان لوگوں کو کہ جو دعائیں کرتے تھے کہ ہم پہ پتھر برسا آسمان سے، ان لوگوں سے کہ جو اللہ تعالیٰ سے آخری وقت تک گڑگڑاتے رہے، بدر کے دن بھی اللہ سے رو رو کر دعائیں کرتے رہے، علیحدہ کر دیا اور دونوں میں سے حق و باطل کو چھانٹ کر اللہ تعالیٰ نے واضح کیا، اس لیے اس کو یوم فرقان کہا جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس دن جڑ سے اکھاڑا مشرکین مکہ کو، ان کو جو ضرب بدر کے دن لگی، اس سے وہ آخر تک، فتح مکہ تک سر نہیں اٹھا سکے۔ حملے ہوتے رہے لیکن ان کے جو بڑے بڑے سردار اس دن ذبح ہو گئے یہ ضرب ایسی تھی کہ ان کو اس سے اٹھنے کی اور پہلی سی قوت کی طرف دوبارہ لوٹنے کی پھر طاقت نہیں مل سکی۔ پس یہ اللہ کی عطا تھی کہ ضعف میں اللہ نے اپنے بندوں کی مدد کی۔ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ، اس دن جب دونوں لشکر آپس میں ٹکرائے یعنی ایمان والوں کا لشکر اور کفر والوں کا لشکر۔

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں۔ اللہ نے پھر اشارہ کر دیا کہ یہ بندوں کی فتح نہیں تھی، یہ اللہ کی قدرت سے، اللہ کی طاقت سے اللہ کی نصرت سے فتح نصیب ہوئی تھی۔

اللہ سے دعا ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اس آیت کو سمجھنے اور اس میں موجود احکامات پر عمل کرنے کی توفیق دیں۔

سبحانک اللھم و بحمدک ونشھد ان لا الہ الا انت نستغفرک و نتوب الیک و صلی اللہ علی النبی

☆☆☆☆☆

نئے ساتھیوں کے لیے ہجرت و جہاد کی تیاری

عباس جان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ذیل میں کچھ ضروری امور ہیں جو نئے آنے والے مجاہدین ساتھی اگر جہاد و ہجرت کے لیے آنے سے پہلے ان کو عمل میں لائیں تو اللہ تعالیٰ ان کے لیے ہجرت و جہاد کا راستہ آسان فرمائیں گے۔ خاص طور پر شہروں میں موجود ذمہ دار ساتھیوں کی خدمت میں گزارش ہے کہ جن ساتھیوں کو ہجرت و جہاد کی غرض سے اوپر بھجوانا ہو ان کی اچھی طرح تربیت کر کے بھجوایا جائے تا کہ بعد میں محاذ پر خود ان کو بھی آسانی ہو اور وہ دیگر ساتھیوں کے لیے بھی مشکل و پریشانی کا باعث نہ بنیں۔ اکثر باتیں تو وہ ہیں جن کی کمی کا احساس مجھے ہجرت کرنے کے بعد ہوا اور بعض وہ ہیں جو خود میں موجود ہونے کی وجہ سے بہت آسانی رہی۔ اللہ ہمارے لیے جہاد کا یہ عظیم راستہ آسان فرمادے اور ہمیں اپنی تائید و نصرت سے نوازے۔ آمین

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ○ (سورۃ التوبہ: ۴۲)

”اگر ان کا ارادہ نکلنے کا ہوتا تو اس کے لیے انھوں نے کچھ نہ کچھ تیاری کی ہوتی۔ لیکن اللہ نے ان کا اٹھنا پسند ہی نہیں کیا، اس لیے انہیں سست پڑا رہنے دیا، اور کہہ دیا گیا کہ جو (اپاہج ہونے کی وجہ سے) بیٹھے ہیں، ان کے ساتھ تم بھی بیٹھ رہو۔“

لہٰذا جسمانی ورزش کو اپنا روزمرہ کا معمول بنائیں اور جسم کو مضبوط کرنے کی مسلسل کوشش کرتے رہیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ○ (سورۃ الانفال: ۶۰)

”اور (مسلمانو) جس قدر طاقت اور گھوڑوں کی جتنی چھاؤنیاں تم سے بن پڑیں ان سے مقابلے کے لیے تیار کرو جن کے ذریعے تم اللہ کے دشمن اور اپنے (موجودہ) دشمن پر بھی ہیبت طاری کر سکو، اور ان کے علاوہ دوسروں پر بھی نہیں ابھی تم نہیں جانتے، (مگر) اللہ انھیں جانتا ہے۔ اور اللہ کے راستے میں تم جو کچھ خرچ کرو گے، وہ تمہیں پورا پورا دے دیا جائے گا، اور تمہارے لیے کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔“

اس سلسلے میں چند ضروری گزارشات درج ذیل ہیں:

- اپنے جسم کے وزن کو قابو میں رکھیں۔
- ورزش کے ذریعے اپنی جسمانی طاقت میں اضافہ کریں۔
- اپنے کام کرنے کی صلاحیت (سٹیمنا) کو بڑھانے کی مشق کریں۔
- اگر موقع ملے تو مارشل آرٹس مثلاً کراٹے اور باکسنگ وغیرہ سیکھیں۔
- جہاں ہجرت کا ارادہ ہو وہاں کی مقامی زبان سیکھیں۔
- قرآن کی تفسیر کا مطالعہ کریں اور احادیثِ مبارکہ سے تعلق قائم کریں۔
- قرآن کا کچھ حصہ ضرور حفظ کریں۔
- تمام مسنون دعائیں اور اذکار زبانی یاد کریں۔
- امیر کی اطاعت کے بارے میں ضرور شرعی علم حاصل کریں اور اس پر عمل کی نیت کریں۔
- خود کو حالات کے مطابق ڈھالنے کی صلاحیت پیدا کریں۔
- ہر طرح کا کھانا کھانے کی عادت بنائیں۔ بھوک میں صبر کرنا سیکھیں۔ کھانے کے لیے اللہ کا شکر گزار بنیں، چاہے وہ آپ کی پسند کا ہو یا نہیں۔
- کسی بھی حالت میں سونے کی عادت ڈالیں۔
- سخت حالات میں استنجاء اور وضو و غسل کرنا سیکھیں۔ مثلاً پانی کم یا بہت زیادہ ٹھنڈا ہو۔
- عیش و عشرت اور سہولتوں کے بغیر جینا سیکھیں۔
- اچھے آداب و اخلاق اپنائیں ۔ مسلمانوں کے ساتھ نرم اور معاف کرنے والا رویہ اختیار کریں۔
- اپنے آپ میں سخاوت کی عادت کو پیدا کریں۔
- قربانی اور ایثار والا مزاج بنائیں۔
- اپنی انا کو ختم کریں اور اپنی رائے کی قربانی دینا سیکھیں۔
- عاجزی و انکساری اختیار کریں۔
- ہر وقت ہر قسم کی خدمت کے لیے تیار رہیں۔
- وسیع القلب بنیں، دل بڑا رکھیں۔
- اس میدان میں صبر و تحمل بہت زیادہ ضروری ہے۔ اللہ ہمیں توفیق دے۔
- ساتھیوں کی کوتاہیوں اور ناپسندیدہ رویوں کو نظر انداز کریں اور ان کی اچھائیوں کو سراہنے کا حوصلہ پیدا کریں۔
- اپنے مجاہد بھائیوں کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھیں اور ان کو تحائف دینے کی کوشش کریں۔

(بقیہ صفحہ نمبر 97 پر)

امنیت (سکیورٹی) ۲

الشیخ المجاہد سیف العدل

نبی ﷺ کا راز کی حفاظت پر صحابہ کی تربیت کرنا

اس موضوع میں احادیث کثرت کے ساتھ ہیں جن کا عمومی طور پر تمام مسلمانوں کو اور خصوصی طور پر مجاہدین کو اہتمام کرنا چاہیے۔ یہاں میں اللہ کی حمد کے ساتھ کچھ عملی مثالیں ذکر کرتا ہوں جو کہ نبی ﷺ کے غزوات و سرایا سے مستنبط ہیں تاکہ مجاہدین (اللہ ان کی حفاظت فرمائے) یہ جان لیں کہ اللہ کے نبی ﷺ کیسے عسکری اعمال میں رازداری کا اہتمام فرمایا کرتے تھے۔ پس اس میں عمل کرنے والے کے لیے نصیحت ہے۔

اکثر جنگوں میں نبی ﷺ نے راز کی حفاظت کا بہت ہی اہتمام فرمایا یہاں تک کہ آپ نے اپنے ساتھ ہمیشہ رہنے والے اصحاب کو بھی ان کی خبر نہ دی سوائے غزوہ تبوک کے، کیونکہ اس میں مشقت بہت زیادہ تھی جو بہت زیادہ تیاری و سامان کی محتاج تھی۔ اس لیے بھی کہ تبوک سے خبریں پہنچنا مشکل تھا جبکہ غزوہ خندق کے بارے میں نبی ﷺ کو اپنے مکہ میں موجود جاسوسوں کی ذریعے پہلے سے مشرکین اور عرب قبائل کی نیتوں کا علم تھا۔ مسلمانوں نے مدینہ کے ارد گرد خندق کھودی اور جب مشرکین وہاں پہنچے تو اس نئی چال سے بہت پریشان ہوئے اور کہنے لگے اللہ کی قسم ایسی چال چلنا عرب کی عادات میں سے نہیں!

یہ واقعہ نبی ﷺ کی کامیاب انٹیلی جنس کی دلیل ہے جس میں آپ ﷺ نے نہ صرف قبل از وقت دشمن کی نیتوں کا پتہ چلا لیا بلکہ آپ نے اس راز کو چھپائے رکھا اور اپنے ساتھیوں کو بھی اس کے چھپانے کی تعلیم دی۔ باجود اس کے کہ اس خندق کو کھودنے میں بیس دن صرف ہوئے اور یہودیوں اور قریش کے لیے کافی وقت تھا کہ وہ اسے جان جاتے!

اسی طرح نبی ﷺ نے ہجرت کے دوسرے ہی سال "رازداری" کے اصول پر عمل درآمد شروع کر دیا جب آپ ﷺ اپنے اصحاب کی معیت میں نکلے اور جونہی بدر کے میدان کے قریب پہنچے تو آپ ﷺ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ وہ اپنے اونٹوں کے گلوں کی گھنٹیاں کاٹ دیں تاکہ ان کی آواز سے کوئی انہیں پہچان نہ لے۔

جیسے کہ آپ ﷺ نے عبد اللہ بن جحش الاسدی رضی اللہ عنہ کی قیادت میں بارہ مہاجرین کا لشکر روانہ فرمایا اور انہیں علاقے کی معلومات لینے کا کام سونپا۔ یہ سریہ اپنے ہدف کی جانب بڑھا اور ان کے ساتھ نبی ﷺ کا ایک بند خط تھا اور آپ ﷺ نے حکم فرمایا تھا کہ اس خط کو نہ کھولا جائے مگر دو یوم کے بعد! پس جب انہوں نے کھولا تو وہ اپنے لشکر کے کسی بھی فرد کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنے ہدف کی طرف چل پڑے۔ اس رسالہ کا مضمون یہ تھا کہ:

"جب تم میرے اس خط کو دیکھو تو سیدھا چلتے جانا یہاں تک کہ "نخلہ" تک پہنچ جاؤ (جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ ہے) اور قریش کی خبریں لینے کے لیے بیٹھ جاؤ اور ان کی خبریں حاصل کرو!"

پس مسلمانوں کے بیس کیمپ مدینہ منورہ سے عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ لشکر لے کر چلے اور اپنے ساتھیوں کو آپ کے خط کی اطلاع دی اور انہیں بتایا کہ نبی ﷺ نے ہر ایک کو بغیر کراہت ان کے ساتھ چلنے کا حکم دیا۔ پس ان میں سے ایک بھی آدمی پیچھے نہ رہا اور وہ سب اس امر کی تنفیذ کے لیے کمربستہ ہو گئے۔ یہاں ایک ملاحظہ و اشارہ ہے جس کا ذکر کرنا اور سیرت کے اس گہرے سبق پر توقف کرنا میں ضروری سمجھتا ہوں۔ کیا ہمارے عسکری اعمال کی تنفیذ اور خصوصاً جہادی اعمال اسی شکل میں انجام پاتے ہیں جیسے عبد اللہ بن جحش الاسدی رضی اللہ عنہ نے اپنے کام کی تکمیل کی؟

اس کا جواب ہم مجاہد بھائیوں پر چھوڑتے ہیں۔

جنابِ رسول اللہ ﷺ نے خطوط و رسائل کی حفاظت و رازداری کا بہت ہی اہتمام کیا اور یہ اس لیے تھا تاکہ دشمن مسلمانوں کے اعمال کے متعلق کوئی بھی معلومات حاصل نہ کر سکے۔ اسی لیے آپ ﷺ دشمن اور دوست سے اپنی نیتوں کو مکمل مخفی رکھتے تھے۔ پس مسلمان باریک بینی سے رازداری اور اس کی حفاظت کے اس اسلوب میں پہل کرنے والوں میں سے ہیں۔ جبکہ جرمنی نے اس اسلوب کو بہت بعد میں دوسری جنگِ عظیم ۱۹۴۵-۱۹۳۹ میں استعمال کیا[1]۔

اسی طرح صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بنی اسد کے ساتھ غزوہ میں بھی "چھپانے اور رازداری" کے بہت سے اسباق ہیں جب آپ ﷺ نے انہیں رات کے وقت چلنے اور دن کو چھپ جانے اور عام رستے سے ہٹ کر چلنے کا حکم دیا تاکہ ان کی خبروں اور نیتوں کے بارے میں کوئی بھی جان نہ سکے۔ تو انہوں نے بنی اسد پر اچانک ایسے وقت میں حملہ کیا جس میں وہ حملہ کی توقع نہ کر سکتے تھے۔ اس میں انہیں بہت سی غنیمت بھی حاصل ہوئی۔ پھر اسی طریقہ کو نبی ﷺ نے دومۃ الجندل کے غزوہ میں استعمال فرمایا جس سے مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔

اسی طرح غزوۂ احزاب (خندق) میں نبی ﷺ نے نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کو چھپایا اور انہیں بھی چھپانے کا حکم دیا اور فرمایا "کہ تو ایک ہی آدمی ہے پس ہماری

---

[1] جرمنی نے دوسری جنگِ عظیم کے دوران اپنے خطوط و پیغامات کی رازداری و حفاظت کے لیے 'اینگما مشین' (Enigma Machine) کا استعمال کیا تھا۔ یہ ایک پیچیدہ انکرپشن کا آلہ تھا جو پیغامات کو خفیہ کوڈ میں تبدیل کرتا تھا۔ اینگما مشین کو اس وقت کی جدید ترین انکرپشن کے طریقوں میں سے ایک سمجھا جاتا تھا، اور اسے جرمن فوج، بحریہ اور دیگر اداروں نے مواصلات کو خفیہ رکھنے کے لیے استعمال کیا۔ (ادارہ)

طرف سے کافروں کو ذلیل کر، کہ جنگ دھوکے سے عبارت ہے"، تو نعیم رضی اللہ عنہ نے لشکروں کے درمیان تفریق ڈال دی اور ان کا اعتماد ختم کر دیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی راز داری میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی غزوہ کا ارادہ فرماتے تو اس کے علاوہ کسی اور بات کا اظہار فرماتے۔ اسی طرح آپ نے غزوہ بنی لحیان میں یہ ظاہر کیا کہ آپ شام کی طرف جانا چاہتے ہیں لیکن پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنوب کی طرف رخ پھیر لیا اور انہیں اچانک جا لیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ذی الحجہ، محرم، صفر اور ربیع کے دونوں مہینوں میں قیام فرمایا اور جمادی الاولیٰ میں آپ بنو لحیان کی طرف نکلے (فتح بنی قریظہ کے چھ ماہ بعد) اور ان سے آپ نے "اصحابِ الرجیع" کو طلب کیا، خبیب بن عدی اور ان کے ساتھیوں کو رضوان اللہ علیہم، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہر کیا کہ آپ شام کی طرف جا رہے ہیں تاکہ قوم کو اچانک جا لیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے نکلے اور غراب (ایک پہاڑ ہے جو مدینہ کی جانب ہے) کے رستے پر ہو لیے جو کہ شام کی طرف جانے کا راستہ ہے۔ پھر محیص کی طرف پھر البتراء پھر صفق اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بائیں جانب مڑے اور آپ مدینہ کے قریب ایک وادی کی طرف ہو لیے پھر یمام کے ٹیلوں کے طرف ہو گئے۔ پھر آپ سیدھے مکہ کے رستے کی طرف ہو گئے یہاں تک کہ آپ غران میں اترے اور یہ بنی لحیان کا علاقہ تھا۔

اسی طرح فتح مکہ المکرمہ: یہ ایک بہت بڑی مہم تھی یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ام المومنین سیدہ صدیقہ عائشہ مطہرۃ رضی اللہ عنہا اور ان کے والد ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بھی معلوم نہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کدھر کا ارادہ ہے۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو خبر دی جس سے باقی سارے لشکر نے تیاری شروع کر دی کہ جنگ قریش کے ساتھ ہے۔

اسی طرح ابو لبابہ رضی اللہ عنہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا راز افشا کرنے کے قصہ میں ہے کہ جب ابو لبابہ بنو قریظہ گئے تاکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر راضی ہو جائیں اور اس میں ان کی معاقبت کا بیان ہے اور راز کے چھپانے اور اس کے افشاء نہ کرنے کی اہمیت کا بیان ہے۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ لاَ تَخُونُواْ اللّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُواْ أَمَانَاتِكُمْ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ (سورۃ الانفال: ۲۷)

"اے ایمان والو! اللہ اور رسول سے بے وفائی نہ کرنا، اور نہ جانتے بوجھتے اپنی امانتوں میں خیانت کے مرتکب ہونا۔"

عبد اللہ بن ابی قتادہ اور الزہری کہتے ہیں کہ یہ آیت ابو لبابہ بن منذر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی جب انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی قریظہ کی طرف بھیجا تاکہ وہ اللہ کے رسول کا حکم ان پر جاری کروائیں تو یہودیوں نے ابو لبابہ سے مشورہ طلب کیا تو انہوں نے اشارہ دیتے ہوئے اپنے ہاتھ کو حلق پہ رکھا یعنی کہ "ذبح" کا فیصلہ تو اس کے بعد ابو لبابہ پریشان ہو گئے اور انہیں احساس ہوا کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی خیانت کا ارتکاب کیا ہے تو انہوں نے قسم کھائی کہ وہ ہرگز کسی چیز کا ذائقہ نہ چکھیں گے یہاں تک کہ انہیں موت آ جائے یا اللہ ان کی توبہ قبول فرما لے۔ پھر وہ سیدھے مسجد میں گئے اور اپنے آپ کو ایک ستون کے ساتھ باندھ لیا اور اس حال میں انہیں نو مسلسل دن گزر گئے یہاں تک نویں دن وہ بھوک سے غشی کھا کے گر گئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں تو صحابہ ان کے پاس بشارتیں لے کر آئے کہ اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی۔ صحابہ نے چاہا کہ ان کی رسیاں کھول دیں تو ابو لبابہ نے قسم کھا کے کہا کہ انہیں صرف اللہ کے رسول ہی کھولیں گے۔ یہاں تک کہ آپ نے رسیاں کھولیں پھر وہ کہنے لگے یا رسول اللہ میں نے نذر مانی ہے کہ سارا مال صدقہ کر دوں تو آپ نے فرمایا تجھے یہی کافی ہے۔[۲]

یہ آپ کی سیرت سے چند ایک مثالیں ہیں وگرنہ آپ کی سیرتِ مبارکہ میں ایسے واقعات بہت ہیں جو راز کی اہمیت اور اس کے چھپانے پر شاہد ہیں۔

خلفائے رسول اللہ کا اور راز کی حفاظت

خلفائے رسول اللہ کی اپنے کمانڈروں کو کی جانے والی وصیتیں راز کی حفاظت کی اہمیت سے بھری پڑی ہیں۔ ان میں سے اہم ترین ابو بکر رضی اللہ عنہ کی وصیت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے لیے ہے جب آپ رضی اللہ عنہ نے انہیں شام کی طرف روانہ فرمایا، اسی طرح آپ رضی اللہ عنہ کی قائد جرنیلِ اسلام خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اہل ردۃ سے قتال کے بارے میں وصیت اور امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی سیف الاسلام سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو وصیت۔

اے میرے مجاہد بھائی اپنی جنگ میں رازوں کی حفاظت پر حریص رہو کیونکہ اس سے تم اللہ کے اذن کے ساتھ اپنی تدبیروں کو انجام تک پہنچانے کے قابل ہو جاؤ گے اور تم دشمن کی چال کا توڑ کر سکو گے۔ پس اپنی زبان کو ہر مافی الضمیر کے بارے میں قابو میں رکھو جو تمہارے راز کو کھول دے اور اسے افشا کر دے۔ یہ بات یاد رکھو بعض اوقات بڑی خوش الحانی کے ساتھ رازوں کے قلعے ٹوٹ جاتے ہیں۔ کسی چھوٹے کے چھوٹے ہونے کی بنا پر اور کسی اجنبی کے اجنبی ہونے کی بنا پر تم راز نہ کھولو کہ کتنے ہی محفوظ راز ایسے ہیں جن کی دشمن اطلاع پا لیتے ہیں اور اسے پھیلا دیتے ہیں۔

امام المجاہد عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"اپنی زبان کی حفاظت کر کیونکہ زبان آدمی کو بہت تیزی سے قتل کرواتی ہے، یہ زبان دلوں کو پھیر دیتی ہے، اور آدمیوں کو عقل مندی کی راہیں دکھاتی ہے۔"

جیسے کہ کہا جاتا ہے:

قلوب الابرار قبور الاسرار

[۲] تفسیر ابن کثیر، جلد ۳، صفحہ ۳۳۳

"نیک لوگوں کے دل رازوں کے قبرستان ہوا کرتے ہیں۔"

اسی طرح کہا جاتا ہے کہ:

"احمق کا دل اس کے منہ میں ہوتا ہے اور عقل مند کی زبان اس کے دل میں ہوتی ہے۔"

کسی سے کہا گیا کہ راز کو کیسے چھپاتے ہو تو اس نے کہا:

"میں اسے چھپاتا ہو ں اور اس بات کو چھپاتا ہوں کہ اسے کہاں چھپاؤں۔"

اے میرے مجاہد بھائی! تم پر واجب ہے کہ اپنی جماعت کے رازوں اور اس کے اعمال کی پردہ داری کرو اور کوئی بھی چیز ان میں سے ظاہر نہ کرو۔ پس کافروں کو مومنوں کے راز دینا جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لَّا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ (سورۃ آل عمران: ۲۸)

"مومن لوگ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا یار و مددگار نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا اس کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں۔"

بعض حکماء کا قول ہے:

كفى بالمرء خيانة ان يكون امينا للخونة

"آدمی کے خائن ہونے کے لیے یہ ہی کافی ہے کہ وہ کسی خائن کا امین ہو۔"

اور حکماء کہتے ہیں:

سرك من دمك

"تمہارا راز تمہارے خون سے ہے۔"

اس مضمون کو میں "محمود شیت خطاب" کے رازداری کے متعلق قول پر ختم کرتا ہوں۔ وہ کہتا ہے:

"نبی ﷺ کا اپنے ارادوں کو چھپانا یہاں تک کہ اپنے قریبی لوگوں سے چھپانا، اسی طرح حرکت کے وقت کتمان یعنی چھپنے کا اہتمام کرنا اپنی لشکر کی تنظیم، اسلحہ اور تعداد کے بارے میں، پس یہی وہ اصل اسباب ہیں جو آپ ﷺ کی فتوحات کا واضح سبب ہیں۔"[3]

پس رازوں کو چھپانا فتح کے عظیم اسباب میں سے ہے اور رازوں کا افشاء کرنا شکست کے اسباب میں سے ہے!

آخر میں، میں اپنے آپ کو اور تمام مجاہد بھائیوں کو اس بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ رازوں کے پھیلانے کے کام سے اجتناب کریں۔ کثرت کے ساتھ ایسے امور کے متعلق سوالات نہ کریں جو ان کے لیے اہم نہیں ہیں اور نہ ہی دوسروں کو تنگی میں مبتلا کریں۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

مِنْ حُسنِ إسلامِ المرءِ تركُه ما لا يَعنيه[4]

"آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ ہر فضول کام کو چھوڑ دے جو اس سے متعلق نہیں۔"

جب ہم یہ باتیں ذکر کرتے ہیں تو اس سے ہماری مراد یہ نہیں کہ مجاہد بھائی جاسوس ہیں یا ان پر کوئی شبہ ہے بلکہ ہر وہ مجاہد جو صحابہ کے منہج کو علماً و عملاً اپنانا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ ان امور کا اہتمام کرے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ راز کے آداب سے ناواقف ہو اور ہماری نقل کردہ باتیں اس کے علم میں اس سلوک کا اضافہ کر دیں (واللہ اعلم)۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

☆☆☆☆☆

سلطنت شخصی یا جمہوری؟

"بعض لوگ آیت 'وشاورهم في الامر' سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ سلطنت شخصی ہونا خلافِ قرآن ہے، شاورھم سے کثرتِ رائے مفہوم ہوتی ہے جو حاصل ہے سلطنتِ جمہوری کا۔ مگر اس استدلال کی غلطی خود اس آیت کے اگلے جزو سے ظاہر ہے۔ 'واذا عزمت فتوكل على الله' جس سے ثابت ہوتا ہے کہ گو مشورہ مطلوب ہے مگر بعد مشورہ مدار محض آپ کے عزم اور رائے پر ہے۔ اس سے تو بالعکس سلطنت کا شخصی ہونا ثابت ہوا۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ شخص واحد پر مشورہ کا وجوب ثابت ہوتا ہے لیکن مدار کثرت رائے پر نہیں رکھا گیا بلکہ اس مستشیر (مشورہ لینے والے) اطلاق آیت سے اس کی بھی اجازت ہے کہ وہ بمقابلہ جماعت کے ایک کے مشورہ کو قبول کر کے اس کے موافق عزم کر لے۔"

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی (نوّر اللہ مرقدہ)

(ملفوظاتِ حکیم الامت ج۳)

[3] بحوالہ: دروس فی الکتمان

[4] مشکوٰۃ شریف: جلد ۴: حدیث ۷۷۷

الشوک والقرنفل

کانٹے اور پھول ۷

شیخ یحییٰ السنوار شہید رحمۃ اللہ علیہ کا شہرۂ آفاق ناول

مجلّہ 'نوائے غزوۂ ہند' بطلِ اسلام، مجاہد قائد، شہیدِ امت، صاحبِ سیف و قلم شیخ یحیٰ ابراہیم السنوار رحمۃ اللہ علیہ کے ایمان اور جذبۂ جہاد و استشہاد کو جلا بخشتے، آنکھیں اشک بار کر دینے والے خوب صورت ناول اور خود نوشت و سرگزشت 'الشوک والقرنفل' کا اردو ترجمہ، قسط وار شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ یہ ناول شیخ نے دورانِ اسیری اسرائیل کی بئر سبع جیل میں تالیف کیا۔ بقول شیخ شہید اس ناول میں تخیل صرف اتنا ہے کہ اسے ناول کی شکل دی گئی ہے جو مخصوص کرداروں کے گرد گھومتا ہے تاکہ ناول کے تقاضے اور شرائط پوری ہو سکیں، اس کے علاوہ ہر چیز حقیقی ہے۔ 'کانٹے اور پھول' کے نام سے یہ ترجمہ انٹرنیٹ پر شائع ہو چکا ہے، معمولی تبدیلیوں کے ساتھ نذرِ قارئین ہے۔ (ادارہ)

گیارھویں فصل

محمود کی رہائی کا وقت قریب آ رہا تھا، میری ماں نے اس کے استقبال اور اس کی انجینئرنگ کی ڈگری حاصل کرنے کی دوبارہ خوشی منانے کی تیاری شروع کر دی تھی، ہم نے گھر کو چونے سے رنگ دیا، اور حلوہ، بسبوسہ[1] اور دیگر قسم کی کھانے کی چیزیں تیار کیں، ہم نے دوبارہ ان منصوبوں اور امیدوں کے بارے میں بات کرنا شروع کر دی جو ہم نے اس کے مصر سے واپسی پر کی تھیں۔

رہائی کے دن ہم سب اپنی مکمل تیاریاں کر کے سرائے کے دروازے کے سامنے کھڑے ہو گئے، دوپہر کے وقت وہ سرائے کے دروازے سے نکلا، جب اس نے ہمیں دیکھا تو ہماری طرف دوڑا اور ہم اس کی طرف دوڑے اور ہم نے اسے گلے لگا لیا اور شکر کی دعائیں پڑھنے لگے، حسبِ معمول میری ماں دیر سے پہنچی، محمود اس کے پاس پہنچا اور اس کا سر اور ہاتھ چومنے لگا اور وہ اسے روکنے کی کوشش کرتے ہوئے کہنے لگی "نہیں، چیف انجینئر" پھر ہم گھر کی طرف روانہ ہوئے اور ہمارے سر فخر سے بلند تھے، جب بھی ہم کسی جاننے والے کے پاس سے گزرتے، وہ جلدی سے کھڑا ہو جاتا یا ہماری طرف متوجہ ہو جاتا اور ہمیں مبارکباد دیتا، محمود کو گلے لگاتا اور کہتا "الحمد للہ، چیف انجینئر، آپ کی سلامتی پر شکر ہے"، جب ہم محلے کے کنارے پہنچے تو وہاں سب ہمارے انتظار میں تھے اور محمود کا استقبال فاتحین کی طرح کیا گیا، خوشیاں اور تقریبات کئی دن تک جاری رہیں اور مبارکباد دینے والے آتے رہے۔

جب ہماری خوشیاں محمود کی قید سے رہائی کے بعد ختم ہوئیں، تو ہم نے اس کی ملازمت کی خوشیوں کا جشن منانا شروع کیا۔ اس نے (UNRWA) ایجنسی کے دفتر جانا شروع کیا اور مختلف منصوبوں میں بطور عماراتی انسپکٹر اور سول انجینئر کام کرنے لگا، یہ واضح تھا کہ لمبے عرصے کے بعد ہمارے لیے آسمان کے دروازے کھل گئے تھے، کیونکہ ایجنسی کی نوکری میں بہت عمدہ تنخواہ ملتی تھی۔ جب ہماری خوشیاں محمود کی ملازمت کے بعد ختم ہوئیں، تو ایک نئی خوشی شروع ہوئی، میری بہن فاطمہ کی منگنی محمود کے ایک ساتھی سے ہوئی اور پھر شادی کی تیاریاں شروع ہوئیں۔ فاطمہ کے شادی کے دن، جب وہ اپنے شوہر کے گھر منتقل ہو گئی اور ہم شادی کی تقریب سے واپس آئے، تو ہمیں لگا کہ گھر کا ایک ستون گر گیا ہے۔ فاطمہ نے ہمارے گھر کو بھرا ہوا تھا، بلکہ مجھے ذاتی طور پر لگا کہ میرا دل میرے سینے سے باہر نکل گیا ہے۔ لیکن وقت کے ساتھ ہم اس کے عادی ہو گئے، خاص طور پر جب ہمیں معلوم ہوا کہ وہ اپنے گھر میں خوش ہے۔ تھوڑی ہی مدت بعد ہمارے پڑوسی، ام العبد کے بیٹے عبد الحفیظ کو بھی رہا کر دیا گیا، جو کہ الجبهة الشعبية سے تعلق رکھنے اور کام کرنے کے الزام میں قید تھا۔ محلے نے اس کا بھی محمود کی طرح گرم جوشی سے استقبال کیا اور اس کی ماں، ام العبد نے بھی اس کی رہائی کی خوشی میں مٹھائیاں تیار کیں۔

میرے بھائی محمود کا اور عبد الحفیظ کا استقبال بہت ہی عجیب تھا۔ ایک طرف تو ان میں بہت ہی دوستانہ تھا کیونکہ وہ دونوں جیل میں ایک ساتھ رہے تھے، اور انہوں نے ایک ساتھ بھوک ہڑتالیں اور مشکلات کا سامنا کیا تھا، جس کی وجہ سے وہ گہرے دوست بن گئے تھے۔ دوسری طرف ان کے درمیان ایک شدید کشمکش بھی واضح تھی، کیونکہ جب بھی سیاسی اور فکری معاملات پر بات ہوتی تھی تو وہ جلد ہی ایک دوسرے پر تنقید کرنے لگتے تھے۔ محمود کی نوکری کے چند مہینوں بعد میری ماں نے اصرار کیا کہ ہم اپنے منصوبے شروع کریں اور ایک نیا کمرہ بنائیں جو چیف انجینئر کے لائق ہو، اور جو اس کے دوستوں، ساتھیوں اور محلے کے نوجوانوں اور مردوں کی میزبانی کر سکے۔ ہم نے ایک مزدور کرائے پر لیا، ضروری مواد خریدا، اور ایک وسیع کمرہ بنایا جس کی دیواریں اونچی تھیں، چھت پر ایسبسٹوس (Asbestos) کی چادر تھی، اس میں کئی بڑی کھڑکیاں اور ایک بہترین لکڑی کا دروازہ تھا، اور اس کا فرش اونچا اور سیمنٹ کا تھا۔

اس کے بعد میری ماں نے اصرار کیا کہ ہم ایک بستر خریدیں، وہ استعمال شدہ تھا لیکن ہمارے گھر میں ترقی کی دنیا میں ایک نئی بات تھی۔ محمود اس پر سوتا تھا اور کبھی کبھی ہم میں سے کوئی اس پر کچھ وقت کے لیے لیٹ جاتا تھا۔ پھر ہم نے ایک میز اور دو کرسیاں خریدیں،

---

[1] بسبوسہ ایک مشہور عربی میٹھا ہے جو عام طور پر سمولینا (سویدا) کے آٹے، چینی، دہی، اور گری دار میوے سے تیار کیا جاتا ہے۔

اور اس طرح گھر میں واضح ترقی ہونے لگی۔ پھر محمود کی شادی کے ارادوں کے بارے میں بات بڑھنے لگی اور میری ماں اس سے پوچھنے لگی کہ کیا وہ کسی خاص لڑکی کو پسند کرتا ہے؟ اور وہ اپنی دلہن میں کون کون سی خصوصیات چاہتا تھا؟ وغیرہ۔

مقاومت کی شدت کم ہونے لگی تھی، کیونکہ بہت سے لوگوں کو گرفتار کر لیا گیا تھا، اور بہت سے شہید ہو گئے تھے، اور دنیا لوگوں کے لیے کھل گئی تھی اور انہیں مشغول کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ اسرائیلی خفیہ ادارے نے مقاومت کے خلاف بڑی کامیابیاں حاصل کی تھی، جہاں انہوں نے بڑی مقدار میں اسلحہ اور گولہ بارود ضبط کیا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ ان کی معلومات اور فلسطینی حقیقت کی اطلاعات میں بہت زیادہ اضافہ ہوا تھا جس کی وجہ سے وہ مقاومت کو محدود اور پریشان کرنے میں کامیاب تھے۔ عوامی آزادی کی فوج بڑی حد تک کمزور ہونے لگی تھی، کیونکہ یہ ایک عسکری تنظیم تھی اور اس کا تنظیمی پہلو اور اس کی بیرونی حمایت نہیں تھی، اور اس کا وجود غزہ کے علاقے تک محدود تھا، مغربی کنارے میں نہیں تھا۔ وقت کے ساتھ ساتھ، اس نے فتح اور عوامی محاذ کی جگہ لینا شروع کر دی، بہت سے نوجوانوں کی گرفتاری اور قید کے بعد، جب ان کی سزائیں ختم ہوئیں اور انہیں رہا کیا گیا، تو فکری اور سیاسی رجحانات کا ابھار ہونے لگا، جس کے نتیجے میں ان نوجوانوں اور ان کے خاندانوں میں اور ان کے بند حلقوں میں شدید فکری اور سیاسی مباحثے ہونے لگے، اور واضح طور پر سننے میں آیا کہ کچھ لوگوں نے فتح کا نقطۂ نظر اپنایا اور اس کے خیالات پیش کیے، اور کچھ لوگوں نے الجبهة الشعبية کا نقطۂ نظر اپنایا اور اس کے خیالات اور نظریات کو اپنایا۔

عبدالحفیظ اکثر ہمارے گھر آتا تھا، وہ اور دوسرے لوگ میرے بھائی محمود کے کمرے میں بیٹھتے تھے اور فکری مسائل پر گفتگو کرتے تھے۔ عبدالحفیظ مارکسی سوشلسٹ تھا اور اس فکر کی دعوت دیتا تھا، وہ جدلیاتی مادیت (Dialectic Materialism) سے متعلقہ مسائل پر بحث کرتا تھا، مارکس، لینن یا اینگر کی لکھی ہوئی کچھ کتابوں کا حوالہ دیتا تھا اور ہمارے عوام کی جدوجہد اور ان کے جائز حقوق کے لیے سوویت یونین کی حمایت اور سوشلسٹ ممالک کی حمایت کی بات کرتا تھا، وہ کہتا تھا کہ ہمیں ان دوستیوں اور حمایتوں کو استعمال کرنا چاہیے۔ محمود کا نقطۂ نظر مختلف تھا، اس کا خیال تھا کہ ہمارا قومی مسئلہ کسی بھی فکری دھارے میں تقسیم ہونے کا متحمل نہیں ہے، ہر کسی کو اپنی فکر اپنانے کی آزادی ہے، لیکن اہم یہ ہے کہ ہماری تمام کوششیں قومی متحدہ تحریک کے تحت مرکوز ہونی چاہئیں، جو تحریک فتح ہے، جس میں مذہبی اور سیکولر، کمیونسٹ، عیسائی اور مسلمان سب شامل ہیں اور فکری اختلافات کی گنجائش نہیں ہے۔ جب بھی وہ ہمارے گھر یا ام العبد کے گھر میں ملتے، یا سڑک کے کونے پر کھڑے ہوتے، تو یہ مباحثے شروع ہو جاتے اور آوازیں بلند ہو جاتیں، ہر کوئی اپنے موقف پر شدت سے بات کرتا اور کبھی کبھی بحث اتنی تیز ہو جاتی کہ جھگڑے کی شکل اختیار کر لیتی، لیکن آخر میں وہ چائے پیتے اور اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہو جاتے۔

دوسری طرف، شیخ احمد نے کچھ نوجوانوں کو نماز کے لیے بلانا شروع کیا، اور وہ مسجد آنے لگے، نمازیں ادا کرتے، پھر ایک حلقے میں بیٹھ کر قرآن پڑھتے یا کسی دینی کتاب کا مطالعہ کرتے۔ شیخ احمد انہیں شرح و تفسیر سے سمجھاتے اور تربیت دیتے، نوجوان ان کی باتوں کو سمجھتے اور قبول کرتے، شیخ احمد ان نوجوانوں کو ہدایات دیتے اور وہ چلے جاتے، پھر نئے نوجوان مسجد آتے اور حلقہ بڑھتا جاتا۔

میرا بھائی حسن دل کا سب سے اچھا تھا اور دوسروں کی خاطر قربانی دینے کے لیے ہمیشہ تیار رہتا تھا۔ اس نے گھر کی ذمہ داری اور محمود کی تعلیم کے اخراجات اٹھائے، وہ سبزی کی دکان پر کام کرتا تھا اور اپنی تعلیم جاری رکھتا، پھر اس نے صنعت کی تعلیم قبول کر لی۔ حالانکہ اس نے ثانوی تعلیم میں اعلیٰ نمبر حاصل کیے تھے، اگر اسے مناسب موقع ملتا تو وہ بھی انجینئرنگ یا سائنس کی تعلیم حاصل کر سکتا تھا، لیکن حالات سخت تھے، اس نے صنعت کی تعلیم قبول کر لی اور سبزی کی دکان کی ذمہ داری بھی سنبھالی وہ صنعت کی اسکول سے خراطہ اور برادہ کے شعبے[2] سے تقریباً فارغ التحصیل ہو چکا تھا۔

اپنے سبزی کے ٹھیلے پر کام کرتے ہوئے، حسن کی ملاقات شیخ احمد سے ہوئی جو کئی بار اپنے گھر کی ضروریات حسن سے خرید چکے تھے۔ شیخ احمد نے حسن کی خوش اخلاقی اور اعلیٰ اخلاق کو دیکھا اور اسے آخرت کی یاد دلاتے ہوئے اور اللہ کی نافرمانی اور اس کے حکم کی مخالفت کرنے کے خطرات سے آگاہ کرتے ہوئے اور اللہ کی نعمتوں میں جو اس کے پاس ہے طمع دلاتے ہوئے نماز پڑھنے اور مسجد آنے کی دعوت دی۔ شیخ احمد نے بتایا کہ دین کا راستہ اور اس پر استقامت سب سے بہترین راستہ ہے جو دنیا میں خوشی اور کامیابی، اور آخرت میں کامیابی اور فلاح کی جانب لے جاتا ہے۔ حسن کے دل میں شیخ احمد کی باتیں گھر کر گئیں اور اس نے شیخ سے وعدہ کیا کہ وہ نماز شروع کرے گا اور مسجد آئے گا۔ واقعی اسی شام حسن نے وضو کیا اور نماز پڑھنا شروع کر دی، اور جب بھی موقع ملتا مسجد جاتا، عام طور پر حسن مغرب کی نماز کے وقت مسجد جاتا اور عشاء کی نماز تک وہیں رہتا، عشاء کے بعد وہ گھر واپس آتا، گھر والوں کے لیے یہ بات بہت پسندیدہ تھی، خاص طور پر میری ماں کے لیے کیونکہ نماز پڑھنا اور مسجد جانا ایک پسندیدہ عمل تھا۔ حسن بڑا اور سمجھدار تھا اور اس کے بارے میں کوئی تشویش نہیں تھی۔ وہ کبھی کبھار میرے بھائی محمود اور ہمارے پڑوسی عبدالحفیظ اور دوسرے نوجوانوں کے درمیان ہونے والی بحثوں میں بھی حصہ لیتا، جہاں وہ عبدالحفیظ کے مقابلے میں بہت سخت ہوتا اور اسے الحاد، بے ایمانی اور کفر کے الزامات دیتا۔ عبدالحفیظ کی فکری سطح حسن سے بہت بہتر تھی، شاید جیل میں گزارے وقت نے عبدالحفیظ کو یہ فکری مہارتیں فراہم کی تھیں، وہ دینی فکر پر حملہ کرتے ہوئے کہتا کہ دین لوگوں کے لیے ایک نشہ آور چیز ہے اور دیندار مزاحمت میں کہاں ہیں اور ان کا کردار اور قومی جدوجہد کیا ہے؟ حسن کمزور جوابات دیتا اور محمود کے ساتھ بھی ٹکراتا جہاں وہ دین کی طرف واپسی اور آزادی کی

[2] خراطہ (یعنی ٹرننگ) اور برادہ (یعنی ملنگ) دو اہم مشینی عمل ہیں جو مختلف دھاتوں اور دیگر مواد کی شکل اور سائز کو تبدیل کرنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔

جدوجہد میں اس کی اہمیت پر زور دیتا۔ محمود مضبوط جواب دیتا کہ دین میں کوئی شک نہیں، لیکن ہمیں اس وقت قومی آزادی پر توجہ دینی چاہیے اور کسی فکری یا دینی اختلاف میں نہیں پڑنا چاہیے۔ حسن خاموش ہو جاتا اور کوئی جواب نہ دیتا، خاص طور پر جب محمود پوچھتا کہ ہمارے عیسائی بھائیوں کا کیا ہو گا؟ اور قومی جدوجہد میں ان کا کردار کیا ہو گا؟ اگلے دن حسن مسجد سے چند کتابیں لے کر آیا جن میں سے ایک مارکسی فکر اور سوشلزم کے نظریات کو رد کرتی تھی، دوسری اسلام کے معاشی نظام پر تھی، اور تیسری عقیدہ پر مبنی تھی وہ انہیں اپنے پاس رکھ کر ورق پلٹنے اور گزشتہ بحث میں ناکام سوالات کے جوابات تلاش کرنے لگا۔

محمود نے حسن پر ہونے ظاہر والی تبدیلیوں پر تبصرہ کرنا شروع کر دیا اور کبھی کبھار اس سے مسجد اور اس میں ہونے والی سرگرمیوں کے بارے میں سوالات کرنے لگا۔ محمود نے حسن کو ان لوگوں سے دور رہنے کی نصیحت کی، لیکن جب حسن نے اس کی بات نہیں سنی، تو محمود نے ہماری ماں کے اثر و رسوخ کا استعمال کرتے ہوئے حسن کو ان لوگوں سے دور رکھنے کی کوشش کی۔ ہم اکثر ''اخونجیه'' جیسا لفظ سنتے تھے، محمود کہتا تھا کہ شیخ احمد اور وہ لوگ جو مسجد میں آتے ہیں، دینی کتابیں پڑھتے اور بانٹتے ہیں، وہ اخونجیه یعنی اخوان المسلمین کے ہیں۔ وہ اپنی ماں کو ڈراتا کہ حسن اخونجیه نہ بن جائے کیونکہ اخونجیه قومیت پر یقین نہیں رکھتے اور جمال عبد الناصر کے خلاف ہیں۔ انہوں نے اسے قتل کرنے کی کوشش کی تھی، حکومتیں بھی ان کے خلاف ہیں اور ان کا پیچھا کرتی ہیں۔ اور اگر حسن اخونجیه بن گیا تو وہ بلاوجہ خطرے میں پڑ جائے گا۔

میری ماں حسن کو بلاتیں اور اس سے محمود کی باتوں کے بارے میں پوچھتیں، خصوصاً اخونجیه کے بارے میں، حسن صاف انکار کرتا کہ وہ اخوان المسلمین کا حصہ نہیں ہے، نہ ہی مسجد میں آنے والے کسی نے اس سے اخوان کے بارے میں بات کی ہے، اور نہ ہی اس نے کسی کو اس بارے میں بات کرتے سنا ہے۔ وہ کہتا کہ مسجد میں صرف نماز، قرآن کی تعلیم اور دینی تعلیم ہوتی ہے، تو کیا یہ غلط ہے؟ اس پر ماں کہتیں، نہیں، پھر اسے نصیحت کرتیں کہ ہوشیار رہے اور ایسے معاملات میں نہ پڑے جو مشکل پیدا کریں، اور حسن انہیں یقین دہانی کراتا اور مذاق کرتا۔ آخر میں ماں مطمئن ہو کر چلی جاتیں۔ میں، محمود، حسن اور ماں کے درمیان ہونے والی باتیں سنتا رہتا۔ محمود کی باتیں زیادہ منطقی لگتی تھیں، لیکن حسن کی سادگی اور معصومیت زیادہ اطمینان بخش تھی۔ شاید حسن نے اچھا کیا کہ اس نے مجھے نماز پڑھنے اور مسجد جانے کی ترغیب دی، میں کبھی نماز پڑھتا اور کبھی چھوڑ دیتا۔ میں نے کئی بار اس کے ساتھ مسجد جا کر مغرب اور عشاء کے درمیان ہونے والے ''حلقہ'' میں شرکت کی، جو شیخ احمد کی سربراہی میں ہوتا تھا۔ میں نے کئی بار سورۃ الزمر اور المدثر کی تفسیر کی نشستوں میں شرکت کی، شیخ کا کلام بہت پر اثر اور خوبصورت تھا۔ جب وہ جنت اور آخرت کے مناظر، عذاب اور نعمتوں کو بیان کرتے تھے، وہ بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ کے احکامات کیسے قبول کیے، دعوت کی ذمہ داری اٹھائی اور اس کو کیسے پہنچایا۔

حسن نے صنعت سے گریجویشن کی اور فوری طور پر غزہ کے علاقے زیتون میں ایک لوہار اور مکینک ورکشاپ میں معقول تنخواہ کے ساتھ ملازمت حاصل کر لی۔ اس وعدے کے ساتھ کہ اگر اس نے اپنی فنی صلاحیتیں اور قابلیتیں ثابت کیں تو اسے مزید اضافہ ملے گا۔ یہ واضح ہو چکا تھا کہ کئی سالوں کی غربت اور قحط سالی کے بعد ہم اپنی زندگی کے سنہری دور میں داخل ہو چکے ہیں۔ اس وقت میں اپنی مڈل کی تعلیم مکمل کرنے کے قریب تھا، اور مرے چچازاد ابراہیم نے ہائی سکول شروع کر دیا تھا، اور میرا بھائی محمد سائنس سیکشن کے دوسرے سال میں تھا، تہانی (میری بہن) نے ہائی سکول کی تعلیم مکمل کی اور غزہ میں ٹیچرز ٹریننگ کالج میں داخلہ لینے کے لیے رجسٹریشن کروالی اور اس وقت نتائج کا انتظار کر رہی تھی، ایسا لگتا تھا کہ دنیا ہم پر دوبارہ مسکرا رہی ہے۔

کئی سالوں غائب رہنے کے بعد ہمارا چچازاد حسن دوبارہ ہمارے سامنے آیا، لیکن ایک نئی شکل میں، وہ اب بڑا آدمی بن چکا تھا، اس نے اپنی داڑھی اور بالوں کو رنگ لیا تھا، اور اس کے کپڑے عجیب اور خوفناک تھے، جیسے یہودیوں کے کپڑے، اس نے اپنی گردن میں سونے کی چین پہن رکھی تھی اور کلائی کے گرد موٹی سونے کی چین باندھی ہوئی تھی۔ اس نے ایک پھٹی ہوئی جینز کی پینٹ پہنی ہوئی تھی اور اس کے ہاتھ میں سگریٹ کا پیکٹ تھا۔ وہ بالکل کسی دوسرے سیارے سے آیا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ اس نے دروازہ کھٹکھٹایا، میں نے دروازہ کھولا اور پہلی بار میں اسے پہچان نہ سکا۔ اس نے میرے بالوں میں اپنی انگلیاں ڈال کر کہا: تم احمد ہو؟ میں نے اس کی آواز سے پہچانا: تم حسن ہو؟ اس نے کہا: ''ہاں'' تو میں چلایا، ''ماں، محمود! یہ میرا چچازاد حسن ہے جو واپس آ گیا ہے۔ سب اپنے کمروں سے دوڑتے ہوئے دروازے کی طرف آئے، اور حسن نے اندر کی طرف دو تین قدم بڑھائے۔ ہر کوئی جو دوڑتا ہوا آیا، جیسے ہی اس نے حسن کو دیکھا، رک گیا جیسے انہیں بجلی کا جھٹکا لگا ہو۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ کیا کہے، سب سے پہلے میرے بھائی محمود نے ہوش سنبھالا، آگے بڑھا اور سلام کیا۔ پھر ابراہیم نے بھی سلام کیا، اور محمود نے اسے اپنے کمرے میں لے لیا، ہم سب بھی ان کے پیچھے گئے اور میری ماں چائے بنانے چلی گئیں۔

ہم کمرے میں بیٹھ گئے اور محمد نے اس سے پوچھنا شروع کر دیا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا؟ اور وہ کس طرح یہاں تک پہنچا؟ اور اس کی خبر کیا ہے؟ اس نے ہمیں بتایا کہ وہ تل ابیب میں رہتا ہے اور اپنی یہودی گرل فرینڈ کے والد کی فیکٹری میں کام کرتا ہے، اور اس کی صورتحال بہت اچھی ہے۔ اس نے بتایا کہ وہ یافا میں ایک شاندار کرائے کے فلیٹ میں رہتا ہے۔ اہم بات یہ تھی کہ وہ عربی بولتے ہوئے ہکلانے لگتا تھا اور اپنی بات چیت میں عبرانی الفاظ کثرت سے استعمال کرتا تھا۔ میری ماں چائے لے کر آئیں اور اسے میز پر رکھ دیا۔ اس نے میری ماں سے پوچھا: آپ کیسی ہیں چچی؟ انہوں نے جواب دیا: ''الحمد للہ'' اس نے کہا: اہم بات یہ ہے چچی کہ آپ نے اچھی زندگی گزاری، لیکن مجھے دیکھو کیمپ کی بدبختی اور محرومی سے میں باہر نکلا، دنیا دیکھی، اور سکون سے زندگی گزاری۔ میری ماں نے طنزیہ لہجے میں کہا: ہاں، دنیا دیکھی اپنی یہودی گرل فرینڈ کے ساتھ۔

اس نے کہا: اچھا، تو یہودیت میں کیا مسئلہ ہے؟ اسی اثناء میں محمود داخل ہوا اور پوچھنے لگا: خاص بات کیا ہے حسن بتاؤ؟ حسن نے جواب دیا: نہ پہلے نہ بعد، بس میں آیا ہوں تم لوگوں کو سلام کرنے اور ابراہیم کو دیکھنے۔ اس نے اپنے جیب میں ہاتھ ڈالا، اپنا بٹوہ نکالا اور اس میں سے ایک بڑی گڈی نوٹوں کی نکالی، اور ایک بڑی رقم شمار کر کے ابراہیم کی طرف بڑھائی۔ ابراہیم نے کوئی حرکت نہیں کی اور ہم سب خاموش رہے۔ حسن نے کہا: لے لو ابراہیم، ابراہیم نے جواب دیا: نہیں، شکریہ! میں اپنے چچا کے گھر رہنا چاہتا ہوں جیسے دوسرے لوگ رہتے ہیں، مجھے کسی چیز کی کمی نہیں۔ حسن نے کہا: لے لو، میں تمہارا بھائی ہوں۔ ابراہیم نے جواب دیا: تم میرے بھائی تب ہو، جب تم گھر لوٹ کر ہمارے ساتھ رہو گے اور یہودیوں اور ان کی زندگی کو چھوڑ دوگے۔ حسن نے کہا: آرام سے ابراہیم آرام سے، کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں کیمپ لوٹ آؤں؟ تم ہی میرے ساتھ کیوں نہیں آتے؟ ابراہیم نے جواب دیا: اللہ کی پناہ! حسن نے کہا: جیسے تمہاری مرضی۔ محمود نے حسن سے بات چیت شروع کر دی اور اسے گھر واپس آنے کے لیے قائل کرنے کی کوشش کی کہ اس کا گھر ابھی بھی اس کا انتظار کر رہا ہے اور وہ اسے بنا اور سجا سکتا ہے اور ہم اس کی بہترین لڑکی سے شادی کروا سکتے ہیں، اور اس کے لیے ایک معزز کام تلاش کر سکتے ہیں۔ حسن پورا وقت مسکراتا رہا اور انکار کرتا رہا، پھر گرم جوشی سے الوداع کہہ کر چلا گیا۔

میری ماں محمود کو شادی کے لیے قائل کرنے کی کوشش کرتی رہیں اور وہ یہ کہہ کر ٹالنے کی کوشش کرتا رہا کہ گھر چھوٹا ہے اور شادی کے لیے مناسب نہیں ہے۔ تو انہوں نے اسے قائل کرنے کی کوشش کی کہ یہ عارضی ہو گا جب تک کہ وہ توسیع نہ کر لیں۔ ہمارے پاس ابھی گھر میں تین کمرے ہیں، ایک جو ہم نے نیا بنایا ہے، اور دو پرانے کمرے جو ہم نے مرمت کیے ہیں، جہاں وہ، تہانی اور مریم ایک میں رہتے ہیں اور میرا بھائی حسن، محمد اور میں اور میرا چچازاد بھائی ابراہیم دوسرے میں رہتے ہیں، اور وہ اپنی بیوی کے ساتھ نئے کمرے میں رہے گا۔

پھر وہ پوچھتا کہ اگر ہمارے پاس مہمان یا ملنے والے آئیں تو وہ کہاں بیٹھیں گے؟ تو وہ جواب دیتی کہ بچوں کے کمرے میں یا میرے اور لڑکیوں کے کمرے میں۔ کیا کیمپ کے تمام لوگوں کا یہی حال نہیں ہے؟ اور اس کے علاوہ ہمارے پاس تمہارے چچا کا گھر بھی ہے اور ہم اس کے ایک کمرے کو مرمت کر کے اس میں توسیع کر سکتے ہیں اور واقعی یہ طے پایا کہ چچا کے گھر کے دو کمروں کو مرمت کیا جائے تاکہ ایک محمود اور اس کی بیوی کے لیے ہو، اور دوسرا حسن کے لیے جب وہ شادی کر لے۔ اور نیا کمرہ مہمانوں کے استقبال کے لیے رہے، نئے کمروں کی تعمیر کے بعد محمود نے اپنی ماں کو تجویز دی کہ اس کی شادی چند ماہ کے لیے ملتوی کر دی جائے اور وہ اور حسن ایک ساتھ شادی کریں تاکہ دو شادیوں کے اخراجات کی بجائے ایک ہی شادی کا خرچ ہو، اور حسن کے شادی کے اخراجات بچا لیے جائیں۔ بیچارے نیک دل حسن نے اپنی تعلیم میرے اور گھر کی خاطر قربان کر دی۔

تو پھر ہماری خوشیوں کو ایک کر دیں۔ میری ماں نے اس خیال کو قبول کیا اور حسن کو قائل کرنے کے لیے بات کرنے لگیں، کمرہ تیار ہے اور شادی ہو گی اور ضرور ہو گی۔ کئی دنوں کی کوششوں اور دباؤ کے بعد حسن نے بھی رضامندی ظاہر کی، اور میری ماں نے دونوں کے ساتھ ایک طویل گفتگو شروع کی کہ وہ کس کو پسند کرتے ہیں؟ یا وہ کس قسم کی لڑکی چاہتے ہیں؟ اور انہوں نے ماں کو فلاں فلاں کی بیٹی کی تجویز دی، اور ماں نے ان گھروں کے چکر لگائے تاکہ لڑکیوں کو ان کے گھروں میں دیکھ سکیں، اور گھروں کی صفائی اور ترتیب، اور گھر والوں کے عادات کا جائزہ لیا، اور مطلوبہ معیار سے غیر مطمئن واپس آئیں۔ تہانی نے میری ماں کو اپنی ایک سہیلی کو دیکھنے کا مشورہ دیا جو معلمات کے انسٹی ٹیوٹ میں تھی، جو چودھویں کے چاند کی طرح خوبصورت اور اخلاق لحاظ سے بہترین تھی، اور ہمارے طبقے سے تعلق رکھتی تھی، اور اس کے گھر والے سادہ اور محترم لوگ تھے۔ میری ماں نے تہانی کے ساتھ اس لڑکی کے گھر جانے کا منصوبہ بنایا، ہم گئے اور میری ماں انتہائی مطمئن اور خوش واپس آئیں کیونکہ انہوں نے محمود کے لیے مناسب دلہن تلاش کر لی تھی۔ بس یہ باقی تھا کہ وہ اسے پسند کرے اور لڑکی اور اس کے گھر والے رضامند ہوں اور کون چیف انجینئر محمود صالح سے انکار کرے گا؟ میری ماں نے محمود سے بات کی اور اس لڑکی کے بارے میں بتایا تو اس نے ابتدائی رضامندی ظاہر کی کہ وہ لڑکی کو دیکھنے کے بعد حتمی فیصلہ کرے گا۔

میری ماں نے دوبارہ ابو محمد سعید کے گھر کا چکر لگایا، وہاں انہوں نے ام محمد سے بات کی کہ ہم ان کی بیٹی "وداد" کے لیے محمود کی طرف سے رشتہ بھیجنے کا شرف حاصل کرنا چاہتے ہیں، تو کیا ہم باضابطہ طور پر آئیں؟ ام محمد نے گھر میں جلد مشاورت کے بعد کہا: "آپ کو خوش آمدید"، اور انہوں نے جمعے کے بعد کا وقت طے کیا۔ جمعہ کے دن میرے ماموں بھی وفد میں شامل ہونے آئے، اور میری بہن فاطمہ بھی آئی، میری ماں، محمود، حسن اور تہانی تیار ہو کر دلہن کے گھر گئے۔ حسب معمول مرد ایک کمرے میں بیٹھے اور عورتیں دوسرے کمرے میں، اور بہت ساری خیر مقدمی اور تعریفی باتیں ہوئی۔ آخر میں، محمود اور وداد نے ایک دوسرے کو دیکھا اور دونوں نے ایک دوسرے کے بارے میں پسندیدگی اور رضامندی ظاہر کی تو زغارید (خوشی کے نعرے) بلند ہوئے اور ان کی منگنی کا اعلان کیا گیا، اور دو ماہ بعد نکاح اور شادی کے لیے اتفاق ہو گیا، تاکہ اہم ضروری کاغذی کارروائی مکمل کر سکیں، خاص طور پر حسن کے لیے دلہن کی تلاش مکمل کر سکیں، اور وداد معلمات کے انسٹی ٹیوٹ سے ڈپلومہ مکمل کر کے سند حاصل کر سکے۔

میری ماں نے حسن کے لیے مناسب دلہن کی تلاش جاری رکھی، اور آئے روز کسی نہ کسی لڑکی کو دیکھنے جاتیں تو کبھی ان کو ایک پسند نہیں آتی کہ اس کے بال گھنگریالے تھے، کبھی اس لیے کہ اس کی ناک لمبی تھی، کبھی اس لیے کہ اس کے دانت بڑے تھے، کبھی اس لیے کہ اس کا گھر صاف نہیں تھا۔ ہر دفعہ ماں اپنی تلاش سے واپس آکر حسن کو تفصیلی رپورٹ دیتی اور ساتھ میں تہانی بھی ہوتی۔ کافی محنت کے بعد حسن نے ماں سے پوچھا: ماں! آپ کیوں اتنی محنت کر رہی ہیں؟ ماں نے غصے اور محبت سے جواب دیا: کیوں نہ کروں، حسن، تم

کسی سے کم ہو گیا؟ حسن ہنستے ہوئے بولا: ماں، غلط مت سمجھیں، میرا مطلب یہ ہے کہ دلہن تو یہاں نزدیک ہی ہے اور آپ کی نظر کے سامنے ہے۔ ماں حیران ہو کر بولی: کون؟ کیا مطلب ہے تمہارا؟ حسن نے کہا: ”سعاد، ام العبد کی بیٹی، ہماری پڑوسن۔ ماں نے مسکراتے ہوئے چھیڑا: واقعی تمہیں وہ پسند ہے، حسن؟ حسن شرماتے ہوئے بولا: ماں، آپ مجھے جانتی ہیں، میں نے کبھی اس پر نظر نہیں ڈالی، لیکن وہ لڑکی خوبصورت، محترم اور ہماری طرح سادہ ہے، جیسے کہا جاتا ہے: اپنے ہی وطن کی مٹی سے گارا بناؤ۔ ماں نے سنجیدگی سے پوچھا: کیا تم اسے واقعی پسند کرتے ہو؟ حسن نے جواب دیا: ہاں، پوری سنجیدگی سے۔

ماں نے تہانی کو بلایا اور اسے بتایا، تہانی نے حیرت سے پوچھا: کیا تم واقعی اسے پسند کرتے ہو؟ حسن نے جواب دیا: ہاں، تہانی نے کہا: واقعی وہ خوبصورت محترم اور ایک عزت دار خاندان کی لڑکی ہے، ہم نے پہلے کیوں نہ سوچا؟ حسن نے جواب دیا؟ یہی دنیا کا حال ہے، سونا تمہارے ہاتھ میں ہوتا ہے اور تم دور دیکھتے ہو۔ ماں جلدی سے بولی: کل صبح ہی میں اس کا رشتہ مانگنے جاؤں گی، اللہ کے فضل سے، اور واقعی صبح سویرے ماں نے ام العبد سے صاف صاف بات کی اور بتایا کہ وہ سعاد کا رشتہ حسن کے لیے مانگ رہی ہے۔ ام العبد نے دوپہر تک کا وقت مانگا تاکہ اپنی بیٹی اور بیٹوں کی رائے لے سکے۔ دوپہر کو جب ماں ام العبد کے گھر گئی تو دونوں کے زغردسن کر ہمیں جواب معلوم ہو گیا، اور آس پاس کی پڑوسنیں بھی مبارکباد دینے آگئیں۔

شادی کی تیاریاں زور و شور سے شروع ہو گئیں، دلہن اور دولہا کے لیے گھر کا سامان خریدنا، دونوں کے کپڑوں کا انتظام کرنا، تقریباً ایک مہینے تک ماں کبھی ام العبد کے گھر، کبھی ابو محمد سعید کے گھر اور کبھی شہر کے مرکز میں کپڑے اور زیورات خریدنے میں مصروف رہیں۔ آخر کار تمام تیاریاں مکمل ہو گئیں اور نکاح اور شادی کا دن آپہنچا۔ مجھے اور محمد اور میرے چچا زاد ابراہیم کو بہت ساری چیزیں تیار کرنی تھی، ہم نے کئی بید کی کرسیاں کرائے پر لیں اور انہیں ایک ریڑھی پر لے جا کر دروازے کے سامنے رکھ دیا۔ ہم بقلاوے کی ٹرے لائے، کافی مقدار میں گوشت اور دو بوری چاول خریدے اور ہمسایوں سے بڑی تعداد میں ٹرے جمع کیں، ہر ٹرے پر گھرانے کا نام لکھا تاکہ ٹرے آپس میں نہ مل جائیں۔ میری ماں نے اپنی تین پڑوسی خواتین کے ساتھ مل کر کھانا بنانے میں مدد کی اور نگرانی کی، ہم نے شادی کا سٹیج تیار کیا، چند میزیں ادھار لیں، انہیں آپس میں باندھا اور دیوار کے ساتھ مضبوط کیا، پھر انہیں قالین اور چٹائیوں سے ڈھانپ دیا اور دو ڈبل بانس کی کرسیاں جو ہم نے پڑوسیوں سے ادھار لی تھیں، ان پر نماز کی چادریں بچھا دیں۔ پھر ہم نے ایک لمبی بجلی کی تار تلاش کی اور اسے ایک دور کے گھر سے جوڑا جہاں بجلی تھی، کیونکہ صرف کچھ ہی گھروں میں بجلی تھی، جو مالی طور پر بہتر حالت میں تھے۔ ہم نے رنگ برنگی لائٹوں کی ایک تار کرائے پر لی اور اسے شادی کے اسٹیج کے اوپر لٹکا دیا۔ یہ سب کچھ دوپہر کے بعد مکمل ہو گیا اور مہمان آنے لگے، عورتیں گھر کے اندر بیٹھ گئیں اور مرد باہر سڑک پر بنے شیڈ کے نیچے بیٹھے۔ عورتوں کے نغمے اور خوشی کے نعرے مسلسل جاری رہے، پھر ہم نے کھانا پیش کرنا شروع کیا، چاول کی ٹرے جن پر سرخ گوشت کے ٹکڑے تھے۔ پھر میں، محمود اور ابراہیم صابن کے ٹکڑے اور مٹی کے پانی کے جگ لیے کھڑے ہو گئے اور ہمارے کندھوں پر کاٹن کے تولیے تھے، جو مہمان کھانا کھا چکے تھے، وہ ہمارے پاس آئے، ہم میں سے ایک نے انہیں صابن کا ٹکڑا دیا اور دوسرے نے ان کے ہاتھوں پر پانی ڈالا، تاکہ وہ اپنے ہاتھ اور منہ دھو سکیں۔ وہ ہمیں مبارکباد دیتے اور پھر ہم انہیں تولیہ دیتے تاکہ وہ اپنے ہاتھ خشک کر سکیں۔ اس کے بعد وہ بقلاوے کی ٹرے سے میٹھا کھانے جاتے، کھانا ختم ہونے کے بعد بہت سے مہمان اپنے گھروں کو واپس چلے گئے اور دولہا دلہن کے گھر والوں کے ساتھ کچھ قریبی رشتہ دار اور دوست باقی رہے۔ عورتیں گانے اور خوشی کے نعرے لگاتے ہوئے ایک نئے گھر کی طرف چل پڑیں، ان کے ساتھ ڈھول بھی بجتا رہا۔ جب وہ ابو محمد کے گھر کے قریب پہنچیں تو وہ شادی کے نغمے گانے لگیں۔ جب وہ دروازے تک پہنچیں تو اندر سے خوشی کے نعرے گونجے، مرد ایک کمرے میں داخل ہوئے جہاں مولوی صاحب موجود تھے، جنہوں نے نکاح کی رسم مکمل کی اور اسے دستاویزی شکل دی، اس کے بعد مرد باہر آئے اور دروازے کے باہر انتظار کرنے لگے، دلہن تیار ہو کر باہر آئی، والد نے اس کا بازو پکڑا اور ایک بھائی نے دوسرا بازو پکڑا اور اسے محمود کے حوالے کر دیا، جبکہ زغارید (خوشی کی آوازیں) بلند ہو رہی تھیں اور قافلہ گھر کی طرف واپس چل پڑا۔ دلہن کو گھر میں داخل کیا گیا اور کچھ خواتین اس کے ساتھ رہیں اور کچھ گانے اور زغارید گاتی رہیں۔ پھر قافلہ دوبارہ نکلا اور چند قدموں پر موجود دوسری دلہن کے گھر پہنچا، اسی طریقے اور انہی اقدامات کے ساتھ، سعاد کے بھائیوں نے اس کا بازو پکڑا اور اسے حسن کے حوالے کر دیا جو زغارید اور گانوں کے درمیان اسے گھر لے آیا۔

دو دلہنوں کو ایک ہی کمرے میں داخل کیا گیا تاکہ وہ زفاف (شادی کی تقریب) کی تیاری کر سکیں۔ میری ماں نے محمود اور حسن سے کہا کہ وہ زفاف کے اسٹیج پر جا کر اپنی اپنی کرسی پر بیٹھ جائیں اور اپنی دلہن کا انتظار کریں تاکہ وہ ان کے ساتھ بیٹھ سکیں اور زفاف کی رسم حسب معمول ہو سکے۔ محمود کے لیے کوئی مسئلہ نہیں تھا، لیکن حسن نے سختی سے انکار کر دیا اور کہا: میں کیسے بیٹھ سکتا ہوں جبکہ خواتین میرے سامنے ناچیں گی، یہ حرام ہے۔ میری ماں حیران رہ گئی اور اس سے درخواست کرنے لگی کہ یہ ہماری زندگی کی وہ خوشی کا دن ہے جس کا ہم نے طویل عرصے سے انتظار کیا ہے۔ محمود نے بھی حسن سے درخواست کی کہ وہ شادی کی خوشی کو خراب نہ کرے، لیکن حسن نے سختی سے انکار کر دیا۔ گفتگو جاری رہی اور لمبی ہو گئی، آخر کار فاطمہ نے ایک درمیانی حل پیش کیا کہ محمود اور حسن آدھے گھنٹے کے لیے اسٹیج پر چڑھ جائیں اور اس دوران خواتین ناچنے کی بجائے صرف نغمے اور زغارید کریں، پھر دلہنیں اسٹیج سے نیچے اتر جائیں گی اور ایک کرسی ہٹا دی جائے گی اور ایک کرسی پر بیٹھ جائیں گی اور خواتین ان کے ساتھ جیسے چاہیں برتاؤ کر سکیں گی۔ محمود نے اس پر اتفاق کیا اور حسن نے بھی آخر کار مان لیا، دونوں اسٹیج پر چڑھ گئے اور اپنی اپنی کرسی پر بیٹھ گئے، پھر دلہنیں باہر آئیں اور اپنے اپنے شوہر کے ساتھ بیٹھ گئیں، اور خواتین نے نغمہ اور زغارید کرنا شروع کر دیا۔

(بقیہ صفحہ نمبر 116 پر)

اِک نظر اِدھر بھی!

خباب ابن السبیل

اسرائیلی کمپنی کی تشہیر میں نہتے فلسطینی کے قتل کی ویڈیو فوٹیج کا استعمال

دفاعی سازوسامان بنانے والی ایک اسرائیلی کمپنی رافائل نے اپنے ڈرون کی تشہیر کے لیے ایک نہتے فلسطینی کو نشانہ بنانے کی ویڈیو اپنے سوشل میڈیا اکاؤنٹ سے شئیر کی ہے۔ مارکیٹنگ کی ایسی مثال شاید ہی پہلے کبھی دیکھی گئی ہو۔ رافائل ایڈوانسڈ ڈیفنس سسٹمز لمیٹڈ اسرائیل کی ایک بڑی دفاعی کمپنی ہے جو ایئر ڈیفنس سسٹمز، میزائلوں، اور دیگر ہائی ٹیک ہتھیاروں کی تیاری کے لیے مشہور ہے۔ ۲۰۲۴ء میں رافائل کی سیلز ۴ء۸ بلین ڈالر تک پہنچیں، جو کہ ۲۰۲۳ء کے مقابلے میں ۲۷ فیصد اضافہ ظاہر کرتی ہیں۔ رافائل کا آرڈر بیک لاگ (Order Backlog) ۲۰۲۴ء میں ۱۷ء۷۶ بلین ڈالر تک پہنچ گیا، جو اس کی مضبوط عالمی مانگ کو ظاہر کرتا ہے۔ رافائل کی جانب سے حال ہی میں انڈین ایئر فورس کو فضائی برتری دلوانے لیے کے لیے ہندوستان کو اسکائی اسٹنگ 6th جنریشن لانگ رینج میزائل کی پیشکش بھی کی گئی ہے۔ نیٹو ممبر رومانیہ جس کی یوکرین کے ساتھ قریباً ۶۵۰ کلومیٹر مشترکہ سرحد ہے، اسے بھی ڈونلڈ ٹرمپ اور امریکی حکومت کے دباؤ کے سبب رافائل سے دفاعی نظام کے ۲ء۳ بلین ڈالر کا سات سالہ معاہدہ کرنا پڑا ہے۔ یورپ اسرائیلی دفاعی سامان کا سب سے بڑا خریدار تھا، جس نے ۲۰۲۴ء میں کل برآمدات کا ۵۴ فیصد خریدا، اور وزارت کے حکام نے یوکرین پر روس کے جاری حملے کو یورپی ممالک کی طرف سے مانگ میں اضافے کی وجہ قرار دیا۔ اسرائیلی وزارت کے حکام نے یہ بھی کہا ہے کہ انہیں کچھ حکومتوں کی طرف سے تشویش بڑھ رہی ہے، خاص طور پر مغربی یورپ میں، جنہوں نے اسرائیل کے ساتھ ہتھیاروں کے سودے منسوخ کر دیے ہیں یا دوسری صورت میں جنگ کے حوالے سے اسرائیلی دفاعی فرموں پر پابندیاں لگا دی ہیں۔

اسرائیلی فوج میں خودکشیوں کے بڑھتے واقعات

اسرائیلی اخبار Haaretz کی رپورٹ کے مطابق رواں سال کے آغاز سے اسرائیلی فوجیوں میں خودکشی کے واقعات میں اضافہ ہوا ہے۔ رپورٹ کے مطابق جنوری سے اب تک ڈیوٹی کے دوران کم از کم ۱۵ فوجی اپنی جانیں لے چکے ہیں۔ اخبار میں بتایا گیا کہ ان فوجیوں میں سے زیادہ تر ریزرو فوجی تھے جنہیں جاری جنگ کے دوران فعال خدمات کے لیے بلایا گیا تھا۔ ان میں سے اکثر کو شدید جنگی حالات کا سامنا کرنا پڑا جس کا ان کی ذہنی صحت پر شدید اثر پڑا۔ اکتوبر ۲۰۲۳ء میں جنگ کے پھیلاؤ کے بعد سے اسرائیلی فوجی محصور غزہ کی پٹی میں طویل لڑائی کے بعد شدید نفسیاتی اور جسمانی تھکن کا شکار ہیں۔ اسرائیل کی والہ نیوز سائٹ کی رپورٹس فوجیوں میں خودکشیوں میں پریشان کن اضافے کی نشاندہی کرتی ہیں، جس کی وجہ ان کارروائیوں سے وابستہ شدید تناؤ ہے۔ رپورٹ کے حوالے سے بیان کردہ فوجی اعداد و شمار کے مطابق، کچھ فوجیوں نے ۳۰۰ سے زائد دنوں تک بغیر چھٹیوں کے جنگ لڑی ہے۔ ۲۰۲۴ء میں ریکارڈ کی گئی خودکشیوں کی تعداد میں پچھلے سال کے مقابلے میں نمایاں اضافہ ہوا ہے۔ ۳۸ کیسز رپورٹ ہوئے، جن میں سے ۲۸ غزہ میں جنگ کے بعد پیش آئے۔ اس کے بالکل برعکس، ۲۰۲۲ء میں صرف ۱۴ خودکشیاں ریکارڈ کی گئیں، اور ۲۰۱۱ء میں صرف ۱۱، جو کہ صرف دو سالوں میں تقریباً چار گنا بڑھنے میں خطرناک حد تک نمایاں ہیں۔ خودکشیوں میں اضافہ تین لاکھ سے زیادہ ریزرو فوجیوں کو متحرک کیے جانے سے منسلک ہے، جن میں سے اکثر نے غزہ میں فوجی کارروائیوں میں اپنی شمولیت کی وجہ سے دائمی نفسیاتی دباؤ کا سامنا کیا ہے۔ فوج کے ہیومن ریسورس ڈویژن کے ایک ذریعے نے بتایا کہ لڑائی کے نتیجے میں ہونے والی ہلاکتوں کے بعد خودکشی فوجیوں میں موت کی دوسری بڑی وجہ بن گئی ہے۔ ۲۰۲۳ء میں، ۵۵۸ اموات ریکارڈ کی گئیں، جن میں ۵۱۲ فوجی آپریشنز کے دوران، ۱۷ خودکشیاں، اور دس طبی وجوہات کی وجہ سے ہوئیں۔ ۲۰۲۴ تک، ۳۶۳ اموات نوٹ کی گئیں، جن میں ۲۹۵ آپریشنل سرگرمیوں، ۲۱ خودکشیاں، اور ۱۳ صحت سے متعلق مسائل سے ہوئیں۔

یورپ، فلسطینی ریاست چاہتا ہے یا فلسطینی مغلوبیت و خواب کی تدفین؟

عرب تجزیہ نگار مالک الخوری یورپ کی جانب سے فلسطین کو تسلیم کیے جانے کے فیصلے پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنے مضمون میں لکھتے ہیں:

”اسرائیل نے آٹھ دہائیوں سے اپنی حدود متعین کرنے سے انکار کر رکھا ہے کیونکہ اس کی شناخت نوآبادیاتی عزائم میں پیوست ہے جو کبھی ختم نہیں ہوئی۔ فلسطینی ریاست کو یورپ کی جانب سے دیر سے تسلیم کرنا، کھلم کھلا جیوپالیٹیکل چال اور وسیع پیمانے پر نارملائزیشن کا حصہ ہے، جو فلسطینیوں کی آزادی کو پس پشت ڈالتی اور شکست کو سفارتی پیشرفت کے جھانسے میں دہراتی ہے۔ ہم ریاست کی پیدائش کا مشاہدہ کر رہے ہیں یا اپنی شکست کا اعلان؟ فرانس اور برطانیہ، بالکل اسی وقت ”فلسطینی ریاست“ کو تسلیم کرنے کی تیاری کر رہے ہیں جب فلسطینی سیاسی جغرافیہ سب سے زیادہ بکھرا ہوا اور صہیونی منصوبہ انتہائی جارحانہ ہے۔ اسرائیل کا کوئی باقاعدہ رسمی اور جامع تحریری ’آئین و دستور‘ نہیں۔ صہیونی نظریے نے حتمی سرحدوں کو تسلیم نہیں کیا، بجائے اس کے ایک ایسی ریاست قائم کی جس کی کوئی سرکاری سرحد نہیں کیونکہ اس کے عزائم فلسطینی جغرافیہ سے باہر اردن، شام، لبنان اور مصر کے حصوں کو ضم کر لینے تک پھیلے ہیں۔

فرانسیسی صدر کہتا ہے:

’ہمیں حماس کو ضرور غیر مسلح کرنا ہو گا، فلسطین (غزہ و مغربی کنارہ) کی غیر فوجی حیثیت کو قبول کرنا اور اسرائیل کو مکمل طور پر تسلیم کرنا ہو گا۔‘

ترکیہ، جو اسرائیل کا ایک اہم تجارتی شراکت دار اور حماس کا سیاسی حمایتی ہے، فلسطین کو اس کے علاقائی قد اور توانائی سے فائدہ اٹھانے کے ایک آلے کے طور پر دیکھتا ہے۔ فرانس، سعودیہ، ترکیہ اور برطانیہ کے تعلق کو ایک دوسرے سے ملایا جا رہا ہے، ان میں سے کوئی بھی فلسطینی حقوق (یا مذہبی مسئلہ) کے اصولی موقف سے نہیں بلکہ طاقت، اثر و رسوخ اور سیاست کی عینک سے ہی اسے دیکھتا ہے۔ ایک ریاست جو مقبوضہ و بکھری ہوئی زمین پر، مسلسل محاصرے میں اور خود مختاری سے محروم ہو، کیسے قائم رہ سکتی ہے؟ اگر اسرائیل توسیع اور تسخیر کر رہا ہے اور دوسری طرف فلسطینی تحریک کے مطالبات کو پس پشت ڈالا جا رہا ہے اور علاقائی ریاستیں اسرائیل سے تعلقات معمول پر لا رہی ہیں، تو اصل میں کیا حاصل ہوا؟

یورپ کا 'بغیر دانتوں والے' فلسطین کو تسلیم کرنا ہے۔ صہیونی بستیاں بڑھ رہیں اور نقل مکانی جاری ہے، یہ آزادی نہیں بلکہ سفارت کاری کی آڑ میں خواب کی تدفین ہے۔"

اسرائیل کے حامی نک ایڈمز کی ملائیشیا میں بطور امریکی سفیر تعیناتی کے خلاف مظاہرے

اسرائیل کے حامی قدامت پسند مصنف اور سیاسی مبصر نک ایڈمز کی بطور امریکی سفیر کے ملائیشیا میں مجوزہ تقرری کے خلاف درجنوں مظاہرین ملائیشیا کے دارالحکومت کوالالمپور میں امریکی سفارت خانے کے باہر جمع ہوئے۔ ایڈمز جسے اسلام مخالف بیانات کے لیے جانا جاتا ہے، کو امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے گزشتہ ہفتے اس عہدے کے لیے نامزد کیا تھا۔ مظاہرین نے ملائیشیا کی حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ ایڈمز کی مجوزہ تقرری کو مسترد کرنے کے لیے بین الاقوامی اصولوں کے تحت اپنا حق استعمال کرے۔ ملائیشیا کے وزیر اعظم انور ابراہیم نے صحافیوں کو بتایا کہ ایڈمز کی تقرری کے بارے میں فیصلہ کرنا ابھی بہت جلد ہے، لیکن ان کی حکومت اس معاملے پر مناسب غور کرے گی۔ خبر رساں ادارے روئٹرز کے مطابق انور نے کہا، "اس کے ساتھ ساتھ، ہم ملائیشیا اور امریکہ کے درمیان اچھے تعلقات کے تحفظ کی کوشش کریں گے۔"

غزہ میں اسرائیل کی نسل کشی کی جنگ کی حمایت ظاہر کرنے والے نک ایڈمز کی سوشل میڈیا پوسٹوں نے ملائیشیا میں مسلمانوں کو مشتعل کیا ہے، جس سے جنوب مشرقی ایشیائی ملک میں غیر ملکی سفارتی تقرری کے خلاف ایک غیر معمولی رد عمل کو ہوا ملی ہے۔ ملائیشیا مسلم اکثریتی آبادی والا ملک ہے جو طویل عرصے سے فلسطینی کاز کا مضبوط حامی رہا ہے۔ انور کی پیپلز جسٹس پارٹی کے رکن محمد ایزوان احمد قاسم نے رائٹرز کو بتایا کہ ایک سفیر کا کام دو ملکوں کے درمیان پل بننا ہے، اور ہم نہیں چاہتے کہ وہ شخص کوئی ایسا ہو جو اس پل کو تباہ کر دے۔

ملائیشیا کے سیاسی منظرنامے میں اسلام پسندوں کی حمایت میں اضافہ

جرمن نشریاتی ادارے ڈی بلیو کی رپورٹ کے مطابق ملائیشیا کے سیاسی منظر نامے میں حالیہ برسوں میں نمایاں تبدیلی آئی ہے، جس کا ثبوت اسلام پسند جماعتوں کا عروج ہے۔ اگرچہ یہ جنوب مشرقی ایشیا کے سب سے زیادہ نسلی اعتبار سے متنوع ممالک میں سے ایک ہے، لیکن حکمران اتحاد کے مبینہ لبرل ایجنڈے کے خلاف بڑھتا ہوا عوامی عدم اطمینان وزیر اعظم انور ابراہیم کی اقتدار پر گرفت کے لیے ایک اہم چیلنج بن گیا ہے۔ اپوزیشن 'پریکتان نیشنل' (پی این) یا نیشنل الائنس، پانچ جماعتی گروپ کا ایک اتحاد ہے، جس میں ملائیشین اسلامک پارٹی (پی اے ایس) بھی شامل ہے۔ گزشتہ دہائی میں اس نے کافی مقبولیت حاصل کی اور انتخابی میدان میں بھی کامیابیاں مل رہی ہیں۔ اس نے ۲۰۲۳ء کے ریاستی انتخابات میں حیران کن انتخابی کامیابی حاصل کی، اور ۲۴۵ میں سے ۱۴۶ سیٹیں جیت کر کئی ریاستوں میں حکومتیں بنائیں۔ یہ انتخابات ایک اہم موڑ ثابت ہوئے، کیونکہ انہوں نے شمالی اور مشرقی ساحلی ریاستوں میں پی این کے کنٹرول کو مضبوط کیا اور خاص طور پر نوجوان اور اسلام پسند ووٹروں میں اس کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ کو ظاہر کیا۔ جن ریاستوں، مثلاً کیلن تان، تیرین گانو، کیداہ اور پرلیس میں پی اے ایس کی حکومتیں ہیں، یہ وہاں اپنے اسلام پسند نظریے سے ہم آہنگ پالیسیوں پر زور دے رہی ہے۔ کچھ لوگ اسے اکثر "سبز لہر" کہتے ہیں، جو اسلام پسند پالیسیوں کی حمایت میں اضافے کی عکاسی کرتی ہے۔ ایک سیاست دان اور رکن پارلیمان وان سیف وان جان نے ڈی ڈبلیو کو بتایا، "اسلام ہماری قومی شناخت کا مرکز ہے۔ اس لیے اسلامی اقدار کو تھامے رکھنا، یا معاشرے کو اسلامی نظریات کے مطابق ڈھالنا کوئی نئی بات نہیں۔" لیکن وان جان اس بات کی بھی نشاندہی کرتے ہیں کہ "کچھ لوگوں" کی طرف سے پالیسیوں کی تشکیل میں ملک کی کثیر المذہبی اور کثیر النسلی تاریخ، ورثے اور شناخت کے اثر کو کم کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ "انور ابراہیم انتظامیہ حکمرانی اور اصلاحات کرنے میں اپنی ناکامی کو چھپانے کے لیے نام نہاد 'اسلامائزیشن' کو ایک واہمے کے طور پر استعمال کر رہی ہے۔ ہمیں اس کی اجازت نہیں دینی چاہیے کہ انور ہمارے اصل مسئلے پر پردہ ڈالنے کی کوشش کریں۔ جرمن نشریاتی ادارے کی اس خبر میں ایک جھلک مغرب کی اس پریشانی کی بھی ملتی ہے جو ویسے تو دنیا بھر میں بشمول مسلم ممالک میں جمہوریت کے فروغ کا خواہاں ہے لیکن اگر اسلام پسند جماعتیں اسی جمہوری نظام میں رہتے ہوئے اکثریت اور غلبہ حاصل کرنے لگیں تو ان کے لیے جیسے خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگتی ہیں۔

روس کی جانب سے ویگنر گروپ کی جگہ مالی میں افریقن کور کی تعیناتی

روس کی وزارت دفاع نے مالی میں ویگنر گروپ کے جنگجوؤں کی جگہ اپنی افریقن کور کو تعینات کر دیا ہے۔ ویگنر گروپ کے وہاں تقریباً ڈھائی ہزار اہلکار تعینات تھے جبکہ افریقن کور کے پاس اس وقت مالی میں تقریباً دو ہزار اہلکار تعینات ہیں۔ افریقن کور نے ۱۰۰ سے زیادہ بڑے جنگی ساز و سامان مالی میں منتقل کیے ہیں، جن میں اہم جنگی ٹینک، متعدد راکٹ لانچنگ سسٹمز اور ٹیکٹیکل بمبار طیارے شامل ہیں، جس سے ملک میں روسی افواج کے لیے دستیاب فائر پاور میں بہت اضافہ ہوا ہے۔ ویگنر گروپ نے اس سے قبل روس کی جیلوں سے تقریباً پچاس ہزار قیدیوں کو استعمال کرتے ہوئے یوکرین کے خلاف روس کی فرنٹ لائن کے ایک اہم حصے کے ساتھ کام کیا تھا۔ ۲۰۲۳ء کے دوران، ویگنر روسی حکومت کے لیے خطرے میں اس وقت تبدیل ہو گیا جب اس گروپ نے جون ۲۰۲۳ء میں

بغاوت کی کوشش کی۔ اسی لیے روس بیرون ملک روسی سکیورٹی کی تعیناتیوں پر کنٹرول کو مرکزی بنانے کی کوشش کر رہا ہے۔ روسی وزارت کی جانب سے ۲۰۲۳ء کے آخر میں شام میں ویگنر گروپ کو ہٹا لیا گیا، ۲۰۲۴ء کے اوائل میں لیبیا اور اب مالی سے ہٹانے کے باوجود، ویگنر گروپ وسطی افریقی جمہوریہ اور بیلاروس دونوں میں آزادانہ طور پر کام جاری رکھے ہوئے ہے، جہاں بالترتیب تقریباً دو ہزار اور تین سو ویگنر اہلکار تعینات ہیں۔ نئی تعینات ہونے والی افریقن کور بھی ایک روسی نیم فوجی گروپ ہے جو روسی حکومت کے براہ راست کنٹرول اور انتظام کے تحت کام کرتا ہے، خاص طور پر روسی وزارت دفاع کے۔ اس فوجی ادارے کو روس نے مختلف افریقی ممالک میں تعینات کیا ہے۔ افریقن کور روس کی وسیع حکمت عملی کا حصہ ہے تاکہ افریقہ میں اپنے اثر و رسوخ اور موجودگی کو بڑھایا جائے، خاص طور پر ساحل کے خطے میں۔ افریقن کور نے مالی، برکینا فاسو اور نائجر جیسے ممالک میں اپنے بہت سے آپریشنز اور اہلکاروں کو سنبھالا ہے۔ افریقہ میں گروپ کی سرگرمیوں میں حکومتوں کو سکیورٹی امداد، تربیت اور سازوسامان کی فراہمی کے ساتھ ساتھ ممکنہ طور پر جنگی کارروائیوں میں حصہ لینا بھی شامل ہے۔ بعض مبصرین کی رائے میں افریقن کور کا مقصد ویگنر کے مقابلے میں اپنی موجودگی کم ظاہر کرنا اور براہ راست لڑائی کے بجائے تربیت اور مدد پر زیادہ توجہ مرکوز کرنا ہے۔ روس افریقن کور کا استعمال اثر و رسوخ، وسائل تک محفوظ رسائی (جیسے نائجر میں یورینیم) اور افریقہ میں نقل مکانی کے راستوں کو کنٹرول کرنے کے لیے کرتا ہے۔

امریکہ کا آسٹریلیا اور جاپان پر دباؤ، ہمیں بتائیں کہ امریکہ-چین جنگ کی صورت میں آپ کی حکمت عملی کیا ہو گی: پینٹاگون

پینٹاگون، تائیوان کے موضوع پر امریکہ، چین جنگ کی صورت میں اختیار کی جانے والی حکمت عملی کی وضاحت کے لئے، جاپان اور آسٹریلیا پر دباؤ ڈال رہا ہے۔ روزنامہ فنانشل ٹائمز نے مذاکرات کی تفصیلات سے باخبر ذرائع کے حوالے سے کہا ہے کہ امریکی وزارت دفاع کے سیکرٹری برائے امورِ سیاست 'ایلبریج کولبی' نے دونوں ممالک کے دفاعی حکام کے ساتھ مذاکرات میں اس معاملے کو آگے بڑھایا ہے۔ اخبار کے مطابق، یہ درخواست جاپان اور کینبرا دونوں کے لیے غیر متوقع تھی کیونکہ خود امریکہ، تائیوان کے دفاع کے لیے، غیر مشروط ضمانت فراہم نہیں کرتا۔ رائٹرز نے اس رپورٹ کی تصدیق نہیں کی اور امریکی محکمہ دفاع نے بھی اس بارے میں کوئی بیان جاری نہیں کیا۔ امریکہ اور تائیوان کے درمیان سرکاری سفارتی تعلقات کی عدم موجودگی کے باوجود امریکہ تائیوان کو اسلحہ درآمد کرنے والا سب سے اہم ملک ہے۔ تائیوان، چینی حاکمیت کے دعوے کو رد کرتا ہے لیکن بیجنگ نے اپنی حاکمیت کے دعوے کو تقویت دینے کے لئے بعض فوجی مشقوں سمیت جزیرے پر عسکری دباؤ میں اضافہ کر دیا ہے۔ واضح رہے کہ 'ایلبریج کولبی' نے صدر ڈونلڈ ٹرمپ کے پہلے دورِ صدارت میں حکمت عملی اور قوت میں اضافے جیسے موضوعات پر بحیثیت نائب وزیرِ دفاع کے خدمات سرانجام دی تھیں۔ کولبی، امریکی فوج کے چین کے ساتھ مقابلے کو ترجیح دینے اور مشرق وسطیٰ اور یورپ سے توجہ ہٹانے کے مؤقف کی وجہ سے، شہرت رکھتے ہیں۔

وہ امریکہ جو کبھی مسلم ممالک سے کہتا تھا کہ تم یا ہمارے ساتھ ہو یا ہمارے خلاف، آج اپنے اتحادیوں کو دھمکانے پر مجبور ہے کہ وہ اس کا ساتھ دینے کا وعدہ کریں۔

کیا تاجکستان ایک اور مشرقی ترکستان بن رہا ہے؟

تاجکستان کی موجودہ صورتحال کے حوالے سے ایک تاجک مسلمان نے برطانیہ میں مسلمانوں کے حقوق کے لیے کام کرنے والی ایک تنظیم کو اپنے ایک پیغام میں بتایا:

”تاجکستان کی موجودہ صورتحال مشرقی ترکستان سے مختلف نہیں ہے۔ اگر کوئی حجاب پہنتا ہے یا داڑھی رکھتا ہے تو اسے پہلی بار جرمانہ اور دوسری بار قید ہو گی۔ مساجد موجود ہیں لیکن وہ خالی ہیں۔ اگر کسی مسجد میں بہت زیادہ لوگ جمع ہوں تو اسے بند کر دیا جاتا ہے یا وہاں موجود ہر شخص کو انفرادی طور پر جرمانہ کیا جاتا ہے۔ اگر آپ مسجد یا اپنے گھر کے علاوہ کہیں اور نماز پڑھتے ہیں تو آپ کو فوراً طلب کیا جاتا ہے۔ آپ بس چلتے رہیں اور جرمانے ادا کرتے رہیں۔ میرے کچھ رشتہ داروں کو صرف گیس اسٹیشن پر نماز پڑھنے پر جرمانہ کیا گیا۔ جب میں تاجکستان پہنچا تو میرے رشتہ داروں میں سے ایک کو ابھی گرفتار کیا گیا تھا، وجہ مضحکہ خیز تھی، وہ ازبکستان گئے تھے اور ازبکستان کے شاہی محل کے عالم صوفی سولیخون ڈوملا کے ساتھ تصویر کھینچ کر کسی ویب سائٹ پر اپ لوڈ کر دی تھی۔ اس کی وجہ سے اسے بیس ہزار ڈالر ادا کرنے پڑے۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو ان کا کہنا تھا کہ اسے ۱۵ سال قید کی سزا سنائی جاتی۔ ہمارے گھر کے بالکل سامنے ایک مسجد ہے، محل کا مقرر کردہ امام وہاں نماز پڑھاتا تھا۔ اگرچہ وہ مطیع تھا، پھر بھی وہ اسے وقتاً فوقتاً طلب کرتے، مارتے، اس کے پیسے لے لیتے اور پھر اسے چھوڑ دیتے۔ اس مسجد میں زیادہ سے زیادہ ۴ یا ۵ بزرگ نماز کے لیے آتے ہیں۔ میرا ایک عزیز جو جرمنی میں ہے اور ان حالات سے واقف ہے، اس نے واپس آنے سے انکار کر دیا ہے۔ انہوں نے اس کے والد کو طلب کیا، اس پر تشدد کیا اور ہزاروں ڈالر نکلوا لیے۔ اس کے پاس کئی مویشی اور کاریں تھیں، وہ سب پیسے بٹورنے کے لیے بیچ دی گئیں۔ ایک بار جب انہوں نے دیکھا کہ پیسے باقی نہیں ہیں تو انہوں نے اسے جانے دیا۔ انہوں نے یہاں تک کہا، 'آپ ابھی جا سکتے ہیں، اگر ہم بور ہوئے تو ہم آپ کو دوبارہ بلائیں گے'۔ تاجکستان میں، اگر کوئی شخص غیر مذہبی ہے، تو وہ کسی حد تک سکون سے رہ سکتا ہے۔ لیکن مسلمان امن سے نہیں رہ سکتا۔ جلد یا بدیر، انہیں طلب کیا جائے گا، تشدد کا نشانہ بنایا جائے گا، جرمانہ یا قید کی سزا دی جائے گی۔ عوام شدید خوفزدہ ہو چکے ہیں۔ جب مجھے بلایا گیا تو محلے کے سربراہ نے میرے کچھ رشتہ داروں سے کہا: ”وہ اوپر سے آپ کے بھانجے کو بلا رہے ہیں“۔ میرے چچا ڈر گئے اور بولے: 'ہمیں کچھ نہیں معلوم، براہ کرم ہمیں اس میں شامل نہ کریں'۔

لوگوں میں خوف بنی اسرائیل کی طرح ہے جس نے فرعون کے زیر سایہ برسوں کے ظلم و ستم کو برداشت کیا۔ یہاں تک کہ جب ایک نبی ان کے سامنے کھڑا ہو تا تو وہ لڑنے سے بھی ڈرتے تھے۔ انہوں نے کہا تم اور تمہارا رب جاؤ اور لڑو، ہم یہیں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ تاجکستان میں دینی درس سننے پر جرمانہ یا جیل ہو سکتی ہے۔ اگر آپ کے فون پر کوئی درس ملتا

ہے، تو آپ کو فی ریکارڈنگ تین سو ڈالر ادا کرنے پڑتے ہیں۔ زیادہ دروس کا مطلب زیادہ جرمانہ ہے۔ اگر آپ ادائیگی نہیں کر سکتے تو آپ جیل جائیں گے۔ میرے گھر واپس آنے سے پہلے ایک گمراہ آدمی تھا جس نے درس سنا اور اللہ کے حکم سے نماز پڑھنا شروع کر دی اور شراب چھوڑ دی۔ دینی دروس سننے کے بعد، انہوں نے اسے گرفتار کر لیا اور ۸ سال قید کی سزا سنائی۔ جب وہ شراب پی رہا تھا تو کسی نے اسے پریشان نہیں کیا، لیکن جب اس نے اسلام پر عمل کرنا شروع کیا، انہوں نے اسے جیل میں ڈال دیا۔ ظلم کا اس سے زیادہ ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے؟ میں جیل کے اندر ہونے والی اذیت کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ حیرت ہوتی ہے کہ کیا اس حکومت کے لیے کام کرنے والے بھی انسان ہیں؟“

تاجکستان اس وقت سیاسی اور دفاعی لحاظ سے روس پر انحصار کرتا ہے لیکن معاشی منصوبوں اور معاہدوں میں چین کی عملداری بڑھی ہے۔

ملک بھر میں پولیس اہلکاروں کے جرائم میں ملوث ہونے کی بڑھتی شرح

تحصیل ہیڈکوارٹر ہسپتال گجر خان کے خواتین کے باتھ روم میں خفیہ طور پر ویڈیوز بنانے والے پنجاب پولیس کے حاضر سروس ہیڈ کانسٹیبل کو شہریوں کی بروقت کارروائی پر رنگے ہاتھوں پکڑ کر پولیس کے حوالے کر دیا گیا۔ انگریزی اخبار سے وابستہ رپورٹر صالح مغل نے پولیس ذرائع کے حوالے سے بتایا ہے کہ گرفتار ملزم عقیل عباس لاہور میں پولیس ٹریننگ ونگ سے وابستہ ہے اور وقوعہ کے وقت سول کپڑوں میں ملبوس تھا۔ ابتدائی رپورٹ کے مطابق وہ ہسپتال میں بھی خواتین کی تصاویر اور ویڈیوز بنا رہا تھا۔ شہری بلال حسین نے ہسپتال میں طبی معائنے کے دوران مشتبہ حرکات دیکھ کر ملزم کو روکا، اس کا موبائل فون چیک کیا جس میں خواتین کی غیر اخلاقی تصاویر اور ویڈیوز موجود تھیں۔ بلال نے ملزم کو فوراً قابو میں لے کر پولیس کے حوالے کر دیا۔ پولیس نے ملزم کے خلاف باضابطہ مقدمہ درج کر لیا ہے، جس میں دفعہ ۳۵۴ (عصمت دری کی کوشش)، دفعہ ۲۹۲ (فحش مواد)، اور دفعہ ۵۰۹ (خواتین کی توہین و ہراسانی) شامل کی گئی ہیں۔ ایس پی صدر نبیل کھوکھر اور اے ایس پی سید دانیال کے مطابق ملزم ماضی میں ایک بیوہ خاتون کے ساتھ زیادتی کے مقدمے میں بھی ملوث رہ چکا ہے، تاہم متاثرہ خاتون سے راضی نامہ کے بعد وہ کیس خارج کر دیا گیا تھا۔

وی نیوز کی ایک خبر کے مطابق راولپنڈی پولیس کے دو اہلکار بھتہ خوری اور شہری پر تشدد میں ملوث نکلے۔ دونوں اہلکاروں نے ایک ڈاکٹر کو چاندنی چوک میں تشدد کا نشانہ بنایا اور منشیات کے مقدمے میں پھنسانے کی دھمکی دے کر ۲۵ ہزار روپے چھین لیے۔

ڈان نیوز کی ایک رپورٹ کے مطابق راولپنڈی پولیس کے اہلکار وفاقی دارالحکومت اسلام آباد میں اغوا برائے تاوان میں ملوث نکلے ہیں جن کے خلاف تھانہ سنگجانی پولیس نے مقدمہ درج کر کے ایک اغوا کار کو گرفتار کر لیا ہے۔

جیو نیوز کی ایک خبر کے مطابق کراچی کے علاقے بلاول جوکھوں گوٹھ سے اغوا ہونے والے شہری کے کیس میں ۵ پولیس اہلکار ملوث نکلے جنہیں حراست میں لیا گیا۔

پبلک نیوز کی ایک خبر کے مطابق صرف لاہور میں سال ۲۰۲۵ء میں چھ ماہ کے دوران پولیس افسران و اہلکاروں کے خلاف ۴۶ مقدمات کا اندراج ہوا، درج شدہ مقدمات میں کانسٹیبل سے لے کر سب انسپکٹرز تک ۳۷ پولیس اہلکار نامزد کیے گئے۔

ملک بھر میں پولیس اہلکاروں کے جرائم میں ملوث ہونے کی بڑھتی شرح پر تبصرہ کرتے ہوئے انڈیپینڈنٹ اردو کے ایک مضمون میں ارشد چوہدری لکھتے ہیں:

”جتنے بھی پولیس ملازمین کے خلاف مقدمے درج ہوتے ہیں یا محکمانہ کارروائیاں ہوتی ہیں، ان کے بعد کسی کو سزا نہیں ملتی۔ وہ اعلیٰ افسران یا عدالتوں کے ذریعے دوبارہ بحال ہو جاتے ہیں یا کم از کم سزا سے بچ جاتے ہیں۔ کارروائی بھی انہی پولیس اہلکاروں کے خلاف دیکھنے میں آتی ہے جن کا کیس میڈیا پر یا سوشل میڈیا پر ہائی لائٹ ہوتا ہے۔ پھر اپنے ہی محکمے کے افسران ملازمین کے خلاف سخت کارروائی سے گریز کرتے ہیں۔ منشیات سمگلنگ میں پولیس اہلکاروں کے ملوث ہونے کی شرح میں بھی غیر معمولی اضافہ ہو رہا ہے۔ ان کے خلاف کارروائی ہوتی بھی ہے تو وہ منشیات فروشوں سے تعلقات کی بنیاد پر کام شروع کر دیتے ہیں۔ ایسی کئی مثالیں موجود ہیں کہ سب انسپکٹر، حوالدار رینک کے اہلکار بھی کروڑوں پتی بن چکے ہیں۔ سیاسی سرپرستی بھی ایک اہم ترین پہلو ہے جس سے کارروائی کا خوف ملازمین میں کم ہو جاتا ہے۔“

لاہور ہائی کورٹ ججز ریسٹ ہاؤس کے چوکیدار اور خدماتی عملے کے خلاف کیس

لاہور ہائی کورٹ کی جانب سے شروع کی جانے والی اندرونی انکوائری میں ججز ریسٹ ہاؤس، GOR-I کے چوکیدار اور خدماتی عملے کے چار ارکان پر کراکری استعمال کرنے پر معمولی جرمانے کی سفارش کی گئی ہے جبکہ ان میں سے ایک میسی ویٹر کو ایک اور بدتمیزی کے الزام میں سروس سے برخاست کر دیا گیا ہے۔ یہ الزامات ۳ دسمبر ۲۰۲۴ء کو پیش آنے والے ایک واقعے سے ہیں، جہاں ملزم عملہ ریسٹ ہاؤس کے سویٹ نمبر ۶ میں لنچ کرتے ہوئے ”معزز ججوں“ کے لیے مخصوص کراکری کا استعمال کرتے ہوئے پایا گیا۔ انکوائری رپورٹ کے مطابق، جب یہ معاملہ پیش آیا تو ویٹر نے بھی اپنے سینئرز کے ساتھ نامناسب اور اہانت آمیز رویے کا مظاہرہ کیا۔ رپورٹ میں عملے کے خلاف بدانتظامی کے الزامات کی حمایت کے لیے گواہوں کے بیانات اور ویڈیو شواہد کا بھی حوالہ دیا گیا ہے۔ کچھ عرصہ قبل ایسی ہی ایک اور مضحکہ خیز خبر نظر سے گزری جس کے مطابق ایک جج کی گاڑی کو ان کے سکیورٹی قافلے میں شامل ایک گاڑی نے اوور ٹیک کیا جو جج کو ناگوار گزرا اور انہوں نے اس گاڑی کے ڈرائیور کو شوکاز نوٹس ایشو کروا دیا تھا۔

پروجیکشن کی ہوس نے پنڈورا باکس کھول دیا

پنجاب میں حالیہ سیلاب کے دوران فوج کی جانب سے بظاہر ایک مضحکہ خیز ریسکیو کرتب دکھایا گیا جس نے ایک ایسا پنڈورا باکس کھولا کہ اللہ کی پناہ۔ ایک ویڈیو میں دکھایا گیا ہے کہ پانی میں گھرے ایک مکان کی چھت پر کھڑے چند افراد کو فوجی ہیلی کاپٹر ریسکیو کر رہا ہے۔ ابتدا میں تو فوج کے پروپیگنڈا

اکاؤنٹس نے اسے پروجیکشن کی نیت سے ہی شئیر کیا لیکن جلد ہی تفصیلات آنا شروع ہوئیں کہ یہ ویڈیو فوٹیج بلیو ورلڈ سٹی ہاؤسنگ سوسائٹی کی تھی۔ وسیع رقبے پر قائم اس سوسائٹی کو آبی گزرگاہ پر قبضہ کرکے قائم کیا گیا تھا اور اسے غیر قانونی بھی قرار دیا گیا۔ پھر اس میں اتنے بڑے پیمانے پر پلاٹوں کی فائلیں بیچ دی گئیں کہ جتنے پلاٹ موجود ہی نہیں تھے، یعنی یہ سیدھا سادہ فراڈ کیس تھا۔ کمپنی کے مالکوں پر سو سے زائد مقدمات بنتے ہیں۔ صحافی شاہد اسلم کی ایک رپورٹ کے مطابق اس کمپنی کے فراڈ میں میں اعلیٰ فوجی افسران کی شمولیت بھی تھی۔ پھر چند مزید چیزیں بھی نوٹ کرنے کے قابل ہیں جو اس جرنیلی مافیا کی نفسیات اور ان کے طریقہ واردات کو سمجھنے میں مدد دیں گی۔ اس کیس کو بطور ٹیسٹ کیس کے طور پر لیں۔ ملک بھر میں مختلف شعبوں میں موجود مافیاز کے ساتھ ان کا گٹھ جوڑ اسی قسم کا ہے۔ یہ ان مافیاز کو قابو کرنے کے لیے پہلے نمائشی قسم کے کیس بنواتے ہیں، پھر جب یہ مافیاز ان کے سامنے سرنڈر کر جائیں پھر انہیں استعمال کیا جاتا ہے۔ اب سنتے جائیں صرف اسی ایک کمپنی کے کرتوت۔ یہی کمپنی جو آبی راستے پر قبضے کرکے دریا کا راستہ کاٹ کر اس پر سکیمیں بناتی ہے، یہی کمپنی سنو ٹی وی کے نام سے چینل بھی چلا رہی ہے۔ اگر آپ کو یاد ہو تو جعلی ڈگری سکینڈل میں ملوث کمپنی مالکان نے بعد میں بول ٹی وی چینل کھولا تھا۔ اسی بلیو ورلڈ کمپنی نے گزشتہ سال پی آئی اے کی خریداری کے لیے فقط دس ارب بولی لگائی۔ صرف یہی نہیں بلکہ صحافی اشرف ملخم کے مطابق بلیو ورلڈ سٹی کے ذمہ داران نے نجکاری سیکرٹری سے سوال کیا کہ اگر ہم پی آئی اے کی بولی جیت جائیں تو کیا دس ارب روپے کی مد میں اپنی سوسائٹی کے پلاٹ ایڈجسٹ کروا سکیں گے؟ یعنی ان کا ارادہ دس ارب دینے کا بھی نہیں تھا بلکہ قبضے کے پلاٹ حوالے کرنے کا تھا۔ اسی کمپنی نے ارطغرل کو پاکستان بلانے کا معاہدہ بھی کیا۔ بلیو ورلڈ سٹی کے مالک چوہدری سعد نذیر نے گولڈ میڈل حاصل کرنے والے ایتھلیٹ ارشد ندیم کو ساتھ کھڑا کرکے انہیں اپنی سوسائٹی بلیو ورلڈ سٹی کا برینڈ ایمبسڈر بنایا اور لیجنڈ ایونیو میں پلاٹ دینے کا اعلان کیا لیکن اپنی تشہیر کروانے کے بعد انعامات دینے سے مکر گیا۔ پھر اقصیٰ میوزیم کا افتتاح کرکے اسے بھی کیش کروانے کی کوشش کی۔ اس کا ڈائریکٹر چوہدری نعیم اعجاز مسلم لیگ ن کی ٹکٹ پر پنجاب کی صوبائی اسمبلی کا ممبر بھی ہے۔ سوشل میڈیا پر یہ خبریں بھی گردش کرتی رہیں کہ پاکستان میں صہیونی مشروبات کے بائیکاٹ کے وقت جب نیکسٹ کولا مارکیٹ میں جگہ بنا رہی تھی تو نیکسٹ کولا کے مالک کو اغوا کیا گیا تاکہ اس سے فارمولا حاصل کیا جاسکے۔ بعد میں اسی گروپ کی جانب سے خلافت کولا لانچ کی گئی۔ لیکن اس مذہبی اصطلاح کے اس طرح تجارتی مقاصد کے استعمال کو لوگوں نے سخت تنقید کا نشانہ بنایا۔ البتہ اس الزام کی تصدیق نہ ہوسکی کہ نیکسٹ کولا کے مالک کے اغوا اور پھر رہائی کے پیچھے یہی عوامل تھے۔ سکیورٹی اداروں نے بھی اس بابت معلومات دینے سے گریز کیا جس نے صورتحال کو مزید مشکوک بنادیا۔ جب عاصم منیر کو فیلڈ مارشل کا عہدہ ملا تو بلیو ورلڈ سٹی کی جانب سے اخبارات میں عاصم منیر کے لیے بڑے اشتہارات شائع کیے گئے۔ یہ خوشامدی اشتہارات عموماً مراعات حاصل کرنے کی ایک تکنیک ہوتے ہیں۔

فوج کی تجارتی دفاعی کمپنیوں کے لیے سہولت کاری پر مبنی امپورٹ پالیسی میں ترامیم

وزارت تجارت نے امپورٹ پالیسی آرڈر ۲۰۲۲ء میں ترمیم کرتے ہوئے ریاستی دفاعی اداروں اور ان کی ملکیتی کمرشل ذیلی کمپنیوں کو دفاعی نوعیت کی گاڑیوں، ہیلی کاپٹروں اور ان کے پرزہ جات کی درآمد اور بعد ازاں برآمد کی اجازت دے دی ہے۔ جون ۲۰۲۵ء میں اقتصادی رابطہ کمیٹی (ای سی سی) نے خصوصی سرمایہ کاری سہولت کونسل (ایس آئی ایف سی) کی سفارش پر وزارت تجارت کی اس تجویز کی منظوری دی تھی۔

ایس آئی ایف سی نے وزارت تجارت سے درخواست کی تھی کہ امپورٹ پالیسی آرڈر ۲۰۲۲ء میں ترمیم کی جائے تاکہ ریاستی دفاعی اداروں اور ان کی ملکیتی کمرشل ذیلی کمپنیوں کو دفاعی نوعیت کی گاڑیوں، ہیلی کاپٹروں اور اسمبلیز کی درآمد اور بعد ازاں برآمد کی اجازت دی جاسکے۔ اس ضمن میں ایس آئی ایف سی میں دو کمپنیوں، ایرو سلوشنز اور مارگلہ ہیوی انڈسٹریز لمیٹڈ، کی درخواست پر اجلاس منعقد ہوئے جن میں وزارت دفاع، وزارت دفاعی پیداوار، وزارت صنعت و پیداوار، ایف بی آر اور وزارت تجارت کے نمائندگان نے شرکت کی اور اس تجویز کی حمایت کی تاکہ دفاعی برآمدات کے امکانات کو فروغ دیا جاسکے۔

پاکستان میں فوج کے قائم کردہ تجارتی اداروں کو جو مراعات حاصل ہیں وہ کسی سے ڈھکی چھپی نہیں لیکن جو تجارتی ادارے دفاع سے منسلک ہیں ان کے متعلق کسی سوال اور احتساب کا تو امکان ہی نہیں ہے کہ ایسا کرنا آپ کو غداروں کی فہرست میں لا کھڑا کرے گا۔ فوجی افسران دفاعی ساز و سامان کی خرید و فروخت میں کتنے بڑے پیمانے پر کرپشن میں ملوث ہوتے ہیں اور یہ کرپشن سامنے آنے پر بھی عدالتیں کس قسم کا احتساب کرپاتی ہیں اسے سمجھنے کے لیے آگستا سکینڈل کی تفصیلات پڑھ لیجیے۔

ایڈمرل منصور الحق ۱۹۹۴ء سے ۱۹۹۷ء تک نیول چیف رہے۔ ان پر فرانس سے خریدی جانے والی آگستا آبدوز میں کمیشن لینے کا الزام لگا۔ ۱۹۹۷ء میں نوکری سے برخاست ہوئے۔ ان کے خلاف تحقیقات شروع ہوئیں ۱۹۹۸ء میں امریکہ فرار ہوگئے۔ ان کے خلاف مقدمات نیب میں منتقل ہوگئے امریکہ میں اس دوران اینٹی کرپشن قوانین پاس ہوگئے جس کی زد میں موصوف بھی آئے اور گرفتار ہوئے۔ امریکہ کی جیل میں عام قیدیوں جیسا سلوک دیکھ کر انھوں نے امریکی حکومت کو لکھ کر دے دیا کہ ”مجھے پاکستان کے حوالے کر دیا جائے، میں اپنے ملک میں مقدمات کا سامنا کروں گا۔“ امریکی جج نے یہ درخواست منظور کر لی۔ کالم نگار جاوید چوہدری لکھتے ہیں:

”منصور الحق کو ہتھکڑی لگا کر جہاز میں سوار کر دیا گیا، سفر کے دوران ان کے ہاتھ سیٹ سے بندھے ہوئے تھے مگر یہ جہاز جوں ہی پاکستانی حدود میں داخل ہوا، منصور الحق کے ہاتھ کھول دیے گئے، انھیں وی آئی پی لاؤنج کے ذریعے ایئر پورٹ سے باہر لایا گیا، نیوی کی شاندار گاڑی میں بٹھایا گیا، پولیس، ایف آئی اے اور نیب کے افسروں نے انہیں سیلوٹ کیا، یہ سہالہ لائے گئے، سہالہ کے ریسٹ ہاؤس کو سب جیل قرار دیا گیا اور منصور الحق کو اس 'جیل' میں 'قید' کر دیا گیا۔ منصور الحق کی 'جیل' میں اے سی کی سہولت بھی تھی، انہیں

خانساماں بھی دیا گیا۔ بیگم صاحبہ اور دوسرے اہل خانہ کو ملاقات کی اجازت بھی تھی اور منصور الحق لان میں چہل قدمی بھی کر سکتے تھے۔ یہ نیب اور ایف آئی اے کے دفتر نہیں جاتے تھے۔ تفتیشی ٹیم ان سے تفتیش کے لیے ریسٹ ہاؤس آتی تھی۔ یہ عدالت بھی تشریف نہیں لے جاتے تھے، عدالت چل کر ان کے ریسٹ ہاؤس آتی تھی اور ان کے وکیل کی صفائی سنتی تھی۔ منصور الحق نے کرپشن کی دولت کا ۲۵ فیصد سرکار کے حوالے کرنے کا وعدہ کیا، صدر مشرف نے ان کی 'پلی بارگیننگ' منظور کر لی اور یوں منصور الحق کو ۷۵ فیصد کرپشن کے ساتھ رہا کر دیا گیا۔ موصوف کی خود اعتمادی دیکھیے کہ ۲۰۱۳ء میں پنشن اور دیگر مراعات کی بحالی کے لیے حکومت پاکستان کے نام مقدمہ بھی دائر کیا۔

رینجرز کے ونگ کمانڈر کے گارڈ کا کراچی یونیورسٹی کے سینئر پروفیسر پر تشدد

جولائی ۲۰۲۵ء میں جامعہ کراچی کیمپس اسٹاف ٹاؤن میں مقیم جامعہ کراچی کے سینئر پروفیسر ڈاکٹر آفاق احمد صدیقی کے سامنے والے مکان میں ناجائز طور پر رینجرز نے قبضہ کیا ہوا ہے وہاں آج کل جامعہ کراچی میں تعینات ونگ کمانڈر مقیم ہیں انہوں نے اپنے عملے کو ہدایت کی ہے کہ کیونکہ ان کی بکریوں کو مچھر کاٹتے ہیں لہٰذا اس سے بچاؤ کے لیے روانہ کچرا جلایا جائے تاکہ دھویں سے مچھر بھاگ جائیں۔ سامنے مکان میں مقیم پروفیسر ڈاکٹر آفاق احمد صدیقی نماز مغرب کے بعد گھر آئے تو دیکھا کہ آج پھر کچرا جلایا جا رہا ہے انہوں نے وہاں موجود گارڈ کو کہا کہ بھائی اس کو نہ جلاؤ میں کل بھی اس دھویں کی وجہ سے نہیں سو سکا کیونکہ دھواں کمرے میں بھر جاتا ہے اور سانس لینے میں تکلیف ہوتی ہے۔ گارڈ جو کہ رینجرز اہلکار تھا، اس نے کہا کہ تم کون ہوتے ہو ان سے بدتمیزی کی اور منہ پر زوردار تھپڑ رسید کر دیا جس سے پروفیسر آفاق صدیقی کا چشمہ ٹوٹ گیا ان کی آنکھ میں خون بھی جم گیا۔ ان کو دیکھ کر اہل محلہ جمع ہوئے اور بات یونیورسٹی انتظامیہ تک چلی گئی۔ ونگ کمانڈر آئے اور انہوں نے پروفیسر آفاق پر رینجرز اہلکار کے گریبان پر ہاتھ ڈالنے کا الزام عائد کر دیا۔ ونگ کمانڈر کے گارڈ نے جو کچھ کیا وہ نہ ہی پہلا واقعہ تھا اور نہ ہی انوکھا۔ آرمڈ فورسز کے اہلکار جب موٹر وے، ٹریفک اور شہری پولیس کو کسی خاطر میں نہیں لاتے اور انہیں بار ہا تشدد کا نشانہ بنا چکے ہیں تو ایسے میں کسی استاد، کسی ڈاکٹر، یا کسی بھی عام سویلین کی کیا اوقات کہ وہ ان کے شر سے بچ سکے۔ کراچی میں رینجرز کی آمد تین دہائی قبل امن و امان کی بحالی کے لیے عارضی بنیادوں پر ہوئی تھی اور ہر سال حکومت سندھ ان کی مدت میں اضافہ کرتی رہی ہے، تاہم رینجرز نے شہر میں اپنے قیام کے مستقل ٹھکانے بھی بنائے ہیں۔ کراچی میں رینجرز کو پولیس اور انسداد دہشت گردی ایکٹ کے تحت خصوصی اختیارات حاصل ہیں، جن میں بغیر وارنٹ چھاپے اور گرفتاریوں کے علاوہ مشکوک افراد کو ۹۰ دن تک حراست میں رکھنے کے اختیارات بھی شامل ہیں۔ ان اختیارات میں وقتاً فوقتاً وفاقی حکومت کی جانب سے توسیع کی جاتی ہے۔ پولیس کے ساتھ رینجرز کے اتنی بڑی تعداد میں ہونے کے باوجود جرائم میں غیر معمولی اضافہ و تسلسل یہ ظاہر کرتا ہے کہ فورسز کا فوکس جرائم پیشہ عناصر کی بجائے کچھ اور ہی رہتا ہے اور جن کی حفاظت کے نام پر ان کو تعینات کیا گیا ہوتا ہے ان عام شہریوں کو یہ آئے روز ذلیل کرتے ہیں اور ظلم کا نشانہ بناتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

بقیہ: کوئی غنڈہ اپنے بل پر غنڈہ نہیں ہوتا

یعنی اس پہلو کی ہرگز اہمیت نہیں کہ سوائے اسرائیل خطے کے باقی ممالک این پی ٹی اور آئی اے ای اے کے رکن ہیں اور ان کے جوہری منصوبے بین الاقوامی نگرانی میں ہیں۔ مغرب کے لیے اہم بات یہ ہے کہ اسرائیل کے قرب و جوار میں کسی بھی ملک کے پاس پرامن ایٹمی صلاحیت تک نہیں ہونی چاہیے۔ مبادا کل اس ملک کی نیت بدل جائے اور وہ اسرائیل کی علاقائی بدمعاشی اسی کے ڈھب میں چیلنج کرنے کے بارے میں سوچے۔ یہ تو سب جانتے ہیں کہ کوئی دلال یا گلی کا غنڈہ یا بدمعاش ریاست کسی بڑے بدمعاش یا ڈان کی پشت پناہی کے بغیر آپریٹ نہیں کر سکتے۔ اس "خدمت" کے عوض وہ دس گندے کام ڈان کے لیے تو پانچ اپنے لیے کرے گا۔ پشت پناہ اور ڈرٹی ورک کرنے والے رفتہ رفتہ ایک دوسرے کی ضرورتوں کے یرغمال ہو جاتے ہیں۔ جب کمزور پڑنے لگتے ہیں تو بتدریج بدلتے وقت یا کسی اور ابھرتی طاقت یا اتحاد کا لقمہ بن جاتے ہیں۔ ذرا سوچیے کہ موجودہ رفتار کے حساب سے اگلے پچاس برس میں چین کہاں ہوگا اور امریکہ، یورپ اور اسرائیل کہاں کھڑے ہوں گے۔ سات ہزار برس سے زوال و کمال کی میوزیکل چیئر ایسے ہی کھیلی جا رہی ہے۔ جنگل ہو کہ آبادی۔ قانونِ قدرت دونوں کے لیے یکساں ہے۔

[یہ مضمون ایک معاصر روزنامے میں شائع ہو چکا ہے۔ مستعار مضامین، مجلے کی ادارتی پالیسی کے مطابق شائع کیے جاتے ہیں۔ (ادارہ)]

بقیہ: کانٹے اور پھول

میری ماں کے آنسو مسلسل ان کے چہرے کو دھو رہے تھے، اور فاطمہ ان کے دائیں جانب اور تہانی بائیں جانب انہیں تسلی دینے کی کوشش کر رہی تھیں، رو کیوں رہی ہیں، یہ وہ خوشی کا دن ہے جس کا آپ نے طویل عرصے سے انتظار کیا ہے۔ میری ماں اپنے آنسو پونچھتیں اور پھر سے رو پڑتیں اور آہستہ سے کہتیں کہ اگر تمہارے والد آج یہاں ہوتے تو، اس بات پر فاطمہ اور تہانی بھی آنسو بہانے لگتیں اور آہستہ سے کہتیں: کیوں اس زخم کو دوبارہ کھول رہی ہیں، ماں؟ یہ تو پہلے ہی بھر چکا ہے۔

دلہنیں اپنے سفید لباس تبدیل کرنے کے لیے نیچے اتر آئیں، اور ایک کرسی لے لی جبکہ دوسری کو اسٹیج کے وسط میں رکھ دیا۔ محمود نے حسن کو چھیڑتے ہوئے کہا، "شیخ صاحب، ہر روز تو شادی نہیں ہوتی، واقعی تم تو اخوانی نکلے۔ پتہ نہیں کس نے میرے ساتھ تمہاری شادی کرائی، اللہ تمہیں جزا دے"۔ حسن مسکراتے ہوئے بولا: چلو چلو، عورتوں کو خوش ہونے دو، ان کے پیچھے خواتین کے گانے اور زغارید کی آواز بلند ہو رہی تھی اور انہوں نے میری ماں کو زبردستی اس مجمع میں گھسیٹ لیا، پھر ام العبد اور ام محمد کو بھی مجبور کیا، وہ یہ نہیں سمجھ سکتی تھیں کہ ان آنسوؤں کا مطلب اس خوشی کے دوران کیا ہے، لیکن یہ کیمپ کی حالت ہے، ہر خوشی پرانے زخموں کو پھر سے کھول دیتی ہے اور سب یادیں تازہ ہو جاتی ہیں۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

تلوار اور قلم

فیض لدھیانوی

معمولی تصرف کے ساتھ (دو مقامات پر تصرف واوین "" میں درج ہے)

تیز سی تلوار سادہ سا قلم
بس یہی دو طاقتیں ہیں بیش وکم

ایک ہے جنگی شجاعت کا نشاں
ایک ہے علمی لیاقت کا نشاں

آدمی کی زندگی دونوں سے ہے
قوم کی تابندگی دونوں سے ہے

جو نہیں ڈرتے قلم کی مار سے
زیر کرتے ہیں انہیں تلوار سے

جب قلم پاتا نہیں کوئی سبیل
اس گھڑی تلوار ہے روشن دلیل

حکمرانی کو قلم درکار ہے
امن کی ضامن مگر تلوار ہے

علم کے میدان میں رازی بنو
جنگ کے میدان میں غازی بنو

وقت پر مضمون لکھو زور دار
وقت پر ڈٹ کر لڑو مردانہ وار

وہ پڑھے لکھے جو بے تلوار ہیں
ان کی ساری ڈگریاں بیکار ہیں

بزم میں اشعار کے گوہر مفید
رزم میں تلوار کے جوہر مفید

آج تک جو بھی ہوا ہے با وقار
تھا کوئی "غازی" یا "تھا" مضموں نگار

فیض کو جتنا قلم سے پیار ہے
اتنی ہی پیاری اسے تلوار ہے

اِسلام صرف عبادات کا نام نہیں

”اِسلام صرف عبادات کا نام نہیں بلکہ وہ تمام مذہبی، تمدنی، اِخلاقی اور سیاسی ضرورتوں کے متعلق ایک کامل اور مکمل نظام رکھتا ہے۔ جو لوگ موجودہ زمانے کی کشمکش میں حصہ لینے سے کنارہ کشی کرتے ہیں اور صرف حجروں میں بیٹھے رہنے کو اِسلامی فرائض کی ادائیگی کے لیے کافی سمجھتے ہیں وہ اِسلام کے پاک وصاف دامن پر ایک 'بدنما داغ' لگاتے ہیں۔

بہت سے نیک بندے ہیں جن کے چہرے پر نماز کا نور اور ذکر اللہ کی روشنی جھلک رہی ہے، لیکن جب ان سے کہا جاتا ہے کہ خدارا جلد اٹھو اور اس امتِ مرحومہ کو کفار کے نرغے سے بچاؤ تو ان کے دلوں پر خوف و ہراس طاری ہو جاتا ہے۔ خدا کا نہیں، بلکہ چند ناپاک ہستیوں اور ان کے سامانِ حرب وضرب کا خوف طاری ہو جاتا ہے۔“

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ